پاکستان

بقاء کی جنگ

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالرزاق بگٹی

(دوسرا نظرثانی شدہ ایڈیشن)

مصنف:
لیفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالرزاق بگٹی

فکشن ہاؤس
لاہور • حیدرآباد • کراچی •

نام کتاب	:	پاکستان بقا کی جنگ (دوسرا نظر ثانی شدہ ایڈیشن)
مصنف	:	لیفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالرزاق بگٹی
اہتمام	:	ظہور احمد خاں
پبلشرز	:	فکشن ہاؤس لاہور
کمپوزنگ	:	فکشن کمپوزنگ اینڈ گرافکس، لاہور
پرنٹرز	:	سید محمد شاہ پرنٹرز، لاہور
سرورق	:	اعظم بگٹی
اشاعت اول	:	2011ء
اشاعت دوئم	:	2014ء
قیمت	:	-/500 روپے

تقسیم کنندہ:

فکشن ہاؤس: بک سٹریٹ 39-مزنگ روڈ لاہور، فون: 042-37249218-37237430

فکشن ہاؤس: 52,53 رابعہ سکوائر حیدر چوک حیدر آباد، فون: 022-2780608

فکشن ہاؤس: نوشین سنٹر، فرسٹ فلور دوکان نمبر 5 اردو بازار کراچی، فون: 021-32603056

● لاہور ● حیدر آباد ● کراچی

e-mail: fictionhouse2004@hotmail.com

پیشِ نظر کتاب ہمارے واٹس ایپ گروپ کے سکالرز کی طلب پہ سافٹ میں تبدیل کی گئی ہے۔ مصنفِ کتاب کے لیے نیک خواہشات کے ساتھ سافٹ بنانے والوں کے حق میں دعائے خیر کی استدعا ہے۔

زیرِ نظر کتاب فیس بک گروپ "کتب خانہ" میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔
گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share

میر ظہیر عباس روستمانی

03072128068

فہرست مضامین

پیش لفظ

بیسویں صدی کے اختتام پر افواہیں گرم ہوئیں کہ پاکستان کا وجود ایک ملک کی حیثیت سے خدانخواستہ 2025ء تک دنیا کے نقشے سے مٹ جائے گا۔ بعدازاں اس معاملے کے وقوع ہونے کے سن کو اور قریب لایا گیا تو کہا جانے لگا کہ پاکستان نعوذ باللہ 2015ء تک اپنا وجود کھو بیٹھے گا۔ اکیسویں صدی کے اوائل میں 9/11 یعنی 11 ستمبر 2001ء کو امریکا کے شہر نیویارک میں ایک منصوبے کے تحت دو عظیم اور بلند و بالا عمارتیں تباہ کر دی گئیں اور پھر پوری دنیا کا امن تہہ و بالا ہو گیا۔ اقوام متحدہ نے بھی مغربی ممالک کو افغانستان پر جارحیت کا مینڈیٹ دے دیا۔ گزشتہ نو برسوں میں افغانستان میں تقریباً بارہ لاکھ مسلمانوں کا قتال ہوا جو ابھی تک جاری ہے۔ 2004ء میں اقوام متحدہ اور اقوام عالم کی پروا کیے بغیر مغربی جمہوریتوں کی فوجوں نے عراق پر کروسیڈ کیا جہاں پر ڈیزی کٹر بموں کے ذریعے دس لاکھ سے زیادہ عراقی عوام کو ہلاک کیا گیا۔ اس کے علاوہ وہاں کی حکمران قیادت کو پھانسیاں دی گئیں اور شہریوں کو قید خانوں میں ایسی ذلت آمیز اور شرمناک اذیتیں دی گئیں جن کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔

ایک ملاقات کے دوران میرے قریبی دوست جنرل احتشام ضمیر مجھے کہنے لگے کہ "آپ اتنا کچھ علم رکھتے ہیں تو اس علم کو بانٹیں، فراغت کو مشغولیت میں بدل دیں اور قومی اخبارات میں کالم لکھا کریں۔"

یونہی ایک قریبی دوست جو کہ صنعت کار اور گوجر برادری کی اہم شخصیت ہیں جناب چودھری اکرام الحق صاحب کی فیکٹری کے دفتر میں ملکی حالات پر گفتگو ہو رہی تھی تو محسوس ہوا کہ ملک کے مستقبل کے متعلق صنعت کار، تاجر برادری اور عوام میں خاصی مایوسی پائی جاتی ہے۔اب میں نے ارادہ کیا کہ میں اپنا علم عوام میں بانٹوں اور ملک کے خلاف افواہوں کا سدباب کرتے ہوئے عوام، تاجروں اور صنعت کاروں کو ملک کے مستقبل کے متعلق کچھ پُرامید کرنے کی کوشش کروں۔

ایسے ہی جذبات کی کیفیت میں قلم اٹھایا اور فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے افواہوں کی پوٹلی، مغرب اور یہودیوں کی تمنا اور تحریر ''نیو ورلڈ آرڈر'' کے اسرار و رموز کی پردہ کشائی کروں اور اس ضمن میں میں نے مستقبل کے حالات و واقعات کے متعلق تحریر کیا جو چند ہی برسوں میں درست ثابت ہوئے۔ میں نے جناب محترم مجید نظامی ایڈیٹر اِن چیف، روزنامہ نوائے وقت سے بذریعہ ٹیلی فون رابطہ کیا تو ان کو نہایت مشفق، حلیم طبع اور حوصلہ دینے والا انسان پایا۔ اپنے تحریر کردہ اولین کالم بعنوان ''نیو ورلڈ آرڈر وقت امریکا کے ہاتھ سے نکل چکا'' کا مسودہ ارسال کیا۔ یہ ایک طویل کالم تھا جس کو جناب نظامی صاحب نے روزانہ کی بنیاد پر تین اقساط میں شائع کیا۔ اس طرح حوصلہ پا کر مختلف موضوعات اور عنوانات پر کالم لکھ کر جناب مجید نظامی صاحب کو ارسال کرتا رہا جن کو انہوں نے اپنے اخبار کے ادارتی صفحہ پر اہم جگہ دے کر شائع کیا۔

جب میں اپنے تحریر کردہ کالموں پر نظر دوڑاتا ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ میں نے اس بحرانی دور کی گویا تاریخ لکھ ڈالی ہے جس میں کئی مدوجزر آئے اور شدید مشکل حالات میں سے گزر ہوا۔ ظاہراً تو ہمارے عوامی نمائندے اور قومی رہنما بے بس نظر آتے تھے مگر انہوں نے کمال تدبر کے ساتھ مغرب کے بساط کردہ شطرنج کے کھیل کو ہوشیاری اور حب الوطنی کے جذبے کے ساتھ کھیلا اور آخر کار مغرب کو مات دی۔ یہاں پر مختصراً وہ پس منظر بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں جس کی بدولت ہماری قوم نے مصیبتیں جھیلیں۔ میرا مقصد ہرگز کسی رہنما پر کیچڑ اچھالنا نہیں اور نہ ہی کسی کو قابل تعریف بنا کر پیش کرنا ہے۔ جس طرح حالات و واقعات ہو گزرے اس طرح بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ پھر جس

بھی قومی رہنما سے لغزش ہوئی تو یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ خود اس کا ادراک رکھے اور ازالہ کرے۔ البتہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی لہٰذا رہنما وہ ہوتا ہے جو غلطیاں نہ کرے۔ ایک شخص کی غلطی کا نقصان اس خاص شخص کی ذات کو ہوتا ہے مگر ایک رہنما کی غلطی ایک قوم کو لے ڈوبتی ہے۔

امریکا نے افغانستان پر اپنے اتحادیوں کی مجموعی عسکری طاقت کے ساتھ حملہ کر کے قبضہ کرنا چاہا تو انہیں ضرورت ہوئی کہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پاکستان کو سٹیجنگ گراؤنڈ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ امریکی حکومت نے اپنے وزیر خارجہ کولن پاول کے ذریعے اس وقت کے صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کو تڑی دے کر اپنی ضرورت بیان کی تو صدر جنرل پرویز مشرف نے کلی طور پر امریکی مطالبات مان لیے۔ جو کچھ پاکستان میں امریکا کرنا چاہتا تھا وہ کچھ ہونے دیا۔ ایسی صورت حال دیکھ کر امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نہ صرف حیران ہوئے بلکہ کچھ بوکھلا سے گئے جس کا اعتراف ماضی میں انہوں نے خود کیا۔ یہ وہ زمانہ ہے جب پاکستان ایٹمی قوت تو تھا مگر اپنے پاس موجود ایٹم بم کو دور دراز علاقوں میں دشمن پر گرانے کے لیے دور مار میزائل جیسے ڈلیوری سسٹم نہیں رکھتا تھا۔ پاکستان اپنے میزائل پروگرام کو توسیع دینے کے عمل سے گزر رہا تھا۔ ایسی صورت میں پاکستان میں امریکا کی حکم عدولی کی قوت نہیں تھی مگر جس طرح سب کچھ مان لیا گیا ایسا کرنا بھی ضروری نہ تھا۔

ہاتھی کی یادداشت بہت تیز ہوتی ہے مگر طاقت کے نشے میں امریکا بھول گیا کہ پاکستانی قوم صحرائی اور پہاڑی لوگ ہیں، یہ جو کچھ ٹھان لیتے ہیں سو کر گزرتے ہیں۔ یہ پاکستان ہی تھا جس نے پوری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر ایٹمی استعداد حاصل کی مگر امریکا تو دنیا کی واحد سپر پاور ہونے کے نشے میں مدہوش تھا۔ اپنے آپ ہی افغانستان کی دلدل میں کود پڑا اور وقت کے ساتھ دھنستا گیا۔ 2004ء میں امریکا کو ایسا نشہ چڑھا کہ وہ پاکستان کے ساتھ کیے گئے وعدے بھول گیا کہ افغانستان میں اسرائیل اور انڈیا کو نہیں آنے دینا کیونکہ پاکستان کی قیادت کے ساتھ اس نے یہ وعدہ کیا ہوا تھا۔ جب امریکا نے افغانستان میں اسرائیل اور انڈیا کو ملوث کر کے فری ہینڈ دیا تو افغانستان

میں امریکی افواج اور اتحادی عساکر کی کم بختی آئی اور ان کے برے دن شروع ہوئے۔

افغانستان میں اسرائیل اور انڈیا کو آنے کی اجازت دینا امریکی پالیسی سازوں کی اس نئی ملینئیم کی عظیم غلطی تھی جس کی بدولت امریکا کو افغانستان میں ذلت آمیز شکست ہو رہی ہے۔ اسرائیل اور انڈیا نے اپنے قومی مفاد اور مقاصد حاصل کرنے کے لیے پاکستان کے قبائلی علاقہ جات اور بلوچستان میں مداخلت کی جب کہ امریکی انتظامیہ نے بھی جان بوجھ کر اس معاملے میں چشم پوشی کی۔ پاکستان جو کہ اب تک امریکا کا قابل بھروسہ اور مستعد اتحادی تھا وہ امریکی عمل سے بدظن ہوا اور امریکا کی ''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' میں محتاط طریقہ اپنایا۔ ایک اتحادی کی حیثیت سے پاکستان پس پشت چلا گیا اور امریکا نے بے تحاشا مہربانیاں کر کے انڈیا کو پیش پیش لا کر اپنا اتحادی بنا لیا اور اس سے توقعات وابستہ کر لیں۔ ایک طرف انڈیا کو سول ایٹمی ٹیکنالوجی معاہدے سے نوازا تو دوسری طرف پاکستان آ کر امریکی صدر نے پاکستان ٹیلی ویژن پر پاکستانی عوام کو نفرت آمیز الفاظ میں جھڑک دیا کہ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی وجہ سے اعتماد نہیں کیا جائے گا اور پاکستان کے ساتھ سول ایٹمی معاہدہ نہیں ہوگا۔ امریکی انتظامیہ کے مغرور رویے نے پاکستان کو مزید محتاط کیا جس کے نتیجے میں افغانستان کا 80% (اسی فی صد) علاقہ مغربی کروسیڈی عساکر کے تسلط سے نکل گیا۔

اکتوبر 2010ء کا مہینہ پاکستان کی بقا کے لیے ڈپلومیسی اور جدوجہد کے سلسلے میں سنگِ میل ثابت ہوا۔ کچھ ایسا ہوا کہ جس کی بدولت امریکا کا غرور اور پاکستان کے اوپر اس کا دبدبہ بے اثر سا ہو گیا۔ 29 ستمبر 2010ء کو امریکی اتحادی NATO کے ہیلی کاپٹروں نے پاکستان کی مغربی فضائی سرحدوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پاکستانی بے گناہ شہری شہید کیے۔ پاکستان کے احتجاج کو NATO اور امریکی انتظامیہ نے رد کیا۔ 30 ستمبر 2010ء کو دوبارہ NATO ہیلی کاپٹروں کے ذریعے پاکستان پر حملہ کیا گیا۔ اب کی بار پاکستانی چیک پوسٹ پر بم گرائے گئے جس کے نتیجے میں تین ایف سی اہل کار شہید ہوئے اور مزید زخمی ہوئے۔ حکومت پاکستان کے احتجاج کو رد کرتے ہوئے ایسے مزید حملوں کی دھمکی دی گئی۔ پاکستان کی سینیٹ میں اس معاملے پر گرما گرم بحث ہوئی اور قرارداد کے

ذریعے حکومت سے جوابی کارروائی کے ساتھ امریکی اور اس کے اتحادی عساکر کے لیے لاجسٹک سپورٹ روکنے کا حکم دیا۔ اب کے پاکستان نے امریکی لاجسٹک سپورٹ لے جانے والے امریکی کنٹینرز اور آئل ٹینکر طورخم پر روک لیے۔ عوامی ردِعمل بھی شدید ہوا جس کی وجہ سے شکار پور، مکران، اسلام آباد، نوشہرہ اور بولان میں مشروئی کے علاوہ کئی اور مقامات پر NATO کے لیے تیل لے جانے والے آئل ٹینکروں کے کانوائے پر حملے ہوئے جس کے نتیجے میں سینکڑوں آئل ٹینکر جل کر خاکستر ہو گئے اور دیگر سامان کے ساتھ ساتھ تیل کی ترسیل امریکی عساکر کے لیے رک گئی۔ پاکستان کے وزیر خارجہ جناب شاہ محمود قریشی بھی NATO ہیڈ کوارٹر برسلز گئے اور روبرو متعلقہ حکام کے ساتھ باوقار اور سنجیدہ گفتگو کر کے اپنا مؤقف پیش کیا کہ ISAF/NATO اور امریکا کو اس عمل کی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے پاکستانی قوم سے معافی مانگنا چاہیے اور آئندہ اگر ایسا ہوا تو پاکستان دیگر آپشنز بھی استعمال کر سکتا ہے۔ ساتھ ہی پاک فوج کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے بھی ISAF/NATO کے کمانڈر امریکی جنرل ڈیوڈ پیٹریاس اور امریکی چیئرمین جوائنٹ چیفس آف سٹاف ایڈمرل مائیک مولن سے سخت انداز میں فون پر مطالبہ کیا کہ بم باری کرنے والوں کو سزا دی جائے اور ہمارے شہدا کا قصاص دیا جائے۔ چھ دن کی مسلسل سفارتی جنگ کے بعد NATO اور ISAF کے کمانڈر کی طرف سے اس حملے کی ذمہ داری قبول کر لی گئی اور معافی بھی مانگی گئی۔ پاکستان میں متعین امریکی سفیر این ڈبلیو پیٹرسن نے امریکی عوام کی طرف سے پاکستانی عوام سے اس واقعے کے متعلق غلطی قبول کرتے ہوئے معافی مانگ لی۔

یہ ساری صورتِ حال بننے کے بعد مغربی میڈیا میں شوروغوغا بپا ہوا کہ افغانستان کی موجودہ جنگ کے معاملے میں پاکستان ویٹو اختیار رکھتا ہے۔ اب پاکستان کے اوپر ''گاجر اور ڈنڈے'' کی حکمت عملی کارگر نہیں ہوگی۔ پاکستان کی رضامندی کے بغیر افغانستان سے باحفاظت انخلا ممکن نہیں۔ پاکستان کی مدد ناگزیر ہے۔ اب پاکستان اپنے قومی مفاد کے پیش نظر ہی امریکا کو اس دلدل سے نکالنے میں مدد دے سکتا ہے۔ البتہ یہ طے ہے پاکستان اس حیثیت میں ضرور ہے کہ اگر امریکا پاکستان پر بھروسہ کر کے انڈیا اور

اسرائیل کو افغانستان سے رخصت کر دے تو یقیناً یہ امریکا کے حق میں بہتر ہوگا اور اسے آبرومندانہ اور باحفاظت انخلاء میں آسانی ہوگی۔ ویسے بھی پاکستان امریکا کا قابل اعتماد حلیف ہے۔ تعلقات میں اگر کچھ غلط ہوا تو یہ بھی امریکا کی طرف سے ہی ہوا جس کی بدولت اعتماد کا فقدان بڑھتا چلا گیا۔ آج کل پاکستان کی بقا کے لیے ڈپلومیسی اور جدوجہد کو نئی جہت ملی ہے جو خوش آئند ہے۔ میرے دوست ڈاکٹر محبوب علی شیخ چیئرمین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سکھر، سندھ حال ہی میں لاہور تشریف لائے تو ایک شام ہم دونوں نے لاہور گیریژن گالف اینڈ کنٹری کلب کے 19th Hole Coffee House میں کافی پیتے ہوئے ملک کے موجودہ حالات پر تبادلۂ خیالات کیا۔

ڈاکٹر محبوب علی صاحب نے مجھے کہا کہ میں موجودہ حالات کے متعلق کافی علم رکھتا ہوں اس لیے مجھے (راقم کو) کتاب لکھنی چاہیے۔ یہ ایک نیک صلاح تھی تاکہ میں اپنا علم دوسروں میں بانٹوں۔ آخر میں ان سب عزیزوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے وقتاً فوقتاً میری ہمت افزائی کی اور میں یہ کتاب لکھنے کے قابل ہوا۔ میں اپنے قریبی دوست کرنل (ر) الطاف حسین ملک کا بے حد شکر گزار ہوں جنہوں نے کتاب کے مسودے کا مطالعہ کر کے اپنے دانش مندانہ مشوروں سے میری رہنمائی اور ہمت افزائی کی۔

پیش لفظ

(طبع ثانی)

قدیم سندھ (موجودہ پاکستان) کے عظیم صوفی شاعر شاہ عبداللطیف بھٹائی، داستان سوہنی مانہیوال میں فرماتے ہیں "مڑیا مچھ ھزار بھانگا تھیندی سوہنی"۔ جب سوہنی دریائے چناب میں ڈوب کر فوت ہوگئی تو "ہزاروں مگرمچھ جمع ہوگئے کہ اب سوہنی کے حصے بخرے ہوں گے"۔

سابق صدر جنرل پرویز مشرف کے دور میں اور اس کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کی سابق جمہوری حکومت کے دور میں ایسی صورتحال بن گئی تھی کہ بین الاقوامی 48 چھوٹی بڑی مگرمچھ قومیں افغانستان میں جمع ہو کر انتظار کرتے رہے کہ کب نعوذ باللہ پاکستان کا وجود بے جان ہو جاتا ہے تاکہ اس کے حصے بخرے کر لیے جائیں۔ امریکا، برطانیہ، فرانس، جرمنی، آسٹریلیا اور مشرق و مغرب کے چھوٹے بڑے ممالک پاکستان کی مغربی سرحدوں پر جمع ہو گئے۔ ان کے ساتھ انڈیا اور اسرائیل بھی شامل ہوئے اور سب کے سب پاکستان کو نوچتے رہے تاکہ یقین ہو کہ پاکستان خدانخواستہ مردہ ہے یا اس میں کچھ جان باقی ہے۔ غیر ملکی مگرمچھوں نے کراچی، بلوچستان اور صوبہ خیبر پختونخوا میں اپنے ایجنٹوں کو مسلح کیا اور ان کے ذریعے تخریب کاری کرواتے رہے۔ مشرقی سرحدوں پر انڈیا کو جرأت نہ ہو سکی اور انہوں نے قوت نمائی ضرور کی ہوئی ہے مگر پاکستان

کی مشرقی بین الاقوامی سرحدوں کو پار کرنے کی جرأت نہ پا سکے۔ البتہ مغربی سرحدوں پر امریکا اور اس کے اتحادیوں کے عساکر گاہے بگاہے حملہ آور ہوتے رہے، مگر ان کو بھی پاکستان کی سرحدوں کے اندر ناپاک قدم رکھنے نہیں دیا گیا۔ پاک فوج کے افسر اور جوان بے جگری کے ساتھ لڑتے لڑتے شہید ہوئے مگر دشمن کو پسپا کر کے رہے۔

سنہ 2011ء اور 2012ء میں دشمنوں کی سیاسی چالیں ڈپلومیسی کے میدان میں ناکام کیے جاتے رہے اور زمینی حملے اور عسکری اثاثہ جات پر تخریب کاری کے حملے افواج پاکستان کی قوت سے پسپا کیے جاتے رہے۔ دشمن کے ان تمام ڈپلومیٹک اور تخریب کاری اور سرحدی یلغار کا ذکر جو سنہ 2011ء اور 2012ء میں وقوع پذیر ہوئے، اس نظر ثانی شدہ ایڈیشن میں شامل کیے گئے ہیں۔ سنہ 2013ء کا سال ایک نئی امید اور نوید لے کر آیا ہے۔ یہ انتخابات اور پاکستانی قوم کے لیے تمام مشکلات سے نجات کے آغاز کا سال ثابت ہوگا۔ مارچ 2013ء میں PPPP کی مخلوط حکومت برخواست ہوئی اور اس کے ساتھ مرکز اور تمام صوبوں میں دستور پاکستان کے مطابق نگران حکومتیں قائم کی گئیں۔ 11 مئی 2013ء کو انتخابات کا انعقاد ہوا جس میں ووٹروں کا ٹرن آؤٹ تمام افواہوں کے باوجود 55.02 فیصد رہا۔ رب العالمین کے کرم سے Hung Parliament کی نحوست سے ملک اور عوام کو نجات ملی اور جناب محمد نواز شریف کی مسلم لیگ (ن) کو واضح اکثریت حاصل ہوئی۔ ان کی پارٹی کو ایک کروڑ اڑتالیس لاکھ (14,800,000) سے زیادہ ووٹ ملے۔ دوسرے نمبر پر عمران خان کی PTI کو چھہتر لاکھ نواسی ہزار (7,679,000) سے زائد ووٹ ملے، مگر امیدواروں کی کامیابی کے لحاظ سے تیسرے نمبر پر رہے۔ PPPP کے امیدوار PTI کی نسبت زیادہ کامیاب ہوئے مگر ان کے ووٹوں کی تعداد اڑسٹھ لاکھ پچپن ہزار (6,855,000) ہے جو PTI کے بعد یعنی تیسرے نمبر پر ہیں۔ پاکستان میں واضح طور پر تین جماعتیں بڑی جماعتوں کے طور پر ابھری ہیں جو ایک مثبت تبدیلی ہے۔ مرکز میں وزیراعظم جناب محمد نواز شریف کی زیر قیادت PML(N) کی حکومت بنی ہے جبکہ صوبہ پنجاب میں شہباز شریف کی زیر قیادت PML(N) کی اکثریتی حکومت بنی ہے صوبہ سندھ میں PPPP کی اور صوبہ خیبر پختونخوا میں PTI اور جماعت اسلامی اور دیگر آزاد منتخب

نمائندوں کی مخلوط حکومت بنی ہے۔صوبہ بلوچستان میں وہاں کے بلوچ رہنما کی قیادت میں (PML (N کی مخلوط حکومت بن گئی ہے۔یوں پورے ملک میں حکمرانی کی ذمہ داریاں تین بڑی سیاسی جماعتوں یعنی (PML (N، PTI اور PPP کے کندھوں پر ہیں۔دیکھیں آئندہ پانچ برسوں میں یہ تین سیاسی جماعتیں کس حد تک عوام کی خدمت کرتے ہیں۔اللہ پاک سے التجاء ہے تمام عوامی نمائندوں کو ہدایت اور توفیق دے کہ وہ عوام کی خدمت میں نیک نیتی اور سچائی سے کام کرتے رہیں۔آمین۔

لیفٹیننٹ کرنل (ر) عبدالرزاق بگٹی
ڈیفنس، لاہور
28 مئی 2013ء

Email: abdulrazaque69@gmail.com

مصنف کا تعارف

میں پاکستان کی آزادی سے چند برس قبل گوٹھ فقیر محمد بگٹی، وگن روڈ نزد لاڑکانہ، سندھ میں ایک متوسط تعلیم یافتہ کاشتکار گھرانے میں پیدا ہوا۔ میرے پھوپھی زاد بھائی نور محمد بگٹی، جو کہ پرائمری ٹیچر اور جسٹس سید غوث علی شاہ کے استاد محترم تھے، انہوں نے اپنے استاد عبدالرزاق کا نام میرے لیے یہ کہہ کر بابا کو تجویز کیا کہ بڑا ہو کر یہ بچہ صاحب علم، فہم اور فراست بنے گا۔ یوں میرے بابا نے میرا نام عبدالرزاق رکھا۔

جب کبھی کوئی مجھے رزاق کہہ کر بلاتا تو میرے دادا اسے سختی سے منع کرتے کہ رزاق تو اللہ ہے۔ اس بچے کو عبدالرزاق کہہ کر بلایا جائے۔ میرے دادا رئیس غلام حیدر بگٹی بلوچی کے علاوہ سندھی، پنجابی، سرائیکی، عربی، ہندی، فارسی اور انگریزی زبان اور ادب پر عبور رکھتے تھے۔ بجز جیکب آباد کے سندرانی بگٹیوں کے بقیہ سندھ یعنی شکار پور، لاڑکانہ، خیر پور، کوٹ ڈی جی اور سانگھڑ میں آباد تمام سندرانی بگٹیوں کے تمن دار بھی میرے دادا رئیس غلام حیدر بگٹی ہی تھے۔ اس لیے اپنے قبیلے میں ہمارے گھرانے کو رئیسوں کا گھرانہ جانا جاتا ہے۔ انگریزی زبان میں مہارت کے باعث انگریز سول سرونٹ دادا سے بلوچی زبان سیکھنے آیا کرتے۔ انگریزوں سے علیک سلیک کی بدولت دادا نے قریبی گاؤں گوٹھ لعل بخش بگٹی میں پرائمری سکول منظور کروایا جس کی پکی عمارت اور بینچیں وغیرہ بھی تھیں یعنی یہ ایک مکمل سکول تھا اور اب بھی موجود ہے۔ شہر سے دو کلومیٹر

سے بھی کم فاصلے پر واقع ہونے کے سبب اچھے استاد متعین تھے جو روزانہ شہر سے عین وقت پر پابندی کے ساتھ آ کر طلباء کو پڑھایا کرتے۔ اس وقت لاڑکانہ کے قریب بسنے والے سندرانی بگٹیوں میں 90% سے زیادہ خواندگی ہے اور زنانہ آبادی میں 40% کے قریب خواندگی ہے۔ یوں کئی وکیل، ڈاکٹر، سول سرونٹ، پاک فوج اور فضائیہ میں آفیسر اور جوان اور دیگر چھوٹے بڑے عہدوں پر متعین ہیں جبکہ بنیادی پیشہ اب بھی کاشتکاری ہے۔

میں چار سال کا ہوا تو میرے بابا مبارک علی بگٹی نے تختی پکڑا دی اور انگلی پکڑ کر گوٹھ لعل بخش بگٹی کے پرائمری سکول میں کچی کلاس میں داخل کروایا۔ سکول سے قریب تر رام داس بنیے کی ہٹی اور گھر تھا۔ ایک مرتبہ سخت پیاس لگی تو رام داس کی ہٹی میں موجود پانی کے مٹکے کے کناروں پر ہاتھ رکھ کر برتن ڈال کر پانی لیا اور پی لیا۔ رام داس کی نظر پڑی تو ملیچھ، ملیچھ کہتا ہوا میری طرف لپکا تو میں ڈر کے مارے دوڑ گیا۔ چونکہ میرا تعلق رئیس گھرانے سے تھا اس لیئے اس نے مجھے مارنے سے گریز کیا مگر اپنا مٹکا توڑ ڈالا اور برتن دور اچھال پھینکا۔ میں معصومیت اور حیرانی سے یہ منظر دیکھتا رہا۔ گھر آ کر دادا سے واقعے کا ذکر کیا اور پوچھا دادا یہ ملیچھ کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے مجھے کچھ بتایا جو مجھے اب یاد نہیں مگر سختی سے منع کیا کہ ہندو کی کسی چیز کو ہرگز نہیں چھونا۔ یہ واقعہ میرے ذہن پر نقش ہو گیا۔ پاکستان بنا تو کچھ ہندو اپنے کاروبار سے منسلک رہے اور وطن ترک نہ کر سکے۔ انہوں نے دین اسلام قبول کیا اور لاڑکانہ میں ہی آباد رہے۔ یہ لوگ تاجر طبقے سے تعلق رکھتے ہیں، ہنجوگی شیخ کہلاتے ہیں۔ راسخ العقیدہ اور عبادت گزار مسلمان ہیں۔

گاؤں کے سکول سے چار جماعتیں پاس کیں تو بابا نے مجھے لاڑکانہ شہر کے ہائی سکول میں داخل کروایا۔ پاکستان کو آزاد ہوئے چند سال گزرے تھے کہ ایک دن کئی بگھیاں (تانگے) ہمارے گاؤں آئے۔ شہر اور علاقے کے بڑے امیر ہندو ڈاکٹر، وکیل، زمین دار، سیٹھ لوگ دادا سے الوداعی ملاقات کرنے آئے تھے۔ ساتھ میں سکول کی ہٹی کے رام داس بھی تھے۔ یہ سب لوگ انڈیا جا رہے تھے۔

اوطاق (بیٹھک) میں کرسیاں اور چارپائیاں رکھی گئیں اور چارپائیوں پر رنگ

برنگی سندھی رلیاں بچھائی گئیں۔ ہندو مہمان اور گاؤں کے سرکردہ لوگ تشریف فرما ہوئے۔لسی پانی کا دور چلا۔نہایت اداس ماحول تھا۔اپنا وطن اور ترکہ چھوڑ کر جانا نہایت اذیت ناک ہوتا ہے۔ یہ چند مثالیں ان تجربات اور مشاہدات کی ہیں جن کی وجہ سے میرے دل میں آزادی کی قدر اور وطن کی محبت میں اضافہ ہوا۔

1962ء میں میٹرک پاس کیا اور اسی سال گورنمنٹ کالج لاڑکانہ میں فرسٹ ایئر آرٹس میں داخلہ لیا۔ والد صاحب پیرسنی میں ستمبر 1962ء میں وفات پا گئے اور میری مشکلات کا آغاز ہوا۔ میرے تین بڑے بھائی شادی شدہ تھے مگر ان میں سے کوئی بھی میری کفالت کرنے کے قابل نہ تھا۔ بھائیوں میں میرے دوسرے نمبر پر بڑے بھائی عبدالغفور، جو میری بڑی ماں سے تھے، وہ مجھ سے بے حد پیار کرتے تھے۔ان کی محبت اور شفقت مجھے آج تک نہیں بھولتی۔ میں سب سے چھوٹا تھا۔ والد صاحب کی وفات کے بعد میری مشکلات میں اضافہ ہوا۔ میں خود اپنی زمین کاشت کرتا اور تعلیم بھی جاری رکھتا۔ فرسٹ ایئر میں سال بھر کالج کی فیس ادا نہ کی۔ جب امتحان کا فارم پر کرنے کا وقت آیا تو ڈیڑھ سو روپیہ دینے پڑتے تھے جو میرے پاس نہیں تھے۔ میں یونہی اداس کالج کے سامنے اکیلا کھڑا تھا کہ پروفیسر عبدالرسول شیخ پاس سے گزرے اور پھر لوٹ کر میرے پاس آئے۔ پوچھا کیا بات ہے بکشی،تم تو ہر وقت خوش رہتے تھے اور دوستوں کے ہجوم میں قہقہے لگاتے رہتے تھے،اب کیوں اتنے اداس ہو؟ ان کے اصرار پر میں نے فیس کے پیسے نہ ہونے کی بات بتائی۔ پروفیسر صاحب نے فرمایا آ جاؤ میں فیس ادا کیے دیتا ہوں۔ میں نے مطلق انکار کیا تو مجھے ساتھ لے گئے اور پرنسپل صاحب پروفیسر محمد علی خان سے سفارش کر کے فیس معاف کرائی۔ بعدازاں ہر سال اپنے کھیتوں کا غلہ بیچ کر کالج فیس کی رقم علیحدہ محفوظ رکھتا تھا تاکہ مشکل نہ پڑے۔

کالج میں Co-Education یعنی مخلوط تعلیم تھی۔ وجودِ زن کی وجہ سے ماحول نہایت رومانوی تھا۔لڑکے،لڑکیاں بن ٹھن کے کالج آیا کرتے۔سالانہ کالج فنکشن میں کھیلوں اور تقاریر کے علاوہ الیکشن میں خاص طور پر لڑکے اور لڑکیوں کا اختلاط رہتا۔ میں کالج کے کھیلوں، تقاریر، ڈراما اور الیکشن میں بھرپور حصہ لیتا لہٰذا کالج میں تھوڑا سا منفرد

بھی تھا۔ میرے قریبی دوستوں میں ڈاکٹر محبوب علی شیخ، چیئر مین بورڈ آف انٹرمیڈیٹ اینڈ سیکنڈری ایجوکیشن سکھر سندھ، کیپٹن محمد یوسف شیخ، کمانڈنٹ کیڈٹ کالج لاڑکانہ، اسلم سنجرانی، حکومت سندھ کے چیف سیکریٹری، صدیق احمد صدیقی گورنمنٹ کنٹریکٹر، ضرار حسین رضوی، بینک کار، خلیق احمد، علی محمد چانڈیو سابق پرنسپل گورنمنٹ پائلٹ سکول لاڑکانہ اور قدیمی شیخ قبیلے کے سردار گھرانے سے تعلق رکھنے والے قائم خان شیخ شامل ہیں۔

کالج ایک ایسی رومانوی دنیا تھی کہ اب بھی اس میں لوٹ جانے کے لیے کسی ٹائم مشین کی جستجو ہے۔ یوں زندگی میں محبتیں کیں مگر ایک محبت نے مجھے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ اُس کی جستجو میں مجھ میں بڑا آدمی بننے کا عزم پیدا ہوا۔ آج میں جس مقام پر ہوں تو اُس کی محبت کی وجہ سے ہوں۔ وہ امیر گھرانے کی تھی اور شہر میں ان کا عالیشان مکان تھا اور ہمیشہ عمدہ لباس پہن کر آتی تھی۔ جبکہ میں امیر نہیں تھا اور میرے معاشی حالات بہتر نہیں تھے۔ اس کے باوجود میں صاف ستھرا یونیفارم پہن کر باقاعدگی کے ساتھ کالج جایا کرتا تھا اور پڑھائی، سپورٹس، تقاریر اور ڈرامہ اور دیگر کالج کی سرگرمیوں میں نمایاں حصہ لیتا تھا۔ محنت کرنے کی بناء پر پڑھائی میں نمایاں رہتا تھا۔ پہلا سال گزر چکا تھا اب ہم دوسرے سال میں تھے اور لڑکے لڑکیوں کے اختلاط کے معاملہ میں کافی پراعتماد تھا، لیکن یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ شہر کی خوش حال گھرانے کی دوشیزہ ایک دیہاتی لڑکے کے ساتھ محبت بھی کر سکتی ہے، اس لیے دل میں کوئی ایسی آرزو پالنے کی ہمت نہیں کی۔ ایک دن میں اپنے بڑے بھائی عبدالغفور کے ساتھ سائیکل پر کالج آ رہا تھا۔ بھائی سائیکل چلا رہے تھے اور میں آگے بیٹھا ہوا تھا۔ لاہوری محلّہ سے گزر کر ایک موڑ لیتی ہوئی سڑک سیدھی ہوتی ہے جو کالج کے پاس ختم ہوتی ہے پھر ایک موڑ آتا ہے تو سامنے کالج کا صدر دروازہ ہے۔ ہم کالج کے قریب پہنچنے والے تھے کہ ایک تانگہ پاس سے گزرا جس میں اگلی نشست پر تانگہ بان تھا اور پچھلی نشست پر برقعہ میں ملبوس تین دوشیزائیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ایک نے ہاتھ کے جھٹکے کے ساتھ اپنا چلمن پیچھے کی طرف اچھال دیا اور ایک دلفریب مسکراہٹ کے ساتھ مجھ سے نظریں ملا دیں۔ وہ کب کی مجھے دل دے

بیٹھی تھی مگر مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ پھر تانگہ موڑ مڑ کر اوجھل ہوا۔ بھائی کے پوچھنے پر میں نے کہا کہ وہ میری کلاس فیلو ہے تو پھر بھائی کہنے لگے کہ ہمارے آگے اور پیچھے کوئی بھی نظر نہیں آتا۔ میں ہوں اور تم ہو۔ مجھے وہ جانتی نہیں تو پھر انہوں نے تیرے لیے اپنا نقاب اٹھایا، بتاؤ کیا بات ہے؟ میں نے کچھ نہیں کہہ کر بات ٹال دی۔ وہ مجھے ویسے بھی بہت اچھی لگتی تھی اور ہر روز انہیں دیکھنے کو دل کرتا تھا مگر محبت! یہ میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ بھائی نے مجھے کالج کے صدر دروازہ پر اتار دیا اور خود اپنے کام کو چلے گئے تو میں وہاں سے کالج اپنے کلاس میں پہنچا اور اپنی نشست پر بیٹھ گیا۔ میں کلاس میں ہمیشہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھتا تھا اور وقت پر آ کر اپنی نشست سنبھال لیتا، یوں یہ میری مستقل نشست بن گئی تھی۔ کبھی دیر ہو جاتی تو دیگر دوست میری نشست کی حفاظت کرتے تھے۔ کالج میں دستور رہا کہ ہم جب سارے لڑکے کلاس میں بیٹھ چکے اور پروفیسر صاحب کے آنے کا وقت ہوتا تو لڑکیاں کلاس میں آ کر اپنی مخصوص اگلی نشستوں پر بیٹھ جاتیں۔ لیکن آج سب لڑکیاں پروفیسر کے آنے سے پہلے ہی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئی تھیں۔ انگریزی کے پروفیسر مسٹر عبد اللہ کھیتراں نے W.B.Yeats کا نظم پڑھانا شروع کیا تو ہم خیالوں میں انسفری کی جھیل کے جزیرے میں پہنچ گئے۔

I will arise and go now and go to Innisfree; and a small cabin build there of clay and wattles made............and I shall have some peace there for peace comes dropping slow dropping from the veils of morning........... .I will arise and go now for always night and day, I hear lake water lapping with low sounds by the shore...I hear it in the deep hearts core..

اپنی سوچوں میں وہاں پر مٹی سے بنے ٹہنیوں سے چھتے، گھر میں بیٹھے صبح کی آنچل سے دھیرے دھیرے برستے ہوئے سکون کو محسوس کرتے رہے۔ پانی کی لہروں کو لپک کر جھیل کے کناروں سے ٹکرانے سے ابھرتی مدھر دھنیں دل کی گہرائیوں سے سنتے رہے۔ بس کبھی W.B.Yeats کی نظم کے چند اشعار سنتے پھر خیالوں میں گم ہو جاتے۔

لائبریری میں اور کالج میں آتے جاتے ان سے ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ پھر کالج کی گرمیوں کی چھٹیاں آئیں تو میرے شب و روز گاؤں میں گزرتے رہے۔ میں نے کبھی ان کا پیچھا نہیں کیا اور ویسے بھی ایسا کرنے سے ان کی بدنامی کا اندیشہ تھا جو مجھے پسند نہ تھا۔

وہ خوبصورت تھی، کچھ گول سا چہرہ رنگ زیادہ گورا نہیں تھا مگر سانولی بھی نہیں تھی اور ان کے گیسو گھنے اور لمبے تھے جو ان کی خوب صورتی میں اضافہ کرتے تھے۔ مسکراتی تو جیسے پھول کھل جاتا اور یکا یک سنجیدہ ہوتی تو خوب صورت کلی لگنے لگتی۔ میں ان کے لیے فارسی کا یہ شعر پڑھا کرتا جو ان پر نہایت موزوں تھا:

ہر غنچہ کہ گل گشت دگر غنچہ نہ گردد
قربان زلبے یار گہے غنچہ گہے گل

یعنی ہر کلی جب کھل کر پھول بن جاتی ہے تو دوبارہ کلی نہیں بنتی۔ قربان جاؤں محبوب کے لبوں پر کہ وہ کبھی کلی ہے تو کبھی پھول ہے۔ میری اس شعر گوئی نے میری ان سے محبت کا راز افشا کیا اور اب مجھے کالج میں میرے دوست دیوانہ، عاشق اور حسن پرست کہہ کر چھیڑا کرتے یوں ہماری محبت مُشک کی خوشبو کی طرح کالج میں عام ہو گئی۔ چھٹیاں ختم ہو گئیں اور کالج آیا تو میرے دوستوں نے مجھے ستانے کے لئے یہ بات عام کر دی کہ وہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ اپنے عزیزوں کے پاس گئی ہوئی ہیں اور وہاں پر ان کی اپنے کزن کے ساتھ منگنی ہو گئی اور امتحانوں کے بعد ان کی شادی ہو جائے گی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ بات غلط تھی۔

وہ صاف اوصاف کے ساتھ ساتھ نازک، نفیس اور ذہین بھی تھی۔ کالج کے اکثر لڑکے ان پر فریفتہ تھے مگر لفٹ فقط مجھے ہی کراتی تھیں اور مجھ سے ہی محبت کرتی تھی۔ ایک دن میرے ایک عزیز دوست نے کالج کے باغیچہ میں ٹہلتے ٹہلتے مجھے کہا کہ وہ بھی انہیں بہت پسند کرتے ہیں۔ اگر میں ان سے محبت کرتا ہوں تو پھر میرا دوست قربانی دیں گے اور پیچھے ہٹ جائیں گے تو میں نے کہا کہ ہماری محبت کے افسانے کالج کے لڑکوں نے شغل لگانے کے لیے گھڑ لیے ہیں۔ ہاں ہم کلاس فیلو ہیں اور میں ان کی بے حد عزت

کرتا ہوں اور شاید وہ بھی میرا احترام کرتی ہے کیونکہ پڑھائی میں ہم دونوں کلاس میں ممتاز ہونے کی کوشش کرتے ہیں تو میرا دوست مطمئن ہوا۔ اور اس کے بعد ہم دونوں پیدل کالج سے گھر جانے کے لیے روانہ ہوئے۔ اب ہم کالج کے صدر دروازہ تک ہی پہنچے کہ سامنے سے تانگہ آتا ہوا نظر آیا۔ پچھلی نشست پر وہ بیٹھی تھیں۔ انہوں نے انگلی کے اشارے سے مجھے بلایا تو میں سمجھ گیا اور دوست کو کہا کہ انہوں نے مجھے بلایا ہے اس لیے میں واپس کالج جا رہا ہوں۔ میرے دوست کہنے لگے کہ ''میں نے بھی مڑ کر انہیں دیکھا مگر انہوں نے تو کسی کو نہیں بلایا۔'' میں نے کہا ہاں، کسی کو نہیں بلایا، فقط مجھے بلایا ہے اور میں واپس جا رہا ہوں۔

کالج کی سیڑھیوں پر وہ میرا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے کہنے لگی کہ ان کو گزشتہ دنوں کی پڑھائی کے نوٹس چاہئیں تو میں نے کہا کہ کل یعنی اگلے دن لے آؤں گا۔ اگلے دن وہ تمام نوٹس جو میں نے امتحان کے لئے تیار کئے تھے لیکر آیا۔ اوپر جا کر میں نے گرلز کامن روم کے دروازہ پر دستک دی تو وہ باہر آئی، شاید وہ میرے آنے کا انتظار کر رہی تھی اور میرے قدموں کی آہٹ سن کر ہی باہر آنے والی تھی کیوں کہ کامن روم میں اور بھی لڑکیاں موجود تھیں مگر باہر فقط وہ ہی آئی۔ یہ ملاقات انتہائی جذباتی تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا نہایت مشکل ہے۔ البتہ اب کے بار یقین ہوا کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بے حد محبت کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں مستقبل کے خواب دیکھنے لگا۔ سال کی پڑھائی کے دورانیہ کے اختتام پر کالج کی سپورٹس، تقاریر اور سب سے آخر میں ڈرامے ہوئے۔ میں نے ان سب میں حصہ لیا۔ اول اردو ڈرامہ ہوا جس میں اہل زبان شاگردوں نے اپنے جوہر دکھائے۔ ڈرامہ میں وقفہ کے دوران رقاصاؤں کے ناچ اور فنکاروں اور کالج کے لڑکوں کے گانے بجانے کا بھی اہتمام تھا جس سے حاضرین محظوظ ہوئے اگلے روز سندھی ڈرامہ ہوا۔ یہ کالج کے تعلیمی سال کا آخری دن تھا، پھر چھٹیاں اور امتحان کی تیاری کرنی تھی۔ ڈرامہ ختم ہوا اور میں ابھی اپنے کردار کے گیٹ اپ میں ہی تھا اور اسٹیج پر اکیلا رہ گیا تو سامنے وہ بھی علیحدہ کھڑی مجھے دیکھتی رہی۔ وہ بہت اداس تھی۔ وہ ایسا کیوں کر رہی ہے؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ بعد میں مجھے محسوس ہوا کہ وہ مجھے کہہ

رہی ہوگی کہ جی بھر کے دیکھ لو کہ یہ آخری ملاقات ہے۔ شاید پھر کبھی اس جنم میں ملاقات ہو نہ ہو۔ کچھ وقفے کے بعد ان کی بہن نے مڑ کر دیکھا اور ان کا نام لے کر بلایا اور وہ چلی گئیں۔ امتحان ہو گئے اور رزلٹ کا انتظار تھا۔ ستمبر کے مہینے میں کالج دوبارہ کھلنا تھا اور پھر اگلی کلاس میں، وہ اور میں...... یہ سب سوچتا رہتا اور پرامید تھا کہ پھر سے ہم ایک ہی کلاس میں ہوں گے۔ ابھی امتحان کے نتائج آنے باقی تھے۔ اگست کی ایک سہانی رات تھی اور چاند بھی جوبن پر تھا مگر میں انتہائی اداس تھا۔ اپنے رب سے التجا کی کہ آج رات خواب میں ان سے ملا دیں۔ ان سوچوں کے ساتھ معلوم نہیں کب آنکھ لگ گئی اور میں سو گیا۔ رات کے پچھلے پہر خواب دیکھتا ہوں کہ کالج کی لائبریری میں سارے لڑکے لڑکیاں امتحان کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں ان کے سامنے بیٹھا پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ کیا رہا ہوں بس انہیں دیکھ رہا ہوں۔ سارے لڑکے لڑکیاں ہماری محبت کے متعلق چہ مہ گوئیاں کر رہے ہیں۔ پھر کالج سے سب منتشر ہو جاتے ہیں۔ امتحانوں کے بعد دوبارہ کالج کھلتا ہے تو وہ نہیں آتی۔ وہ پھر کبھی نہیں آتی اور میں کالج کی تعلیم کے مزید دو سال مکمل کرتا ہوں۔ وقت گزرتا ہے، میں ایک کامیاب انسان بن جاتا ہوں۔ یوں زندگی گزرتی ہے کہ ایک دن میں اپنے چھوٹے صاحبزادے کو لے کر کالج میں داخلہ کے لیے وہاں پہنچتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہ خوب صورت لباس میں ملبوس وقار کے ساتھ کالج کی سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی ہیں۔ وہ اسی کالج میں پروفیسر ہیں۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھتے ہیں اور پھر خواب ٹوٹ جاتا ہے تو میں افسردگی میں بیدار ہو جاتا ہوں۔ اس خواب کے چند دنوں بعد انٹر کا رزلٹ آیا تو میں پاس ہو گیا۔ اگلے دن خوشی خوشی میں اپنے ایک عزیز دوست کے پاس گیا جو کہ شہر میں رہتا تھا اس لیے تمام دوستوں کے رزلٹ کی خبر ان سے موصول ہونے کی توقع تھی۔ میرے دوست نے مجھے بتایا کہ اچھی خبر یہ ہے کہ ان کے سمیت ہمارے گروپ کے تمام دوست پاس ہو گئے۔ پھر کہا کہ بھئی آپ کے لیے ایک بُری خبر ہے، وہ یہ کہ آپ جسے چاہتے ہیں ان کا کنبہ شہر چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے دوسرے شہر میں مستقل رہائش اختیار کر چکے ہیں۔ اب آپ انہیں کبھی بھی نہیں دیکھ سکتے۔ مجھ پر تو جیسے بجلی گری۔ ایسا کیوں ہوا؟ کیا میری وجہ سے انہیں شہر چھوڑنا پڑا؟ اور اس طرح کے کئی

سوالات میرے ذہن میں اٹھے مگر آج تک ان سوالوں کا جواب حاصل نہ ہو سکا۔ شاید ان کے والد صاحب اپنی بیٹی کی ضد سے عاجز ہو کر یہ شہر ہی چھوڑ کر چلے گئے تا کہ اپنی بیٹی کو ایک خوش حال گھرانے سے وابستہ کر سکیں۔ انسان کے نصیب کس نے دیکھے ہیں؟ کاش کہ ان کے گھرانہ کو میری مستقبل کی کامیاب زندگی کا علم ہوتا مگر یہ تو ناممکن تھا۔ کل کس نے دیکھا ہے؟ تو پھر امیر گھر کی بیٹی میرے ساتھ کیونکر وابستہ ہوتی۔ میں نے ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ چارو ناچار گریجویشن مکمل کر لی۔ دل میں ایک آرزو نے انگڑائی لی۔ میں اپنی زندگی میں اونچے سے اونچا مقام حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کروں گا۔ میں بڑا آدمی بننا چاہتا تھا اور فقط گریجویشن کافی نہیں تھا اس لیے ارادہ کیا کہ ماسٹرز کی ڈگری حاصل کروں جس کے لیے مجھے حیدرآباد جانا پڑتا اور میرے پاس تعلیم کے اخراجات اور ہوسٹل یا رہائش وغیرہ کے لیے پیسے نہیں تھے۔ ایک دن میں نے اپنے تینوں بڑے بھائیوں کو پاس بلایا اور ہم سب ایک چارپائی پر بیٹھ گئے۔ میں نے بھائیوں سے مطالبہ کیا کہ میں مزید تعلیم کے لیے حیدرآباد جانا چاہتا ہوں اس لیے آپ تینوں بھائی مل کر میرا خرچ برداشت کریں۔ میرا مطالبہ معقول تھا۔ میری بڑی ماں سے بھائی عبدالغفور نے کہا کہ ہم وعدہ کریں اور بعد میں آپ کو خرچ نہ دے سکیں تو آپ کا بہت حرج ہوگا اس لیے آپ کے حصہ کی زمین کے علاوہ ہم سب کا مشترکہ مزید ایک رقبہ زمین آپ کی تعلیم کے لیے مختص ہے۔ اس کو وہ خود کاشت کریں گے اور تمام آمدنی مجھے میری تعلیم کے اخراجات کے لیے مہیا کریں گے۔ جب میری پڑھائی مکمل ہوگی، کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز ہوں گا اور شادی بھی ہوگی تو اس کے بعد تینوں بڑے بھائی اس رقبہ کی اپنے حصہ کی ملکیت کے حق دار ہوں گے۔ یوں بڑے بھائیوں کی اس معاشی مدد سے میں حیدرآباد میں تعلیم مکمل کرنے کے ساتھ سی۔ ایس۔ ایس کے امتحان کی تیاری بھی کرتا رہا۔

حیدرآباد سندھ زمانہ قبل مسیح سے نیرون کوٹ کے نام سے گنجے ٹکر (ویران پہاڑیوں) کے دامن میں کئی ملینیم سے مسلسل آباد شہر ہے۔ اس کا نام میاں غلام شاہ کلہوڑہ عباسی (سندھ کے حکمران) نے حضرت علی حیدر کرار کے نام کی مسابقت سے حیدرآباد رکھا۔ آزادی کے بعد انڈیا سے اردو بولنے والے کئی خاندان ہجرت کر کے

یہاں کثرت سے آباد ہوئے تو سندھ اور ہند کی مشترکہ تہذیب نے جنم لیا۔ 1966ء میں تقریباً اردو بولنے والے اور سندھی بولنے والے خاندانوں کا قریبی معاشرتی اختلاط تھا۔ ایک ماڈرن اور صحت مند معاشرہ پنپ رہا تھا۔ حیدر آباد میں آ کر مجھے احساس ہوا کہ امیروں کی پُرآسائش زندگی کیسی ہوتی ہے۔ اس سے پہلے میں اس طرح کی زندگی سے ناآشنا تھا۔ جدید سینماؤں میں ہالی وڈ کی نئی اور مشہور فلموں کی نمائش ہوتی۔ کوہ نور سینما اور وینس سینما میں معیاری انگریزی فلمیں دکھائی جاتیں اور فلم بین بھی نہایت مہذب جنٹری ہوتی۔ کیا خوب زندگی ہے! میں دل ہی دل میں سوچا کرتا اور لگن کے ساتھ تعلیم جاری رکھتا تاکہ کسی دن میں بھی پُرآسائش زندگی گزارنے کے قابل ہوسکوں۔ یہ شہر معتدل آب و ہوا کے علاوہ تعلیم، امن، معاشرتی ہم آہنگی اور تمدن کا گہوارہ بن چکا تھا۔

1966ء میں بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد سندھ یونیورسٹی (اولڈ کیمپس) میں ایم اے سیاسیات میں داخلہ لیا۔ مگر یونیورسٹی کی زندگی مجھے پھیکی سی لگی کیونکہ اپنی محبتیں تو کالج کے زمانہ میں ہوئیں۔ یہاں پر پھر سے رومانوی زندگی کے آغاز کرنے کی کوئی تمنا نہ رہی۔ اگلے برس جناح لاء کالج حیدر آباد میں شام کی کلاسز میں داخلہ لیا اور ایم اے سیاسیات کو بھی جاری رکھا۔ ارادہ تھا کہ CSS کروں گا یا وکیل بن کر ہائی کورٹ کا جج بنوں گا یا وکیل رہتے ہوئے سیاست دان بنوں گا۔ اس وقت جتنا جانتے تھے اتنی خواہشیں تھیں مگر اچانک زندگی نے نیا موڑ لیا۔ ایک دن ہماری رہائش میں ایک دوست ملنے آیا اور کہنے لگا کہ وہ فوج میں کمیشن حاصل کرنے کے لیے انٹرویو دے آئے ہیں اور کامیاب ہوئے۔ میرے دیگر دوستوں نے مجھے صلاح دی کہ میں بھی ایسا ہی کروں۔ سی۔ ایس۔ ایس تو فوج میں افسر ہوتے ہوئے بھی کیا جا سکتا ہے۔ یوں اپنے پاؤں پر بھی کھڑا ہو جاؤں گا اور اپنے محبوب کو بھی حاصل کر سکتا ہوں۔ یوں میں نے بھی کوشش کی تو فوج میں کمیشن آفیسر کی حیثیت سے مجھے سلیکٹ کر لیا گیا۔

فروری 1969ء میں CMH ملیر میں میڈیکل ٹیسٹ کے دوران جناب قاضی اسلم اعظم سے ملاقات ہوئی۔ موصوف ہمارے ساتھ ہی کمیشن حاصل کرنے کے لیے میڈیکل کے لیے آئے ہوئے تھے۔ زیادہ صحت مند ہونے کے باعث اوور ویٹ

ہوئے۔ پی۔ ایم۔ اے کاکول میں ہم نے انتظار کیا کہ شاید تشریف لائیں مگر وہ نہ آئے۔ میں نے فوجی تربیت کی تمام تکالیف اس امید سے جھیلیں کہ انہیں حاصل کرنے کے قابل ہو جاؤں گا۔ دسمبر 1969ء میں سیکنڈ لیفٹیننٹ کے عہدہ پر آفیسر بنا، سال بھر یونٹ میں ڈیوٹی پر رہا پھر جنوری 1971ء میں محکمانہ تربیت کے لیے ملیر پہنچا۔ اب میرے لیے ان کو تلاش کرنا ممکن تھا۔ اب میں اس قابل ہو چکا تھا کہ ان کے والدین مجھے نہیں ٹھکرائیں گے۔ امید تھی کہ جولائی 1971ء میں کورس کے اختتام پر آٹھ دس دنوں کی جب چھٹی ہوگی تو ان کی تلاش میں نکلوں گا۔ مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ مارچ 1971ء میں مشرقی پاکستان میں حالات خراب ہوئے تو انڈیا کے ساتھ امکانی جنگ کی وجہ سے ہمیں صبح شام تربیت دے کر اپریل 1971ء میں تمام افسروں کو سامان سمیت فوجی ٹرک پر بٹھا کر کراچی کینٹ ریلوے اسٹیشن سے ٹرین کے ذریعے اپنی اپنی یونٹوں کے لیے روانہ کیا گیا۔ اکتوبر 1971ء میں ایک مہینہ کی (P-Leave) یعنی تنخواہ سمیت چھٹی لے کر گاؤں پہنچا اور شہر میں جا کر اپنے دوستوں سے ان کا پتہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا رہا تاکہ اُن سے ملوں۔ ابھی تھوڑی سی Clue، یعنی خفیف معلومات ہی حاصل ہوئیں تو ریڈیو پاکستان پر اعلان ہوا کہ انڈیا کے ساتھ جنگ چھڑ گئی ہے تمام فوجی افسر اور جوانوں کی چھٹیاں منسوخ ہیں، لہٰذا فوراً اپنی اپنی یونٹوں میں پہنچ جائیں تو میں بھی اگلے روز ٹرین کے ذریعے اپنی یونٹ کو روانہ ہوا۔ ٹرین کے سفر کے دوران مجھے اپنے خواب کا قصہ یاد آیا اور کافی اداس ہوا اور مایوس سا ہو گیا۔ جنگ کے دوران اور بعد میں بھی ملک میں ایمرجنسی نافذ رہی اور فوج میں چھٹیوں پر سختی برقرار رہی۔ اب میں کیپٹن تھا اور لاہور میں ایک یونٹ کی کمان کر رہا تھا۔ وہ میری زندگی کی ہم سفر نہ بن سکی مگر ان کی محبت میری تمام زندگی پاکیزگی کے ساتھ گزارنے کا سبب ضرور بنی۔ میری جدوجہد اور کامیابی اور پُرآسائش زندگی گزارنے کا سبب ضرور بنی ان کی محبت نے میری زندگی کو مقصد دیا اور ہمیشہ کے لیے میرے دل کو ایک انجانے احساس سے مخمور کیا۔ مصر کے سابق صدر انوار السادات نے اپنی خودنوشت سوانح عمری "In Search of Identity" کے صفحہ 86 میں لکھا ہے:

What I, suffered most in cell No:54 was perhaps the lack of

a love relationship. For a man's life to be complete, he must have a female partner to whom he is bound in mutual love. This is indeed the greatest possible blessing. When a man's heart is animated by love, he is actually impelled to accomplish his vocation. Without love a man may grow very old indeed yet feel he has not lived at all, he will feel, he has missed a very important thing. That however great his achievement he has really achieved nothing. Love is a humans safeguard against all social pitfalls. To love means to give and to give means to build while hate is to destroy. To love no longer meant to possess but rather to let yourself be in to another persons soul to give and loose yourself in another persons being.

ترجمہ: قید کی کوٹھڑی نمبر 54 میں جس بات کی مجھے شدید کمی محسوس ہوئی، شاید وہ محبت کے ایک رشتہ کی کمی تھی۔ انسان کی زندگی کی تکمیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کا نسوانی ساتھی ایسا ہو جس کے ساتھ وہ باہمی محبت میں بندھا ہوا ہو۔ درحقیقت یہ ایک ممکنہ عظیم خوش بختی ہے۔ جب انسان کا دل محبت کے ذریعے متحرک ہوتا ہے تو وہ درحقیقت اپنی منزل مقصود کو حاصل کرنے کے لیے آگے بڑھتا جاتا ہے۔ محبت کے بغیر انسان بہت عمر رسیدہ تو ہو جاتا ہے مگر وہ یقیناً محسوس کرے گا کہ اس سے ایک بہت اہم چیز رہ گئی ہے۔ یہ کہ (محبت سے عاری) شخص کے کتنے ہی عظیم کارنامے ہوں، مگر حقیقتاً اس نے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ محبت انسان کے لیے معاشرتی برائیوں کے خلاف محافظ ہے۔ محبت کرنے کا مطلب دینا ہے۔ اور دینے کے معنی ہیں تعمیر کرنا، جبکہ نفرت کا مطلب ہے تباہ کرنا۔ محبت کرنے کا مطلب محبوب کو حاصل کرنا (تحویل میں رکھنا) ہرگز نہیں ہے بلکہ اپنے آپ کو ان کی روح میں جذب کرنا اور اپنے آپ کو دوسرے شخص کے وجود میں فنا کرنا ہی محبت ہے۔

سخت فوجی تربیت اور ڈسپلن نے مزید حوصلہ مند کیا۔ دسمبر 1969ء میں کمیشن

حاصل کیا اور دسمبر 1994ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے فوج سے ریٹائر ہو کر لاہور میں مستقل رہائش اختیار کی۔ شادی پنجاب کے شہر جہلم کے ایک راجپوت خاندان میں ہوئی۔ اللہ نے مجھے تین بیٹوں سے نوازا۔ الحمد للہ تینوں بچے شادی شدہ اور صاحب روزگار ہیں۔

عسکری زندگی نہایت کٹھن ہوتی ہے مگر ہوتی باوقار ہے۔ عسکری ملازمت کے دوران پاکستان کے مختلف شہروں میں رہنا پڑا۔ علاوہ ازیں برطانوی فوج کے تربیتی ادارے میں کمبرلے سرے کے علاقے میں تربیت حاصل کرنے کا بھی موقع ملا جس کی وجہ سے یورپ کے کئی ممالک کی سیر بھی کی۔ تین سال جنرل جہانگیر کرامت کے سٹاف آفیسر کی حیثیت سے سعودی عرب میں بھی رہنے کا موقع ملا جہاں پر دنیاوی حالات کے علاوہ دین سنوارنے کا بھی موقع ملا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد چین کی سیر بھی کی۔ آج کل مطالعہ، باغ بانی، کالم نگاری اور گالف کھیلنے جیسے مشاغل سے اپنے آپ کو مصروف رکھا ہوا ہے۔

لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) عبدالرزاق بگٹی
ڈیفنس لاہور
16 فروری 2011ء
12 ربیع الاول 1432ھ
ای میل: abdulrazaque69@gmail.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

پاکستان کا مختصر تاریخی پس منظر

وادیٔ سندھ کی تہذیب دنیا کی قدیم تہذیبوں میں شمار ہوتی ہے۔ ٹیکسلا کے قدیم آثار سے لے کر ہڑپہ اور ہزاروں سال پرانے موہن جوداڑو کے آثار آج بھی وادیٔ سندھ کی قدیم زمانے سے ایک باوقار، مہذب اور معاشی طور پر خوش حال تہذیب و تمدن کی گواہی دیتے ہیں۔ قدیم شہر موہن جوداڑو میں شہر کے گندے پانی کی زیرِ زمین نکاسی کا نظام یہاں پر آباد انسانوں کے ترقی یافتہ ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔

دنیا میں دستور رہا ہے کہ انسان ہمیشہ پانی کے ذخائر، دریاؤں اور ندیوں کے قرب و جوار میں آباد ہوا کرتے ہیں۔ روزمرہ کی ضروریات کے علاوہ دریاؤں کے ذریعے نقل و حمل بھی آسان ہوتی ہے۔ یوں ہر دریا کے ساتھ کچھ کچھ فاصلے پر چھوٹے بڑے شہر آباد ہوئے۔ آمدورفت کے لیے دریاؤں میں کشتی رانی کے ذریعے آپس میں تجارت اور معاشرتی اختلاط کرتے رہے۔ یوں رفتہ رفتہ دریاؤں کے ساتھ ساتھ تہذیبیں آباد ہوئیں۔ وادیٔ سندھ میں بھی اکثر آبادی دریاؤں کے ساتھ ساتھ ہے۔ وادیٔ سندھ ہر زمانے میں ہند سے الگ ایک ریاست کی حیثیت سے اپنا الگ وجود رکھتی تھی۔ دنیا بھر میں ہند اور سندھ دو الگ ممالک مانے اور جانے جاتے تھے۔ شمال میں کوہ ہمالیہ وادیٔ سندھ کی ریاست کو خاقان کی سلطنت چین سے الگ کیے ہوئے تھا جبکہ کوہ ہندوکش مغرب میں ایک قوی اور بلند حصار کی مانند سرحد تھی۔ اب بھی یہی پہاڑی سلسلہ پاکستان

کی شمالی اور مغربی سرحدیں ہیں۔ بلوچستان کے علاقہ جات قلات، کیچ، خاران، مکران اور لسبیلہ بھی سندھ میں تھے۔ جنوب میں بحر ہند اور مشرق میں ہندوستان (ہند) کا علاقہ تھا۔ جونا گڑھ، کاٹھیا واڑ، کچھ، بھوج کے علاقہ جات سندھ میں شامل تھے۔ یوں مشرق میں قدیم سندھ کی سرحدیں جیسلمیر کی ریاست سے ملتی تھیں۔ پانچ دریاؤں کا ڈیلٹا پنجاب اور کشمیر ریاست سندھ میں ہوا کرتے تھے۔ آج بھی دیکھا جائے تو جو زبانیں گجرات (انڈیا) کاٹھیا واڑ کے کچھ حصے، پورے موجودہ سندھ، مکران، لسبیلہ، کیچ، سبی اور کوہ سلیمان کی دونوں اطراف پنجاب، خیبر پختون خوا (بجز پشتو) اور کشمیر میں بولی جاتی ہیں وہ سندھی زبان یا سندھی زبان کے قریب تر ہیں۔ پنجابی اور ہندکو زبان کی بہ نسبت کشمیری زبان اصل سندھی زبان کے بہت قریب ہے۔ ایک عام سندھی بولنے والا کشمیری زبان بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ جس زمانے میں عربستان میں دین اسلام پھل پھول رہا تھا، اس زمانے میں ریاست سندھ میں راجا چچ ولد سیلائج حکمران تھے۔ راجا چچ کشمیری ہندو برہمن تھے۔ راجا چچ سے پہلے راجا رائے سیہرس حکومت کرتے تھے۔ رائے سیہرس کی ایران کے شاہ نیمروز کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں وہ مارے گئے تو ان کا بیٹا رائے ساہسی (سہیاسی) سندھ کا حکمران بنا۔ سندھ کی قدیم تاریخ ''چچ نامہ'' جسے ''فتح نامۂ سندھ'' کے نام سے ڈاکٹر نبی بخش بلوچ نے ترجمہ کیا اس میں یوں ذکر ہے:

''خبروں کے راویوں اور تاریخ کے مصنفوں نے اس طرح بیان کیا ہے کہ شہرارور، جو ہند و سندھ کا پایۂ تخت تھا، دریائے سیحون پر، جسے مہران کہتے ہیں، طرح طرح کے محلوں، رنگ برنگ کی چراگاہوں، نہروں، حوضوں، پھلواریوں، باغیچوں اور گلکاریوں سے آراستہ ایک بڑا شہر تھا اور اس بارونق شہر میں رائے سیہرس بن ساہسی رائے نامی ایک ہندو راجا رہتا تھا، جس کے پاس بھرپور خزانے اور بکثرت دفینے تھے۔ اس کا عدل دنیا میں مشہور اور اس کی سخاوت زمانے میں شہرۂ آفاق تھی۔ اس کی حکومت کی حدود مشرق میں کشمیر تک، مغرب میں مکران تک، جنوب میں دیبل اور ساحل سمندر تک اور شمال میں کردوں کے پہاڑ اور کیکانان تک (پھیلی ہوئی تھیں)۔ اس نے اپنے ملک میں چار حکمران مقرر کیے تھے۔ ایک برہمن آباد میں، جسے نیرون کوٹ کے قلعے سے لے کر دیبل

اور لوہانو یعنی لاکھہ اور سمہ (اراضی والے علاقے) سے لے کر سمندر تک کا علاقہ تفویض تھا۔ دوسرا سیوستان کے (مرکزی) شہر میں تھا اور بدھیہ، جنگان، رونجھان اور کوہ پایہ سے لے کر مکران تک کا علاقہ اس کے حوالے تھا۔ تیسرا حکمران اسکلندہ اور بھاٹیہ کے قلعے میں، جسے تلواڑو اور چچ پور بھی کہتے ہیں، رہتا تھا اور اس کے قرب و جوار کے علاقے دیوہ پور تک اس کا تصرف تھا اور چوتھے حکمران کو اس نے ملتان کے عظیم الشان شہر میں متعین کیا اور سکہ، برہم پور، کرور، اشہار اور تا کیہ سے لے کر کشمیر کی حدود تک کا علاقہ اس کے زیر حکومت رکھا۔ وہ خود دارالحکومت اروڑ میں تخت پر جلوہ افروز رہتا اور کردان، کیکانان اور برہاس (کے علاقے براہ راست) اپنے زیر فرمان رکھتا تھا۔ اپنے نائب حکمرانوں میں سے ہر ایک کو اس نے جنگ کے لیے مستعد رہنے اور گھوڑوں، ہتھیاروں اور جملہ اسباب حرب سے لیس رہنے کے بارے میں سخت ہدایتیں دے رکھی تھیں اور اسی طرح ملک کی حفاظت، رعایا کی دل جوئی اور سلطنت کی خوش حالی کے لیے بھی حکم نامے جاری کر رکھے تھے تاکہ وہ اپنی ولایتوں کی سرحدوں کو محفوظ رکھیں چنانچہ اس کے جملہ ممالک میں ایک بھی ایسا دشمن نہ رہا جو اس کی سرحدوں میں کسی طرف سے بھی چھیڑ چھاڑ کر سکتا۔

لیکن ایک مدت بعد قضائے الٰہی سے بادشاہ نیمروز کا لشکر اچانک ایران کی طرف سے یلغار کرتا ہوا کرمان آ پہنچا۔ یہ خبر سن کر راجا سیہرس بڑی بے پروائی اور بڑے تکبر کے ساتھ اروڑ کے قلعے سے زبردست لشکر لے کر اس کے مقابلے پر آیا اور اس سے جنگ کی۔ جب دونوں جانب سے نامور مرد اور جنگ جو بہادر خوں خوار تلواروں کا لقمہ بن چکے تو قادر حکیم پر توکل کر کے ایرانیوں کے لشکر نے ایک زوردار حملہ کیا۔ راجا سیہرس کا لشکر ذلیل ہو کر اور شکست کھا کر بھاگ گیا، مگر سیہرس اپنی عزت اور نام کی خاطر ڈٹا رہا اور جنگ کرتا ہوا قتل ہوا۔

ایران کا بادشاہ نیمروز واپس لوٹ گیا اور سیہرس کا بیٹا رائے ساہسی اپنے باپ کے تخت پر بیٹھ کر اس ملک کا خودمختار حاکم ہوا۔ اس کے باپ کے زیر فرمان رہنے والے چاروں حکمرانوں نے اس کی متابعت اور موافقت کر کے اس کے آگے سر جھکایا اور اپنے خزانے اس کے حوالے کر کے اس کی اطاعت اور اخلاص کو اپنا طرۂ امتیاز بنایا، جس کی وجہ

سے رائے ساہسی اکبر کی پوری مملکت اس کے دائرۂ اثر و اقتدار میں آئی اور رعایا اس کے عدل و انصاف سے آسودہ حال ہوئی۔

راجا امور سلطنت کے معاملات سے بذات خود آگاہ رہا کرتا تھا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے اس نے ایک حاجب (Chamberlain) مقرر کیا ہوا تھا جو مراسلات کا مطالعہ کرتا، ان کے جواب لکھتا، راجا کو بھی مراسلات کے مندرجات سے آگاہ کرتا اور راجا کے احکام لکھ کر جاری کرتا تھا۔ راجا خود بھی پڑھا لکھا تھا اس لیے اپنے حاجب کے لیے بھی اس کا معیار کافی بلند تھا۔ تاریخ ''فتح نامہ سندھ'' عرف ''چچ نامہ'' میں یوں ذکر ہے:

''اس کا ایک حاجب (رام) تھا جو ہر قسم کے علم و حکمت میں طاق تھا۔ اس کا حکم سارے ملک پر چلتا تھا اور اس کے کام میں کوئی بھی شخص دخل انداز اور مخل نہ ہوتا تھا۔ دفتر انشاء بھی اس کے حوالے تھا اور ساہسی رائے کو اس کے قلم اور بلاغت پر پورا بھروسہ تھا اور وہ کبھی اس کے مشورے کے خلاف عمل نہ کرتا تھا۔''

راجا رائے ساہسی اکبر راجا سیہرس کے والد تھے جبکہ راجا سیہرس رائے نے اپنے بیٹے کا نام بھی والد کے نام پر ساہسی رائے (یا سہیاسی رائے) رکھا تھا۔ اس لیے راجا سیہرس رائے کے بیٹے کو راجا ساہسی رائے دوم (یا راجا سہیاسی رائے دوم) کہتے ہیں۔ والد کے مارے جانے کے بعد ساہسی رائے سندھ کے راجا بنے جبکہ ان کا بھائی مہرتھ رائے چتر ور (چتوڑ) کا راجا تھا۔ اس سے سندھ کی سلطنت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رائے خاندان کی کتنی بڑی سلطنت تھی اور مملکت سندھ کی کتنی وسعت تھی۔

راجا رائے سہیاسی دوم کے دربار میں چچ نام کا ایک ہندو برہمن، جو اصل کشمیری تھا، وہ اتفاقیہ طور پر روزگار کی جستجو میں آیا۔ چچ کے ساتھ بھی حضرت یوسفؑ اور زلیخا جیسا واقعہ ہوا۔ تقدیر نے انہیں سندھ کا وزیر بنایا اور پھر وہ سندھ کے راجا بن گئے۔ تاریخ ''فتح نامہ سندھ'' عرف ''چچ نامہ'' میں چچ کے عروج کے متعلق یوں بیان کیا گیا ہے:

''ایک دن حاجب رام وزیر بدھیمن کے ساتھ دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک برہمن آیا اور آ کر بہت عمدہ الفاظ میں اس کی تعریف و توصیف کی۔ حاجب رام نے اس

سے پوچھا کہ اے برہمن! کہاں سے آئے ہو اور تمہارا مقصد کیا ہے؟ برہمن نے جواب دیا کہ میرا نام چچ ہے اور میں راہب سیلائج کا بیٹا ہوں۔ میرا بھائی چندر اور میرا باپ (دونوں) شہر اروڑ کے مضافات کے ایک مندر میں عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور ساہسی رائے و رام حاجب کے حق میں دعائیں کرتے رہتے ہیں۔ میں رام حاجب سے ملنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ (اپنی) علمیت اور قابلیت کی وجہ سے (آج کل) عنوانِ سعادت اور مفتاحِ عزت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کی خدمت کا سہارا حاصل کروں۔ حاجب رام نے کہا کہ فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے تو بے شک تمہاری زبان صاف ہے مگر تم کچھ فن ادب کی صلاحیت اور لکھنے پڑھنے کی قابلیت بھی رکھتے ہو؟ چچ نے جواب دیا کہ مجھے چاروں ویدرگ، یجر، اتھر اور سام حفظ ہیں، اس کے علاوہ حضور جس کام کے لیے بھی حکم فرمائیں گے وہ ایمان داری، درستی، دیانت اور قابلیت کے ساتھ جس کی میں نے تربیت حاصل کی ہے، نہایت خلوص سے انجام دوں گا۔ ابھی یہ گفتگو جاری تھی کہ سکہ اور وہبل سے چند امور کے متعلق مراسلے بھی آ گئے۔ رام حاجب نے یہ مراسلے چچ کو دیئے۔ اس نے بہترین انداز میں انہیں پڑھ کر سنایا اور عمدہ خط اور نفیس الفاظ میں ان کے جوابات بھی لکھ دیئے۔ یہ دیکھ کر حاجب رام نے اس کی فصاحت و بلاغت اور خوش خطی کی بے حد تعریف کی اور اعزاز و انعام سے نواز کر اس سے کہا کہ مجھے بہت سے امور اور مصروفیتیں درپیش رہتی ہیں، جس کی وجہ سے ممکن ہے کہ کسی موقع پر (رائے سہیاسی کی) خدمت میں حاضر ہونے سے معذور ہوں، اس لیے (تم) میرے نائب کی حیثیت سے دفتر انشاء میں موجود اور رائے کے دروازہ پر حاضر رہا کرو۔

چچ نے اس کے کہنے پر یہ کام اپنے ذمے لیا اور اس میں یہاں تک منہمک ہو گیا کہ وہ ''دیوانِ رسائل'' (وزیرِ مراسلات) کے نام سے پکارا جانے لگا۔ آخر ایک دن رائے ساہسی دربار میں آیا، شہر کے اہم اور بڑے لوگ حاضر تھے کہ اتنے میں سیوستان کے کچھ خطوط آئے۔ رائے نے حاجب رام کو بلوایا مگر وہ ابھی دفتر میں نہ آیا تھا۔ چچ نے کہلا بھیجا کہ ''میں رام حاجب کا نائب ہوں، اگر کوئی خط کے لکھنے کی ضرورت درپیش ہو تو بندہ لکھ کر وہ کام انجام دے۔'' رائے ساہسی نے اسے بلوایا۔ چچ نے ان خطوط کو نہایت

عمدگی سے (پڑھ کر) سنایا اور شرح و بسط کے ساتھ ان کے مطالب کو بیان کیا۔ اس کے بعد ان کے جوابات شیریں اور خوش خط لکھ کر رائے کے سامنے پیش کیے۔ رائے ساہسی نے، جو خود بھی خط اور بلاغت کے علم میں یکتا تھا، مطالعہ کر کے اسے پسند کیا اور عزت افزائی کے پیشِ نظر (چچ کے لیے) ''مطلق نیابت'' کا حکم جاری کیا۔

جب حاجب رام محل میں آیا تو رائے ساہسی نے اس سے پوچھا کہ ایسا ہنرمند اور فصیح نائب اور ایسا خوش خط کاتب کہاں سے تمہارے ہاتھ آیا؟ اسے خوش رکھ کر اس کی تربیت کرتے رہو۔ رام وزیر نے عرض کیا کہ وہ برہمن سیلائج کا بیٹا ہے۔ (نہایت) ایمان دار، تجربہ کار اور سیدھا سادا (انسان) ہے۔ (اس کے بعد) رام حاجب نے چچ کی طرف راجا کا التفات دیکھ کر اس کی جانب اپنی توجہ زیادہ کر دی اور نائب وزارت کی ذمہ داری بھی اس کے حوالے کی یہاں تک کہ اس کی موجودگی اور غیر حاضری میں چچ اس کے کام انجام دیتا رہا اور کاروبارِ سلطنت اور امورِ حکومت میں دخیل ہوتا گیا۔ جب بھی (وہ) رائے کی خدمت میں حاضر ہوتا تو رائے اسے نوازتا اور انعام واکرام سے سرفراز کر کے اسے یہ کام کرتے رہنے کی نصیحت کرتا اور کہا کرتا کہ اس کام سے (ایک تو) کاروبار کا نظام درست ہوتا ہے اور (دوسرے) تجھے بھی آئندہ بڑا عہدہ حاصل ہوگا۔ اس طرح سے وہ اسے نیکی کے وعدوں کا امیدوار بنایا کرتا۔ آخر کار رضائے الٰہی سے حاجب کی عمر پوری ہوئی اور وہ اجل کا شکار ہوگیا۔

اس کے بعد رائے ساہسی نے چچ کو بلا کر وزارت کی ذمہ داری اس کے سپرد کی۔ چچ لوگوں سے ہمدردی اور فراخ دلی سے پیش آتا تھا، یہاں تک کہ اس نے سارے ملک کے نظم ونسق کو مضبوط کیا، سبھوں نے اس کی متابعت کی اور اس نے وزارت اور سرشتہ داری میں اپنے جوہر کے کمال دکھائے۔

چچ ایک باوقار شخص تھا۔ وہ کہا کرتا کہ اس کے والد سیلائج نہایت عبادت گزار برہمن راہب ہیں۔ ان کے کرموں کے پھل کے طور پر خداوند کی طرف سے ان کی اولاد کو عظیم سلطنت عطا ہوئی۔ جس طرح زلیخا حضرت یوسفؑ پر فریفتہ ہوئی اسی طرح تاریخ نے دہرایا اور چچ کے ساتھ بھی کچھ اس طرح کا واقعہ ہوا جس کی بدولت چچ ایک عظیم

سلطنت کے راجا بنے۔ اس واقعہ کو ''تاریخ فتح نامۂ سندھ عرف چچ نامہ'' میں یوں بیان کیا گیا ہے:

''ایک دن ساہسی رائے خلوت خانہ میں رانی ''سوہن دیوی'' کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا، یہ عورت رائے پر چھائی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے وہ اس کی بے حد عزت کرتا تھا۔ اتنے میں وزیر چچ محل میں آیا اور دربان کے ذریعے رائے کو پیغام بھیجا کہ وہ کسی ضروری کام سے محل کے دروازے پر حاضر ہوا ہے کہ جو مشکل پیش آئی ہے وہ رائے کی خدمت میں بیان کرنے۔ اگر فرصت اور اجازت ہو تو اندر حاضر ہو کر عرض کرے۔ اس پیغام کے ملنے پر راجا نے رانی سے کہا کہ ''ایک نامحرم حرم سرا میں آ رہا ہے اس لیے تم پردے کے پیچھے چلی جاؤ۔'' رانی سوہن دیوی نے کہا کہ میری ہزار جانیں ساہسی کے قدمون پر نچھاور ہوں! کتنے ہی اوباش اور نوکر آتے رہتے ہیں، اگر ایک برہمن آئے گا تو اس کی طرف میری کیا توجہ ہوگی۔ اس سے ایسی کیا شرم ہے جو میں چھپ جاؤں۔ وہ عورت جب ضد کرتی تھی تو رائے اسے ناراض نہ کرتا تھا کیونکہ وہ اس کے مکر کا خریدار تھا۔ چنانچہ اس نے چچ کو بلایا۔ چچ جن امور کے سلسلے میں حاضر ہوا تھا انہیں رائے کے سامنے پیش کر کے نہایت عمدگی سے اس کی توجہ میں لیا۔

برہمن چچ ایک خوب صورت، متناسب الاعضاء، وجیہہ شباہت اور سرخ رخساروں والا نوجوان تھا۔ رانی نے جب اس کی دل کش صورت اور قد وقامت کی جھلک دیکھی تو اس پر دل وجان سے عاشق ومفتون ہوگئی اور اس کی شکل وصورت اور سج دھج پر فریفتہ ہو کر اس کے میٹھے لفظوں اور دلکش حرفوں پر دل دے بیٹھی۔ چچ کی محبت نے اس کے دل میں گھر کیا اور عشق کا پودا رائے کی بیوی کے دل میں بڑھ کر درخت ہوا۔ راجا میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت نہ تھی، جس کی وجہ سے رانی کو اس سے کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر کار اس نے ایک بڑھیا کٹنی کے ذریعے پیغام بھیجا کہ ''اے چچ! تیری پلکوں کے تیروں نے میرے دل کو زخمی کر دیا ہے اور تیری جدائی کی زنجیر میرے گلے کا پھندہ بن چکی ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ تو اپنے وصل سے میرے مرض کا علاج کرے گا اور دل دہی کے ہاتھوں سے یہ پھندہ میرے گلے سے کھولے گا اور اپنی محبت کے ہار اور بندگی کے

آویزوں سے میری گردن اور کانوں کو مزین کرے گا۔ اگر تو نے میری یہ التجا قبول نہ کی تو میں خود کو ہلاک کر ڈالوں گی۔''

بڑھیا نے جب یہ پیغام چچ کو پہنچایا تو اس نے انکار کیا اور خود کو (اس فعل شنیع سے) باز رہنا واجب جان کر کہا کہ راجاؤں کے حرم میں خیانت کرنا جان کا خطرہ، آفت کی گرفتاری اور دنیا کی بدنامی ہے۔ جب بادشاہوں کا غضب جوش میں آتا ہے تو پھر اسے نہ کوئی حجاب روک سکتا ہے نہ رفع کر سکتا ہے۔ اس لیے اسے یہ خیال چھوڑ دینا چاہیے۔ خصوصاً ہمارے لیے کیونکہ ہم برہمن ہیں اور میرے بھائی اور باپ راہب ہیں، جو اپنی عبادت گاہ میں گوشہ نشین اور مراقبے میں بیٹھے ہیں، میرے لیے یہی بے عزتی کافی ہے کہ بادشاہ کی ملازمت میں ہوں، جہاں امید اور خوف کے درمیان زندگی گزرتی ہے کیونکہ مخلوق کی نوکری (ہمیشہ) غضب کے بادلوں سے متصل ہوتی ہے اور داناؤں کو ناپسند۔ چار چیزوں پر اعتماد نہ کرنا چاہیے بادشاہ، آگ، سانپ اور پانی پر۔ پھر ان برائیوں کے ہوتے ہوئے یہ برائی بھی اپنے ذمہ لوں تو اس کی یہ مراد پوری نہ ہوگی۔ یہ پیغام ملنے پر رانی نے بڑی نرمی اور لجاجت سے کہلا بھیجا کہ اگر میری صحبت اور موانست سے پرہیز کرتے ہو تو (کم از کم) مجھے اپنے جمال و خیال سے تو ہر روز وقت بوقت بہرہ اندوز کرتے رہو تا کہ تمہارے وصل کی امید (ہی) پر خوش رہا کروں۔''

چچ کی قابلیت اور محنت کی وجہ سے راجا رائے سہاسی (دوم) انہیں پسند کرتا تھا۔ ایک مدت کے بعد سارے ملک میں چچ کے احکامات چلتے تھے۔ وہ جو بھی کام کرتا تھا رائے اسے پسند کرتا تھا۔ راجا ہمیشہ چچ کے صلاح مشورہ سے سلطنت کے امور نمٹاتا تھا۔

راجا رائے سہاسی عمر رسیدہ تھا اور اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ آخر کار راجا سہاسی قریب الرگ ہوا تو رانی سوبھن دیوی نے چچ کو بلا بھیجا اور اس کو مخاطب ہو کر کہا: (تاریخ فتح نامۂ سندھ)

''اے چچ! رائے کی عمر پوری ہو چکی ہے اور موت کی نشانیاں اس کے جسم پر ظاہر ہو گئی ہیں۔ رائے کا کوئی فرزند نہیں ہے جو اس ملک کا وارث ہو۔ چنانچہ اب بلاشبہ رائے کے اقربا ملک و مملکت پر قابض ہونے کے بعد پرخاش کی وجہ سے ہمیں ستانے اور

ذلیل کرنے کی کوشش کریں گے۔ ایک تجویز میرے ذہن میں آئی ہے، جو یقین ہے کہ درست ثابت ہوگی اور ہماری مراد بھی پوری ہوگی اور یہ ملک بھی تجھے مل جائے گا۔ میری عقل کا یہی تقاضا ہے کہ اگر اس موقع پر ہم نے ہمت سے کام لیا تو خدائے پاک یہ ملک تیرے حوالے کر دے گا اور یہ سلطنت اور عزت تجھ سے قائم رہے گی اور سب لوگ تیرے مطیع ہو جائیں گے۔ یہ سن کر چچ نے کہا کہ تیرا حکم سر آنکھوں پر ہے کیونکہ وہ یقیناً عین مصلحت ہوگا لیکن مخلص خدمت گاروں سے مشورہ کرنا بھی فرض ہے اس لیے مجھے اس تجویز سے آگاہ فرما۔ اس پر رانی سوہن دیوی نے کہا کہ پچاس عدد طوق اور بیڑیاں تیار کرنے کا حکم دے اور رات کو خفیہ طور پر لا کر تہہ خانے میں رکھ۔ چنانچہ چچ نے حکم دیا جس بنا پر بھاری زنجیریں اور بیڑیاں تیار کر کے راتوں رات محل کے تہہ خانے کے ایک گوشے میں پہنچا دی گئیں۔

جب رائے کا آخری وقت ہوا اور نزع کا عالم طاری ہوا اور طبیب اٹھ کر باہر جانے لگے تو رانی سوہن دیوی نے ان سے کہا کہ تھوڑی دیر گھر میں اندر ٹھہرو اور پھر اپنے ایک معتمد کو حکم دیا کہ سب کو گھر میں قید کر کے دروازے بند کر دے تاکہ ساہسی رائے کی موت کی خبر شہر میں کسی کو معلوم نہ ہو اور جو تیرے اور میرے فرماں بردار ہیں انہیں محل میں لے آ۔ چنانچہ سارے وفاداروں کو محل میں لایا گیا۔ پھر اس نے کہا کہ فلاں فلاں جو بھی رائے کے عزیز اور ملک کے دعوے دار ہیں، ان سب کو ایک ایک کر کے بلا۔ چنانچہ ایک ایک کو اس بہانے سے کہ آج راجا کچھ بہتر ہے اور اس سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہے، بلایا جاتا اور جب وہ حاضر ہوتے تب انہیں اندر بھیج دیا جاتا، جہاں معتمدانِ خاص انہیں قید کر دیتے۔ اس طرح سارے مخالفوں کو طوق و سلاسل میں اسیر کر لیا گیا۔ اس کے بعد رائے کے عزیزوں کے دوسرے گروہ کے لوگوں کو، جو کہ مفلس تھے، بلا کر کہا کہ آج رائے نے تمہارے فلاں عزیز کو، جس کے خوف سے تمہیں نیند نہ آتی تھی، ناراض ہو کر قید کر دیا ہے۔ اگر تم فقر و فاقے سے نجات چاہتے ہو اور شان و شوکت اور مال حاصل کرنا چاہتے ہو تو قید خانے میں جا کر اپنے دشمن کا سر قلم کر دو اور پھر اس کے گھر، زمین، مال و اسباب اور نوکروں چاکروں پر جا کر اپنا قبضہ جماؤ۔ چنانچہ ہر ایک نے جا کر اپنے دشمن کو قتل کیا اور

اس کی مِلک و میراث پر قابض ہوا۔ اس طرح ایک ہی رات میں سارے مخالف خوں خوار تلواروں کی خوراک بن گئے اور انہیں دشمنوں سے نجات مل گئی اور پھر ملک میں کوئی بھی ایسا مخالف باقی نہ رہا جو رائے کی میراث کا دعویٰ کرتا۔

پھر جب انہوں نے فوج اور ملازمین کو اپنا مطیع بنایا اور مخلص ٹھاکر، جنہوں نے ان کی متابعت قبول کر لی تھی، ہتھیاروں سے لیس ہو کر مستعدی کے ساتھ دربار میں صفیں باندھ کر آ بیٹھے اور پھر جملہ رؤسا، تاجر، صناع اور امراء کو حاضر کر کے تخت کو آراستہ کیا جا چکا، تب رانی سوبھن دیوی نے پردے کے پیچھے آ کر وزیر بدھیمن سے کہا کہ دربار کے سربراہوں اور مقربوں کی مزاج پرسی کے بعد انہیں راجا کا یہ حکم پہنچا دے کہ اگرچہ وہ روبصحت ہے اور مرض سے چھٹکارا پا چکا ہے مگر یہ جو انتقامی کارروائی کا حادثہ ہو گزرا ہے اس کے صدمے سے ساہسی رائے کو دربار میں آنے کا یارا نہیں، جس کی وجہ سے ممکن ہے کہ شریف و رذیل اور طاقتور و ضعیف خلق خدا کا کاروبار معطل رہے، اس وجہ سے میں اپنی زندگی میں حاجب چچ کو اپنا نائب مقرر کرتا ہوں تاکہ کہیں رعایا سے، جو خدا کی امانت ہے، بے انصافی ہونے کی وجہ سے ملک میں کوئی بدنظمی نہ پیدا ہو۔

یہ پیغام سن کر سبھوں نے ادب سے دوزانو ہو کر سجدۂ اطاعت ادا کیا اور کہا کہ ''ہم رائے کے حکم کے بندے ہیں۔ وزیر چچ بہرحال عمدہ صلاحیتوں اور پسندیدہ عادتوں کا حامل ہے، اسی کی عقل کی بدولت ملک کا کاروبار بہتر طور پر چل رہا ہے۔''

اس کے بعد سوبھن دیوی نے ایک ہزار مطیع اور مخلص رئیسوں، سربراہوں، سپہ سالاروں اور امیروں کو اعلیٰ اور طرح طرح کے انعام و اکرام سے سرفراز کر کے بادشاہت کا تاج چچ کے سر پر رکھا اور اسے تخت پر بٹھایا۔ اس پر سب لوگ فخر کرتے ہوئے نئے سرے سے خدمت گاری کی شرطیں بجالائے۔

پھر اس کے حکم سے وزیر بدھیمن نئے سرے سے وزارت کے عہدے پر فائز کیا گیا اور خاص افراد کو گراں قدر انعامات سے سرفراز کرنے کے بعد امراء کو جاگیروں کے نئے پروانے عطا کیے۔ اس طرح پختگی کے ساتھ عنانِ حکومت چچ کے ہاتھ میں آ گئی۔''

جب راجا رائے سہاسی کی وفات کی خبر عام ہوئی تو راجا رائے سہاسی کے

بھائی چتور کے راجا مہرتھ ایک طاقتور فوج کے ساتھ اروڑ پر حملہ آور ہوئے اور چچ بھی اپنی فوج لے کر مقابل ہوئے۔ اس جنگ میں چچ نے چالاکی کے ساتھ راجا مہرتھ کو قتل کیا تو راجا مہرتھ کی فوجیں بھاگ گئیں۔ اس فتح کے بعد رانی سوبھن دیوی نے چچ کے ساتھ شادی کر لی۔ ''تاریخ فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ'' میں اس واقعہ کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

''جب یہ فتح حاصل ہوئی تب رانی سوبھن دیوی کے حکم سے رؤسا اور اکابرینِ شہر حاضر ہوئے۔ رانی نے ان سے فرمایا کہ اب جب کہ سہیاسی رائے انتقال کر چکا ہے اور مجھے اس سے کوئی فرزند نہیں ہے کہ جو ملک کا وارث ہو اور یہ ملک راجا چچ کے قبضے میں آیا ہے تو اس صورت میں بہتر اور مناسب یہ ہے کہ تم مجھے بعقدِ صحیح و مہرِ صریح چچ کے حوالے کر دو۔ چنانچہ جملہ رؤسا اور بزرگ متفق ہو کر دربار میں آئے اور رانی سوبھن دیوی کا عقد چچ سے پڑھایا۔ چچ کے اس سے دو بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔ اس نے ایک بیٹے کا نام داہر اور دوسرے کا دہرسینہ اور بیٹی کا نام مائین رکھا۔''

''تاریخ فتح نامہ سندھ'' کے صفحہ 80،79،78 اور 92 کے مطابق چچ نے برہمن آباد کے راجا اگھم کے ساتھ جنگ کی۔ راجا اگھم ریاست سندھ کی ایک ولایت کا والی تھا اور راجا رائے سہیاسی (دوم) کی وفات کے بعد چچ کے خلاف سرکش ہوا۔ قلعہ کے گھیرے کے دوران برہمن آباد کے جٹ راجا اگھم فوت ہوئے، ان کے بیٹے سربند نے چچ کی حکمرانی قبول کی۔ چچ نے راجا سربند کی والدہ یعنی راجا اگھم کی بیوہ سے شادی کی۔ ان کے بطن سے ایک بیٹی پیدا ہوئی جس کا نام مائین تھا۔ نجومیوں نے مائین کی قسمت کے متعلق چچ کو بتایا کہ جو شخص مائین سے شادی کرے گا وہ اس عظیم سلطنت کا راجا بنے گا۔ راجا اگھم اور ان کی اکثر رعایا بدھ مت کی ماننے والی تھی۔ چچ نے برہمن آباد کی جاٹ قوم پر امتیازی اور ذلت آمیز قوانین نافذ کیے۔ یہی سبب ہے کہ دیبل کے بدھ مت کے بھکشوؤں نے محمد بن قاسم کی مدد کی تھی۔ برہمن آباد کی ولایت میں دیبل تک کا علاقہ شامل تھا۔ (برہمن آباد کے آثار شہداد پور ضلع سانگھڑ، سندھ کے قریب موجود ہیں۔) سندھ کا راجا بننے کے بعد چچ نے سندھ کے حدودِ اربع کا تعین کیا۔ اول کشمیر کی سرحد پر جا کر درختوں پر نشان لگا کر سرحدیں مقرر کیں۔
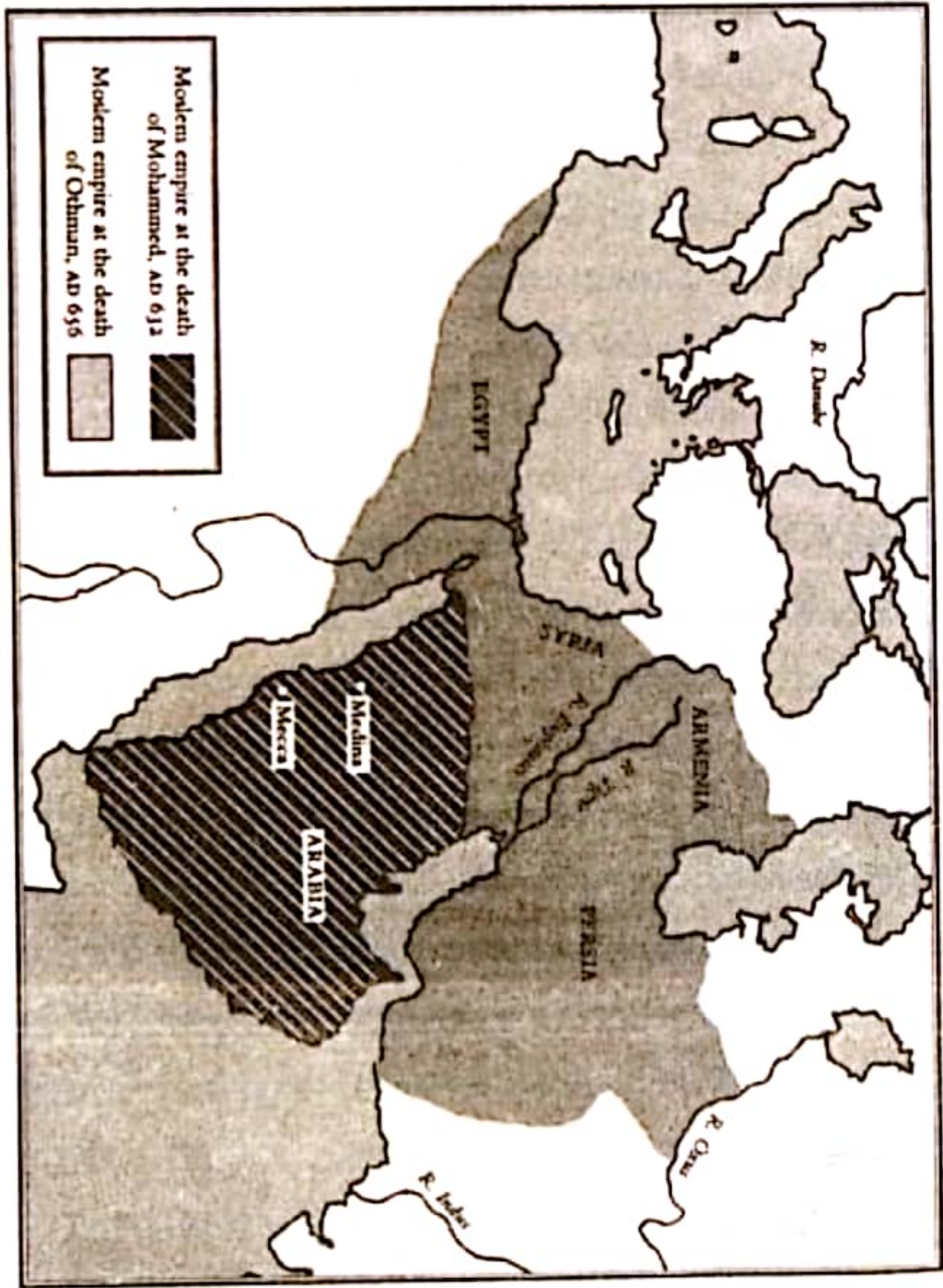
The growth of the Moslem empire AD 632–56

مسلم سلطنت کی ترقی 632-56ء

ضروری کاموں سے فارغ ہونے کے بعد چچ کے ذہن میں کرمان کی سرحد کا خیال آیا۔ اس وقت حضرت محمد ﷺ کی ہجرت کو دو سال گزر رہے تھے۔ ایران میں کسریٰ کے مرنے کے بعد ایک عورت حکمران ہوئی تو ایران کی حکومت کمزور پڑ گئی۔ انہی دنوں چچ نے ایک بڑا لشکر لے کر کرمان کا رخ کیا اور وہاں پر اپنی ریاست سندھ کی حدود کا تعین کیا۔ کرمان کے بعد وہ ارمابیل گئے۔ ارمابیل کا گورنر رائے خاندان کی طرف سے مقرر کردہ گورنر کی اولاد میں سے تھا اور بدھ مت کا پیروکار تھا۔ ارمابیل کے بعد راجا چچ مکران کی سرزمین کی طرف آیا پھر پہاڑوں اور دروں سے گزر کر پنج پور کے قلعہ میں آیا۔ اس کے بعد ارمابیل کی طرف لوٹا اور ملک توران (موجودہ افغانستان) سے پورالی ندی کے قریب سے گزرتے ہوئے قندابیل (قندھار) پہنچا اور سرحدوں کا تعین کیا۔ پیشگی خراج وصول کر کے واپس اروڑ آیا۔ اروڑ میں وہ اپنی وفات تک مقیم رہا۔ چچ نے چالیس برس حکومت کی۔ ان کے بعد ان کے بھائی چندر سات برس تک حکومت کرتے رہے۔ چندر کے مرنے کے بعد راجا داہر حکمران بنے۔ وادیٔ سندھ کی اس قدیم تاریخ سے ظاہر ہے کہ موجودہ پاکستان قدیم سندھ کی سرزمین پر واقع ہے۔

چچ خود تو ہندو برہمن تھا مگر سندھ کے طول و عرض میں اکثریت آبادی بدھ مت کے ماننے والوں کی تھی۔ جب محمد بن قاسم نے سندھ پر حملہ کیا تو بدھ مت کے ماننے والے لوگوں نے ان کی آؤ بھگت کی اور اکثر جلد ہی مسلمان ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ کشمیر سے لے کر دیبل تک بدھ مت کے لوگ اب یہاں نہیں جبکہ ہندو موجود ہیں اور ان کے مندر بھی موجود ہیں۔

656ء تک عرب مسلمانوں نے پورا ایران فتح کیا۔ بعدازاں افغانستان فتح کر کے خاقانِ چین کے علاقہ کاشغر کی طرف بڑھے۔ یوں ریاست سندھ کی مغربی سرحدوں پر دستک دی۔ بعدازاں عربوں نے قلات، کیچ، مکران اور لسبیلہ کا علاقہ سندھ سے چھین لیا اور کوہِ سلیمان اور کوہ کیرتھر کے درّوں پر متعین سندھی فوج کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرتے رہے۔ جھڑپیں تو ہوتی رہیں مگر عرب فوج کسی صورت بھی پہاڑوں کے درّوں کو پار نہ کر سکی اور سندھ کے میدانی علاقوں پر حملہ آور نہ ہو سکی۔ ہند اور سندھ کے شہروں میں لشکر

اسلام کی پہلی جنگ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کے پندرہ سال بعد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ہوئی ......اس وقت سندھ کا راجا چچ بن سیلائج تھا اور اس کی حکومت کو 35 سال گزر چکے تھے۔'' (تاریخ چچ نامہ صفحہ 101)

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ نے بھی سندھ اور ہند پر حملہ کرنا چاہا۔ عربوں نے جب کرمان اور قندابیل (قندھار) سے لے کر مکران تک کا علاقہ فتح کیا تو اس کا نام ولایت سندھ رکھا اور اپنا گورنر مقرر کرتے رہے۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں ولایت سندھ کے عرب حاکم عبداللہ بن عامر تھے جو کرمان اور قندابیل سے لے کر مکران تک کے علاقے کے گورنر تھے۔ حضرت عثمانؓ بن عفان نے عبداللہ بن عامر کو ہدایت کی کہ حکیم بن جبلہ کو سندھ اور ہند کی طرف بھیج کر ان ممالک کے حالات معلوم کرو۔ عبداللہ بن عامر حکم بجا لائے اور معلومات حاصل کر کے حکیم بن جبلہ کو امیر المؤمنین عثمان بن عفانؓ کے پاس روانہ کیا۔

''تاریخ فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ'' میں یوں ذکر ہے:

''حضرت عثمان بن عفانؓ نے پوچھا ''اے حکیم! ہندوستان دیکھ آئے؟ حالات معلوم کر آئے؟'' اس نے جواب دیا ''جی ہاں امیر المؤمنین۔ فرمایا بیان کرو، تو حکیم نے کہا ''وہاں کا پانی میلا، پھل کسیلے اور کھٹے ہیں، زمین پتھریلی ہے، مٹی شوریدہ ہے اور باشندے بہادر ہیں۔ اگر تھوڑا لشکر جائے گا تو جلد تباہ ہوگا۔ اگر زیادہ جائے گا تو بھوکوں مرے گا۔'' پھر امیر المومنین نے پوچھا کہ ''وہ قول و قرار میں کیسے ہیں وفادار ہیں یا بے وفا؟'' حکیم نے جواب دیا کہ ''خائن اور غدار ہیں۔'' اس پر امیر المؤمنین نے عبداللہ بن عامر کو سندھ پر لشکر کشی سے منع کیا اور کسی کو بھی نہ بھیجا۔ سندھ اور ہند امیر ملکوں میں شمار ہوتے تھے۔ دیگر قومیں للچائی نظروں سے ہر دور میں ہند اور سندھ پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتی تھیں۔ ان کوششوں کو رد کرنے کی غرض سے ہند اور سندھ آپس میں مل کر مقابلہ کیا کرتے۔ مشرق سے آنے والی امدادی فوجوں میں مرہٹہ، راجپوت اور گجر جنگ جو بھی آیا کرتے جو بعد ازاں لوٹ جانے کے بجائے وادی سندھ میں ہی آباد ہو کر رہ جاتے۔ یوں وادی سندھ میں راجپوت اور گجر قوموں کی کثرت آبادی ہے۔

60ھ میں خاندان بنوامیہ کے خلیفہ عبدالملک بن مروان کے دورِ حکمرانی میں طائف کے بنوثقیف قبیلہ کے ایک سردار مختار ثقفی نے شہدائے کربلا کا بدلہ لینے کے لیے ''توابین'' کے نام سے مسلح جدوجہد کی تو شام کے شہر دمشق کے نزدیک حلب شہر اور اس کے قرب و جوار میں بسنے والے بلوچ قبیلہ کے لوگ بھی مختار ثقفی کی جدوجہد میں شامل ہوئے۔ یوں کربلا میں حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں اور اہل و عیال کو شہید کرنے والوں کا قتال کر کے بدلہ لیا۔ یہ تحریک زیادہ دیر نہ چل سکی۔ حجاج بن یوسف ثقفی، جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے، انہوں نے مختار ثقفی کی سرکوبی کی، ان کو شکست دی اور مختار ثقفی بھی مارا گیا۔ اب بلوچوں پر حلب میں عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا چنانچہ کچھ بلوچ حلب میں آباد رہے مگر بلوچوں کے چوالیس قبیلوں نے میر چاکر خان (اول) کی قیادت میں حلب سے کوچ کیا اور اسلامی سلطنت کی آخری حد کیچ، مکران، خاران اور قلات کے علاقے میں پھیل گئے۔ مرکز سے دور رہنے کی بنا پر بلوچ قوم میں حجاج بن یوسف کی براہِ راست یلغار سے محفوظ رہیں۔ باقی ماندہ بلوچ جو کہ حلب اور اس کے مضافات میں مقیم رہے وہ حکومت کے لیے کسی قسم کا خطرہ نہیں رہے۔ میں اپنے ذاتی مطالعہ اور مشاہدہ کی بنا پر پورے یقین سے کہتا ہوں اور تاریخ ابن ہشام کے مطابق بھی ثابت ہے کہ اصل میں بلوچ قبیلے ملکہ صبا کے ملک یمن میں اس جگہ آباد تھے جہاں پر ملکہ صبا نے ملک یمن میں ڈیم بنایا تھا۔ وہاں پر لوگ کاشتکاری کیا کرتے تھے۔ تاریخ ابن ہشام جو کہ قدیم اور مستند تاریخ ابن اسحٰق سے ماخوذ ہے میں لکھا ہے کہ سردار عمرو بن عامر سید مآرب کے پاس سے گزرے تو دیکھا کہ ایک چوہا دوڑتا ہوا ڈیم میں بنے بل میں غائب ہوگیا۔ سردار جہاں دیدہ تھا اور اس کو یقین ہوگیا کہ عنقریب اس ڈیم کو زوال آنے والا ہے۔ ایسی صورت میں سب کچھ تباہ ہوگا اس لیے اس علاقے سے کوچ کرنا چاہیے۔ گھر آ کر بیٹوں سے صلاح کی اور طے کیا کہ آپس میں مصنوعی جھگڑا کریں پھر سردار ناراض ہو اور لوگوں کو محسوس ہی نہ ہو کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ کچھ اس انداز کا جھگڑا کر کے سردار نے اپنی ساری جائیداد بیچ دی۔ ازد کے قبیلے نے بھی اپنی جائیدادیں فروخت کیں اور سردار کے ساتھ ہجرت کر کے شام کے شہر دمشق اور عمان (اردن) کے نزدیک آباد ہوئے۔

''جب حضرت محمد ﷺ کا مکہ کے کفار کے ساتھ صلح حدیبیہ ہوا تو حضرت محمد ﷺ نے 628ء میں حضرت عمروؓ بن امیہ کو صحم بن ابجز نجاشی شاہ حبشہ کے نام خط دے کر اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوئے۔ حضرت دحیہؓ بن خلیفہ کلبی کو ہرقل (Heracles) قیصر روم کے نام خط دے کر بھیجا۔ وہ مائل بہ اسلام ہوا مگر کلیسا کے پادریوں کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا البتہ قاصد کو تحفے تحائف دے کر حضور ﷺ کی خدمت میں روانہ کیا۔ حضرت حاطبؓ بن بلتعہ کو جریج بن متی مقوقس عزیز مصر کے لیے خط دے کر روانہ کیا جس میں اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ عزیز مصر نے بھی اسلام قبول نہ کیا مگر ایک عمدہ خچر اور مصر کے حکمران خاندان قبطی میں سے دو بہنیں اور دیگر تحائف بھیجے۔ حضور ﷺ نے ایک بہن ماریہ سے نکاح کیا اور دوسری بہن سیرین کو حضرت حسانؓ بن ثابت کو عطا فرمایا۔ حضرت شجاعؓ بن وہب اسدی کو حارث بن ابی شمر غسانی شاہِ دمشق کے لیے دعوتِ اسلام کا خط دے کر روانہ کیا۔

حضرت شجاعؓ بن وہب جب دمشق پہنچے تو شاہ دمشق قیصر روم ہرقل کے دورے کے انتظامات میں مصروف تھے اور انہیں شاہ دمشق کے دربار میں باریابی نہ ہو سکی۔ وہاں پر شاہ دمشق کے ایک درباری سے ملاقات ہوئی جس کا نام مری تھا۔ مری عیسائی مذہب کا پیروکار تھا۔ انہوں نے حضور ﷺ کے متعلق حالات دریافت کیے اور کہا کہ انجیل میں انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی یہی صفات پڑھی ہیں۔ فرط جذبات سے رونے لگے اور پھر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ابن جوزی نے لکھا ہے کہ مری نے شجاعؓ بن وہب کو تاکید کی کہ ان کے قبولِ اسلام کا شاہ حارث سے ذکر نہ کرے کیونکہ وہ انہیں جان سے مار دے گا۔ جب شاہ حارث کو خط ملا تو اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا۔ الٹا دھمکی دی کہ وہ عرب پر حملہ کرے گا۔ مری نے شجاعؓ بن وہب کو زادِ راہ دیا، لباس اور تحائف دیئے اور عرض کیا کہ وہ حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں میرا سلام پیش کرے۔ سال بعد حارث بن ابی شمر غسانی بادشاہ دمشق انتقال کر گئے۔ بعدازاں بلوچوں کے سرکردہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری بھی دیتے رہے۔ یوں بلوچ اول المسلمین ہیں اور اکثر صحابہ بھی ہیں۔ میری سعودی عرب میں تعیناتی کے دوران میں نے ایک عجیب مشاہدہ کیا۔ تبوک

میں ایک ادارہ "ASTRA" یعنی عرب سپلائی ٹریڈنگ ایجنسی کے نام سے ہے جس کے ساتھ دورانِ ڈیوٹی میرا براہِ راست واسطہ پڑتا تھا۔ اس ادارے کا مالک جناب ابوزیاد اردن کا رہائشی ہے مگر سعودی عرب کے شاہی خاندان کے ساتھ خاصے تعلقات کی بنا پر انہیں سعودی شہریت بھی عنایت کی گئی ہے۔ ایک دن تبوک میں ادارہ کے ڈائریکٹر جناب ابوادہم کے دفتر میں کافی پی رہا تھا کہ ان کی پشت پر دیوار پر آویزاں قد آدم پینٹنگ پر میری نظر پڑی۔ اس میں ایک شخص کو دکھایا گیا تھا جو اپنے تنبو کے پاس بیٹھا ہے اور قریب اونٹ بھی ہے۔ قطع وضع میں یہ شخص ایک بلوچ سردار لگتا تھا۔ اسی طرح کی داڑھی بلوچی انداز کا سفید عمامہ (پگ) اور نیچے کی طرف لٹکی طرہ۔ ویسا بلوچی سفید پیرہن اور بلوچی وضع کی سفید شلوار۔ بلوچی کھسہ پہنے ہوئے۔ آلتی پالتی مارے اپنے خیمے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ زانو پر سادے نیام میں بلوچی انداز کی تلوار رکھے ہوئے تھا اور قریب سجا سجایا اونٹ بیٹھا تھا۔ میں نے بے اختیار ابوادہم سے استفسار کیا کہ پینٹنگ میں یہ صاحب تو ہمارے بلوچ قبیلہ کے سردار ہیں۔ اس کا آپ سے کیا تعلق؟ تو جواب ملا کہ جناب تصویر والے صاحب اس ادارے کے مالک ابوزیاد کے جدِ امجد ہیں۔ اس مشاہدے کے بعد مجھے ذرا بھی شک نہ رہا کہ بلوچی شاعری میں سینہ بہ سینہ، پشت در پشت یہ شعر کہا جاتا ہے تو بالکل حقیقت ہے کہ:

"ما اشہ حلبا رپتگوں اشہ مکران ہر کپتگوں"

یعنی ہم (بلوچ) حلب سے روانہ ہوئے اور مکران میں آ کر آباد ہوئے۔

ادھر بنو امیہ کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے دور کے آخر میں کاشغر بھی فتح ہوا اور سلطنت اسلامیہ میں شامل ہوا۔ وادی سندھ کی ریاست کے شمال اور جنوب مغرب میں بلوچ اور پٹھان آبادی کی کثرت رہی۔ جمعرات 10 رمضان المبارک 93ھ کو جب محمد بن قاسم ثقفی نے راجا ذاہر کو شکست دے کر انہیں قتل کیا اور سندھ کو اسلامی سلطنت میں شامل کر کے ہند کا رخ کیا تو محمد بن قاسم ثقفی کو خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے واپس بلا لیا۔ ریاست سندھ کے اسلامی مملکت میں شامل ہونے کی وجہ سے بلوچ اور پٹھان

آبادی کو سندھ میں آ کر آباد ہونے میں کوئی رکاوٹ نہ رہی۔ وادیٔ سندھ کے پہاڑوں اور میدانی علاقہ جات، کثرت آب اور چراگاہوں کی کثرت نے بلوچ اور پٹھان قوموں کو سندھ میں آباد ہونے کی ترغیب دی۔ یوں ریاست سندھ میں بلوچ اور پٹھان قومیں آباد ہوئیں۔ وادی مہران کے پانی اور مٹی میں ایک خوبی ہے کہ یہاں پر آباد ہونے کے بعد مختلف غیر ملکی قبائل اور تہذیبیں اس مٹی کے رنگ میں رچ بس جاتی ہیں۔

ریاست سندھ کی جغرافیائی حدود پھیلتی اور سکڑتی رہیں مگر جغرافیائی وقوع کے لحاظ سے اس ملک کی اہمیت میں کمی نہیں آئی۔ 712ء سے 1000ء تک وادیٔ سندھ کی ریاست براہ راست یا بالواسطہ طور پر عرب اسلامی سلطنت کے ساتھ منسلک رہی۔ اس کے بعد اموی خاندان کا زوال ہوا اور عباسی دور شروع ہوا۔ عباسی خاندان کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت میں دراڑیں پڑنا شروع ہوئیں۔ افغانستان الگ ہوا اور سبکتگین نے الگ افغانستان ریاست کی بنیاد ڈالی جس کے بعد غزنویوں کا دور آیا جو 1185ء تک رہا۔

عباسی خلیفہ ہارون الرشید کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے مامون الرشید خلیفہ بنے۔ انہوں نے مغل شہنشاہ اکبر کے دین الٰہی کی مانند اسلام میں کئی خرافات متعارف کرائیں۔ مامون الرشید کے اس نئے فرقے کے ماننے والوں کو ''معتزلہ'' کہتے ہیں۔ مامون الرشید کے چھوٹے بھائی امین الرشید صوبہ فارس کے گورنر تھے۔ انہوں نے مامون الرشید کے فرقے سے اختلاف کیا جس کی بنا پر دونوں بھائیوں کے درمیان جنگ ہوئی اور اس جنگ میں امین الرشید مارے گئے مگر فارس سلطنت عباسیہ سے الگ ہو کر آزاد ریاست بن گیا۔ خلیفہ مامون الرشید کا دور خلافت عباسی خاندان کے زوال کی شروعات تھی۔ بغداد میں جب عباسی خاندان کا زوال ہوا تو وادیٔ سندھ کی ریاست بھی مرکز سے الگ ہو کر آزاد ریاست بن گئی مگر یہ آزادی زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی حالانکہ حکمران سندھ کی قوموں میں سے رہے جیسا کہ خاندان سومرا اور خاندان سمہ، مگر مغرب سے یعنی وسط ایشیائی ممالک سے ترخان اور ارغون منگول کی یلغار ہوتی رہی اور وہ حکمرانی بھی کرتے رہے۔ انگریزوں کے سندھ پر قبضہ کرنے سے پہلے سندھ کے شمالی حصے پر

عباسی خاندان کی حکمرانی تھی جبکہ جنوب میں تالپر بلوچوں کی حکومت تھی۔ تاریخ کے گرداب میں سے گزرتے ہوئے وہ زمانہ بھی آیا کہ ہند اور سندھ پر انگریزوں کی حکمرانی ہوئی۔ پاکستان کے نام سے اسلامی مملکت بننے سے صدیوں پہلے ہی یہ علاقہ سندھ کے نام سے اسلامی ریاست بن چکا تھا۔ آخر ایک طویل جدوجہد کے بعد حضرت قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں چودہ اگست 1947ء کو دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اسلامی مملکت پاکستان کا ظہور ہوا۔

باب دوم

پاکستان کا محلِ وقوع اور اہمیت

پاکستان ایشیائی تجارت کی شاہراہ پر واقع ملک ہے۔ اس کی سرحدیں مشرق میں انڈیا، شمال میں چین، مغرب میں افغانستان، جنوب مغرب میں ایران اور جنوب میں بحیرۂ عرب سے ملتی ہیں۔ پاکستان کی اہمیت کوہ ہمالیہ سے لے کر بحیرۂ عرب تک پوری سرزمین کی وجہ سے ہے۔ انڈیا، چین، روس، امریکا اور یورپی ممالک کے لیے پاکستان ایک اہم ترین ملک ہے کیونکہ ایشیا کے اہم ترین تجارتی راستے پاکستان سے گزرتے ہیں۔ انڈیا کے لیے افغانستان اور وسط ایشیائی ممالک سے ہوتے ہوئے روس کے شہر ماسکو تک رسائی پاکستان سے ہی گزر کر ممکن ہے۔ چین اور روس کے لیے بحیرۂ عرب کے گرم پانیوں تک کم فاصلے کا راستہ پاکستان سے گزرتا ہے۔ امریکا اور یورپی ممالک کو افغانستان اور وسط ایشیائی ممالک کی منڈیوں تک براہِ راست رسائی کے لیے بھی پاکستان سے راستہ چاہیے۔ پاکستان کے راستے وسط ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت کے لئے نہایت منافع بخش ہے کیونکہ یہ کم فاصلے کا راستہ ہے اس لیے ٹرانسپورٹ کے اخراجات کم ہیں اور تجارتی مال کم وقت میں منڈیوں تک پہنچانا ممکن ہے۔

انڈیا کے لیے تو پاکستان میں سے گزرنے کے لیے بنے بنائے راستے موجود ہیں یعنی جنوبی انڈیا سے کھوکھرا پار کے راستے حیدرآباد آ کر پاکستان کی قومی شاہراہ اور ریلوے نظام سے مل جاتا ہے وسطی انڈیا کے لئے بہاولنگر سے بہاولپور جبکہ شمالی انڈیا سے واہگہ کے راستے لاہور آ کر قومی شاہراہ، موٹر وے اور ریلوے نظام سے مل جاتا ہے

۔اس کے علاوہ سرینگر (مقبوضہ کشمیر) سے دراس کے راستے پاکستان کے شہر اسکردو کے قریب مجوزہ کاشغر گوادر موٹروے اور ریلوے نظام سے مل جاتا ہے۔یوں انڈیا بڑی آسانی سے ریل یا روڈ کے ذریعے قندھار کے لیے چمن تک اور کابل اور اس سے آگے کے لیے طورخم تک رسائی حاصل کر سکتا ہے اور چین ، روس اور وسط ایشیائی ممالک تک براستہ کاشغر گوادر موٹروے اور ریلوے؛ رسائی حاصل کر سکتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انڈیا کو گوادر بندرگاہ کی کوئی خاص ضرورت نہیں اور وہ اس کا مخالف ہے۔ انڈیا اب ہر لمحہ بیتاب ہے کہ اس کے لیے پاکستان سے ریل اور روڈ کے ذریعے راہداری دی جائے تا کہ وہ وسط ایشیائی ممالک ؛ چین ؛ روس اور افغانستان کی منڈیوں تک تجارت کے لیے رسائی حاصل کر سکے۔انڈیا ایک ابھرتا ہوا معاشی جن ہے مگر اس کو تجارتی منڈیوں کا فقدان ہے۔ انڈیا کے جنوب اور مشرق میں واقع ممالک ملائشیا، انڈونیشیا، آسٹریلیا، میانمار، تھائی لینڈ وغیرہ بھی ابھرتے ہوئے ترقی پذیر ممالک ہیں جو کہ انڈیا کے لیے منڈیاں نہیں بن سکتے۔ یہ ممالک تو خود تجارتی منڈیوں کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور پاکستان میں سے گزر کر وسط ایشیائی ممالک ،چین اور روس تک راہداری کھلنے کے منتظر بیٹھے ہیں۔

انڈیا کے متعلق پاکستان کی یہ حکمت عملی رہی ہے کہ جب تک کشمیر ؛ سرکریک؛ سیاچن اور دریاؤں کے پانیوں کے مسائل حل نہیں ہو جاتے؛ انڈیا کو پاکستان میں سے گذرنے کے لئے تجارتی راہداری ہرگز نہیں دی جائے گی۔ اگر پاکستان کی یہ حکمت عملی جاری رہی تو انڈیا ضرور تمام تنازعات حل کرے گا۔ انڈیا کو راہداری نہ دے کر پاکستان کو کوئی خسارہ نہیں مگر انڈیا ایک بہترین تجارتی اور کاروباری موقع سے محروم ہو جاتا ہے۔ اگر انڈیا نے درست وقت پر اس موقع سے فائدہ نہ اٹھایا تو یہ منڈیاں ہمیشہ کے لیے اس کے ہاتھوں سے نکل جائیں گی اور اس کے کارخانہ دار اور بیوپاری عظیم گھاٹے میں رہیں گے۔

چین پاکستان کا بہترین دوست ملک ہے۔ ہر آڑے وقت میں اس نے پاکستان کا مردانہ وار ساتھ دیا ہے۔ پاکستان کی آزادی کی ضمانت اور معاشی ترقی میں

چین کا زیادہ سے زیادہ حصہ رہا ہے اس لیے چین کے لیے پاکستان دل کھول کر راستہ دینے کے لیے تیار ہے۔ گوادر کی بندرگاہ کی تعمیر اور ترقی چین کی مالی اور تکنیکی معاونت سے ہوئی کیونکہ چین کو ایک خاص مقصد کے لیے گوادر تک راہداری کی اشد ضرورت ہے۔ چین اپنی ضرورت کا تیل ایران سے مجوزہ کاشغر؛ گوادر موٹروے کے راستے پائپ لائن بچھا کر لیجانا چاہتا ہے؛ اس لیے شاہراہ قراقرم کی توسیع ضروری ہے۔ اس شاہراہ کو توسیع دینے کا کام چین نے شروع ہی کیا کہ سوات کا معاملہ شروع ہوا اور جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت تک جاری رہا۔ بین الاقوامی سازش کے ذریعے، جس میں انڈیا پیش پیش رہا، کچھ مسلح جنگجو مالاکنڈ ڈویژن میں شاہراہ قراقرم کے قریب پہاڑوں پر قبضہ کر بیٹھے۔ یوں اس شاہراہ کی توسیع کا کام رک گیا بلکہ ناممکن سا ہو گیا۔ آخر کار کافی گڑبڑ کے بعد اور جمہوری حکومت کی گفت وشنید کی حکمت عملی کی بدولت سوات کا معاملہ درست ہوا۔ اب شاہراہ قراقرم کی توسیع کا کام جاری ہے۔ یوں چین باآسانی بحیرۂ عرب تک براہِ راست رسائی حاصل کر سکے گا۔ امریکی تیل کمپنی کنسورشیم جس میں یہودی ہنری کسنجر، ڈونلڈ رمز فیلڈ اور ڈک چینی حصہ دار ہیں، انہوں نے کرغیزستان کے سوا، بقیہ تمام وسط ایشیائی مسلم ممالک کے تیل کے ذخائر خرید لئے اور امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کو بھی حصہ دار بنایا۔ چونکہ تیل فروخت کرنے کے لیے ان کو راستہ درکار تھا اس لیے انہوں نے بہانہ بنا کر افغانستان پر قبضہ جما لیا۔ امریکا نے بعد میں عراق پر بھی ناجائز قبضہ کر لیا۔ یوں ایک طرف تو وسط ایشیائی ممالک سے تیل لے جانے کا راستہ قابو کر لیا اور عراق پر قبضے کے بعد تیل اتنا مہنگا کیا کہ جب بھی وسط ایشیائی ممالک سے تیل فروخت ہونا شروع ہو تو یک لخت سارا سرمایہ منافع سمیت حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تیل بھی پائپ لائن کے ذریعے پاکستان سے گزر کر پسنی یا گوادر کی بندرگاہوں میں سے بین الاقوامی منڈیوں میں فروخت ہونا ہے۔ یورپ اور اسرائیل کے مفادات بھی پاکستان میں سے راہداری سے منسلک ہیں۔ جب وسط ایشیائی ممالک روس کے زیر تسلط تھے تو وہاں مارکیٹ اکانومی نہیں تھی، کمیونزم کی وجہ سے کاروبار بھی زیادہ سودمند نہ تھا اس لیے بیشتر یہودی آبادی وہاں سے نقل مکانی کر کے اسرائیل چلی گئی۔ روس سے آزاد ہونے کے بعد ان یہودیوں کی

کثیر آبادی واپس آ کر وسط ایشیائی مسلم ممالک میں آباد ہوئی۔ اب کی بار انہوں نے پہلے سے بھی زیادہ زرعی زمینیں اور کاروباری جائیدادیں خرید لیں۔ اکثر نے ایگرو بیسڈ انڈسٹری بھی لگالی۔ اسرائیل اور یورپ کے یہودی تاجر اس امید میں ہیں کہ ان کو پاکستان سے راہداری ملے تو وہ افغانستان اور وسط ایشیائی ممالک کی منڈیوں تک براہ راست رسائی حاصل کر کے اپنی تجارت کو فروغ دیں اور خوب مال کمائیں، اس لیے اسرائیل پاکستان کے ساتھ دوستی کرنے کو بے تاب ہے۔ یورپی ممالک کے تاجروں کے لیے بھی پاکستان سے راہداری حاصل کر کے وسط ایشیائی ممالک کی منڈیوں تک رسائی حاصل کرنے میں بے حد تجارتی فائدہ ہے۔ روس کی صدیوں سے یہ کوشش رہی ہے کہ کسی نہ کسی صورت بحیرۂ عرب کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل کر سکے۔ روس کے زار عظیم پیٹر سے لے کر زمانہ حال تک یہ کوشش جاری رہی۔ 1980-90ء کی دہائی میں روس کے افغانستان پر قبضے کی ناکام کوشش بھی بحیرۂ عرب تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تھی ۔افغانستان پر امریکی اتحادی افواج کے قبضہ کے تیرہ برس گزرنے کے بعد 2014 اور اس کے بعد بھی یقینی نہیں کہ وہاں پر امن ہوگا اور شاہراہات کھل سکیں گے۔ اس تناظر میں جون 2013 میں چین کے وزیراعظم نے پاکستان کا دورہ کیا جس میں دیگر معاملات کے ساتھ کاشغر گوادر موٹر وے و ریلوے کے متعلق گفت وشنید کی۔ 4 سے 8 جولائی 2013 کو پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف نے چین کا دورہ کیا اور کاشغر گوادر موٹر وے ریلوے اور پاکستان سے تجارتی راہداری کے معاہدات پر دستخط ہوئے۔ چین اٹھارہ ارب ڈالر کی لاگت سے اپنے شہر کاشغر سے پاکستان میں بحیرہ عرب میں گوادر بندرگاہ تک موٹروے اور ریلوے کی تعمیر کرے گا جس میں دوسو کلومیٹر پہاڑی سرنگیں بنیں گی اور یہ دو برس میں مکمل ہوگا۔ اس لئے اب خطے کی صورتحال یکسر بدل گئی ہے۔ اب اگر افغانستان کی راہداری بند بھی رہے تو روس اور وسط ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت کے لئے کاشغر۔گوادر موٹر وے' ریلوے کے کم فاصلے کے کل موسمی All Weather زمینی راستے کے ذریعے تجارتی مال سرعت سے روانہ کیا جا سکتا ہے۔ روس کے لئے بھی کاشغر گوادر موٹر وے' ریلوے کی موجودگی میں افغانستان کے راستے کی ضرورت نہیں

رہتی ۔روس بھی براستہ چین اور کاشغر گوادر موٹر وے اور ریلوے کو استعمال کرتے ہوئے' پاکستان میں سے گذر کر بحیرہ عرب کی گرم پانیوں تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔جبکہ پاکستان بھی روس کو راستہ دینے لئے راضی ہے۔

چین ایران سے خریدا ہوئا تیل' کاشغر گوادر موٹروے کے راستے پائپ لائین بچھا کر لے جانے میں دلچسپی رکھتا ہے۔اس کے علاوہ ایران کے ساتھ تجارت کو مزید فروغ دینے میں دلچسپی رکھتا ہے۔یوں ایران کے لئے امریکا اور مغرب کی پابندیوں سے نجات' اور معاشی استحکام کا وسیلہ چین اور پاکستان کے ساتھ تجارت' تیل و گیس کی فروخت ہی بن جاتا ہے۔اسطرح ایران کی معاشی وابستگی پاکستان اور چین کے ساتھ ہو جاتی ہے۔چین کے انڈیا کے ساتھ کشمیر میں لداخ کے علاقہ اور میکموہن لائن اور اس لائین کے ساتھ انڈیا کے زیر قبضہ چین کے دیگر علاقہ سے متعلق تنازعات ابھی حل نہیں ہوئے۔پاکستان کے بھی انڈیا کے ساتھ کشمیر 'سرکریک' سیاچن اور پانیوں کے تنازعات حل طلب ہیں۔انڈیا اس وقت ایران کے چاہ بہار بندرگاہ سے ایران کی سر زمین کو استعمال کرتے ہوئے افغانستان ' وسط ایشیائی ممالک' اور روس کے ساتھ تجارت کر رہا ہے۔ایسی صورت میں جبکہ ایران کے پاکستان اور چین کے ساتھ مظبوط تجارتی و اقتصادی وابستگی بن جائیگی تو چین اور پاکستان کسی بھی وقت ایران سے اصرار کر کے انڈیا کے لئے چاہ بہار بندرگاہ کا استعمال اور زمینی راستہ بند کروا سکتے ہیں۔پھر انڈیا کے لئے افغانستان' وسط ایشیائی ممالک' روس اور چین کے ساتھ تجارت کرنے کے لئے پاکستان کی سرزمین' ریل اور روڈ نیٹ ورک اور کاشغر گوادر موٹروے و ریلوے کو استعمال کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ایسی صورت میں انڈیا کو پاکستان اور چین کے ساتھ تمام تنازعات مذاکرات کے ذریعے حل کرنے ہونگے۔اسطرح کاشغر گوادر موٹروے و ریلوے خطہ میں تجارت کے فروغ ' عوام کی معاشی خوشحالی' امن و آشتی کا ضامن بن سکتا ہے۔

شاہراہ قراقرم تو گزشتہ کئی دہائیوں سے موجود ہے اور چین کے ساتھ اس شاہراہ کے ذریعے تجارتی سامان کی آمد و رفت بھی جاری ہے البتہ موجودہ صورت میں اس پر

گاڑیوں کی آمد و رفت سست رفتار ہے اور اس پر ریلوے لائین بچھا نا ممکن نہیں ہے البتہ اس روٹ کو کئی جگہوں پر متبادل مقامات سے گذار کر ری ماڈ لنگ کر کے توسیع کرنا اور پہاڑوں میں سینکڑوں کلومیٹر کی سرنگیں بنانا چین میں انجینئر نگ کے شعبے میں نئی ٹیکنالوجی کی موجودگی اور جدید بھاری انجینئر نگ مشینری کی بدولت ممکن ہو سکا۔ پاکستان اور چین کے مابین بڑھتی ہوئی دوستی اور تعاون اور شاہراہ قراقرم کی توسیع اور کاشغر سے لیکر گوادر تک تکمیل کر کے موٹر وے اور ریلوے لائین بچھانے کے بعد چین اور پاکستان کے درمیان جب سبک رفتار ریل اور روڈ ٹرانسپورٹ کا ذریعہ بن جائیگا تو پھر خطہ میں افغانستان کی اہمیت نہ صرف شدید متاثر ہوگی بلکہ بین الاقوامی رہگذر کے طور پر صفر ہو کر رہ جائے گی ۔ امریکہ نے جن توقعات کی بناء پر افغانستان پر یلغار کر کے قبضہ کیا اور انخلاء کے بعد کچھ تعداد میں اپنی فوجوں کی موجودگی کو یقینی بنانا چاہا وہ توقعات خطہ کی بدلتی ہوئی صورتحال کی وجہ سے پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں اس لئے امریکہ کی طالبان کے ساتھ مذاکرات کے عمل میں دلچسپی کم ہوتی جا رہی ہے ۔ امریکی پالیسی ساز Zero Option یعنی تمام امریکی اور اتحادی افواج کی مکمل انخلاء کا ارادہ رکھتے ہیں۔

پاکستان کی سرزمین پر تجارتی قافلوں کی آمد و رفت اور تجارتی سرگرمیوں میں اضافہ ضرور ہوگا اور اس کے پاکستان کی معیشت پر خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے مگر اس ساری سرگرمی کی وجہ سے پاکستانی معاشرے پر اس کے کیا منفی اثرات ہوں گے یہ ایک الگ صورت حال ہے کیونکہ جب مختلف تہذیبوں کے حامل افراد ہماری سرزمین سے گزریں گے تو وہ ہمارے ملک کی شاہراہوں پر بنی سہولیات میں قیام کریں گے۔ شاہرات کے قرب و جوار میں آبادی کے ساتھ ان کا اختلاط بھی ہو سکتا ہے۔ وہ لوگ تو اپنی اپنی تہذیب اور طور طریقے سے رہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ کئی لوگ مادر پدر آزاد تہذیبوں سے بھی تعلق رکھتے ہوں گے۔ ان لوگوں نے پاکستان میں بھی ایسے ہی ماحول کی توقع کرنا ہے جو انہیں اپنے ملک یا اپنے جیسے ہی دیگر ممالک میں میسر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط کی وجہ سے ہمارے معاشرے پر اسکے اثرات ضرور پڑیں گے۔ یہ وہ مضمرات ہیں جو معاشی فائدہ کے ساتھ ہمارے معاشرے کو حاصل ہوں گے۔

CS
CamScanner

باب سوم

پاکستان کی خارجہ پالیسی اور ملک کی بقا پر اثرات

دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد امریکا نے محسوس کیا کہ یورپ کی معاشی آزادی ہی ان کی سیاسی آزادی کی ضامن ہے اور آزاد یورپ ہی امریکا کی آزادی کا ضامن ہے۔ یوں امریکا نے 1946ء میں مارشل پلان کے تحت یورپ کے معاشی احیاء کا منصوبہ بنایا۔ ساتھ ہی شمالی اوقیانوس معاہدہ (NATO) کی بنیاد ڈالی جو کہ ایک عسکری معاہدہ ہے جس کے تحت رکن ممالک مل کر دشمن کے خلاف عسکری قوت سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔ روس نے بھی اس معاملے میں پیش رفت کی اور مشرقی یورپی ممالک پر مشتمل وارسا پیکٹ معاہدہ کیا جو کہ NATO کی نوعیت کا تھا۔ یوں سرد جنگ کی ابتداء ہوئی اور دنیا دو طاقتوں میں بٹ گئی۔

آزادی کے بعد انڈیا نے تو روس اور امریکا کے ساتھ آزادانہ خارجہ پالیسی اختیار کی۔ پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنی بہن وجے لکشمی پنڈت کو روس میں سفیر بنا کر بھیج دیا مگر پاکستان کے پالیسی ساز مخمصے میں پڑ گئے۔ پاکستان نے قائداعظم محمد علی جناح کی رحلت کے بعد ان کے رہنما خارجہ پالیسی کے اصول یعنی ''سب کے ساتھ دوستی اور کسی کے ساتھ بھی دشمنی نہیں'' کے اصول کو پس پشت ڈال دیا۔ پاکستان کے پالیسی سازوں نے قائداعظم کے خارجہ پالیسی کے اصولوں پر کاربند رہنا ترک کیا اور یک طاقتی جھکاؤ کی پالیسی طے کر کے سوچتے رہے کہ آیا روس کے ساتھ دوستی کی جائے یا امریکا کے

ساتھ۔ چونکہ پاکستان برطانوی سامراج کے تسلط سے آزاد ہوا اور برٹش کامن ویلتھ آف نیشنز کا رکن بھی تھا اور ملک میں برطانوی کاسہ لیس رہنماؤں کی حکومت میں بہتات تھی جس کی وجہ سے حکومتی جھکاؤ امریکا کی طرف تھا اس لیے روس کے ساتھ دوستی کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہی۔ شروع میں روس پاکستان کا مخالف نہیں تھا۔ روس میں پاکستان کے ساتھ بہتر تعلقات اور باہمی تجارت کو فروغ دینے کا رجحان پایا جاتا تھا۔ ستمبر 1947ء میں پاکستان کی اقوام متحدہ میں شمولیت پر روس نے مخالفت نہیں کی تھی جبکہ روس نے سری لنکا کی اقوام متحدہ میں شمولیت کی مخالفت کی تھی۔ جنوری 1948ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں تنازع کشمیر پیش ہوا تو بھی روس غیر جانب دار رہا لیکن بعدازاں پاکستان کے پالیسی سازوں نے روس کے ساتھ بے اعتنائی کا رویہ اختیار کیا اور امریکا کے نزدیک ہوتے گئے۔ جون 1949ء میں روس نے وزیراعظم لیاقت علی خان اور بیگم رعنا لیاقت علی خان کو روس کے دورے کی دعوت دی تو یہ دعوت قبول کر لی گئی۔ پاکستان کی قیادت کا روس کا دورہ ایران میں مقیم پاکستانی سفیر راجا غضنفر علی خان کی کاوشوں کے نتیجے میں طے ہوا۔ راجا غضنفر علی خان کے تصور میں پاکستان کی روس کے ساتھ دوستی ملک کے قومی مفاد میں تھی۔ پاکستان نے شعیب قریشی کو روس میں اپنا سفیر بھی نامزد کیا اور یہ طے ہوا کہ نومبر 1949ء کو روس کے یوم انقلاب کے موقع پر وزیراعظم لیاقت علی خان روس کا دورہ کریں گے یوں پاکستان کی اعلیٰ قیادت کو خاص اعزاز دیا گیا۔ اس طرح دنیا کو باور کرایا گیا کہ پاکستان ایک آزاد اور خودمختار ملک ہے۔ روس کے ساتھ سفارتی تعلقات تو بحال ہوئے مگر لیاقت علی خان نے روس کا دورہ نہیں کیا۔ اس دورے کو منسوخ کرنے میں پاکستان کے وزیرخارجہ سر ظفراللہ خاں اور سیکریٹری خارجہ اکرام اللہ کا کلیدی کردار ہے۔ اگلے برس مئی 1950ء میں لیاقت علی خان نے امریکا کا دورہ کیا۔ اس دورے کے نتیجے میں نہ تو پاکستان کو اقتصادی امداد ملی نہ ہی کشمیر کے معاملے میں امریکی حمایت ملی۔ پاکستان نے درخواست کی کہ مارشل پلان کی طرح پاکستان کے معاشی احیاء کے لیے پاکستان امریکا کی مدد کا خواہاں ہے مگر امریکی انتظامیہ نے پاکستان کو بین الاقوامی اور امریکی بینکوں سے قرضوں کے حصول کا پیچیدہ راستہ دکھایا لہٰذا پاکستان کو معاشی امداد بھی

نہ ملی۔

جناب لیاقت علی خان کے روس کے دورے کی منسوخی اور بعدازاں امریکا کے دورے پر جانے کی وجہ سے روس میں پاکستان کے متعلق خدشات پیدا ہوئے۔ روس میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ پاکستان کشمیر کو حاصل کر کے وہاں امریکا کو فوجی اڈے مہیا کرے گا جس سے روس کی سلامتی کو خطرات لاحق ہوں گے لہٰذا بعدازاں روس نے اقوام متحدہ کے علاوہ ہر عالمی فورم پر کشمیر کے مسئلے پر پاکستان کی مخالفت کی۔ یوں 1950ء سے پاکستان امریکا کے ساتھ دوستی کے رشتے میں بندھ گیا۔

امریکا کے ساتھ یہ دوستی یک طرفہ رہی۔ امریکا نے پاکستان کو اپنا ماتحت اور کاسہ لیس بنانے کی کوشش کی۔ اکتوبر 1951ء میں لیاقت علی خان نے امریکا سے درخواست کی کہ وہ اقوام متحدہ میں کشمیر کا مسئلہ زیر بحث لائے اور اسے حل کرنے میں پیش رفت کرے بصورت دیگر یہ مسئلہ جنگ کے ذریعے حل کیا جائے گا۔ 14/13 اکتوبر 1951ء کو اقوام متحدہ کے اجلاس کے دوران سلامتی کونسل میں کشمیر کا معاملہ سرے سے پیش ہی نہیں ہوا۔ یوں عملی طور پر امریکا نے پاکستان کی درخواست کو پس پشت ڈال دیا۔ 16 اکتوبر 1951ء کو راولپنڈی کے جلسۂ عام میں اس بات کے پیش نظر کہ کہیں لیاقت علی خان انڈیا کے خلاف کشمیر میں جنگ کا اعلان نہ کریں، قاتل اکبر خان نے انہیں گولیاں مار کر شہید کیا۔ قاتل اکبر خان کابل کا رہنے والا افغان باشندہ تھا جو کہ ان دنوں ایبٹ آباد میں مقیم تھا اور حکومت برطانیہ کا تنخواہ دار ایجنٹ تھا۔ چونکہ اینگلو امریکی گٹھ جوڑ کافی مضبوط ہے اس لیے یہ ایجنٹ مؤثر طور پر استعمال ہوا۔ یہ امریکی حکومت کی طرف سے پاکستان کی اعلیٰ قیادت کی Decapitation کا پہلا واقعہ ہے۔

لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد پاکستان کی اعلیٰ قیادت نے کئی بار امریکا کا دورہ کیا مگر ان سب دوروں کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ اس کے باوجود 1951 سے لیکر 1958 تک پاکستان کی قیادت نے روس کے ساتھ بہتر تعلقات کو فروغ دینے پر توجہ نہیں دی۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا جھکاؤ کلی طور پر امریکا کی طرف ہی رہا۔ اس دور میں Pan Islamism کی پرچار کی جاتی رہی مگر اسلامی قوت کی احیاء کے لئے عملی

طور پر کچھ بھی نہیں کیا گیا۔ 7 اکتوبر 1958ء کو صدر اسکندر مرزا نے ملک میں مارشل لا نافذ کر کے پارلیمان کو برخاست کیا اور 1956 کا دستور منسوخ کر دیا۔ اس کے چند دنوں کے بعد فوجی بغاوت کر کے جنرل محمد ایوب خان نے صدر اسکندر مرزا کو جلاوطن کر کے پاکستان کی حکومت پر قبضہ کر کے خود ملک کے صدر بن گئے۔

1960ء میں امریکی ایماء پر جنرل ایوب خان نے معاہدۂ سندھ طاس (Indus Waters Treaty) کو قبول کیا اور 19 ستمبر 1960ء کو انڈیا اور پاکستان کے درمیان سندھ طاس معاہدے پر دستخط ہوئے جس میں انڈیا کو حق دیا گیا کہ وہ دریائے راوی، بیاس اور ستلج کے پانیوں کو استعمال کرے مگر پاکستان کے علاقے میں ان دریاؤں پر آبادیوں کے لیے معقول مقدار میں پانی مہیا کرنا لازم قرار دیا گیا۔ پاکستانی مفاد کو بھاری نقصان پہنچانے کے بعد امریکا پاکستان پر مہربان ہوا۔ 1960ء کی دہائی میں جب جنرل محمد ایوب خان کی حکومت تھی تو پورے پاکستان میں پاک امریکا دوستی کے ڈنکے بجنے لگے۔ امریکا کی طرف سے دی گئی ہر چیز پر پاک امریکا دوستی کے ہاتھ کی تصویریں چسپاں ہوتی تھیں۔ محکمۂ زراعت تو گاؤں گاؤں، قریہ قریہ گشتی سینماؤں کے ذریعے امریکا کے ساتھ دوستی کا چرچا کرتا پھرا۔ یوں پاکستان کے عوام کو دھوکا دیا گیا اور انہیں بے خبر رکھا گیا کہ امریکا بہادر نے ان کا کتنا نقصان کیا۔ البتہ سندھ طاس معاہدے کی وجہ سے پاکستان کے کاشتکاروں کو پانی کی کمی کی شدید تکلیف محسوس ہوئی۔ پاکستان کے پرنٹ میڈیا میں امریکا کے ساتھ دوستی کا چرچا ہوتا رہا اور شہر کے سینما گھروں میں بھی فلم سے پہلے امریکی دوستی کے پراپیگنڈہ کی فلمیں چلائی جاتی رہیں جس کو تصویری خبرنامہ کا نام دیا جاتا تھا جبکہ روس سے متعلق مکمل بلیک آؤٹ تھا۔

جب روس نے امریکا کا جاسوس طیارہ یوٹو U2 مار گرایا اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ یہ طیارہ روس کی جاسوسی کے لیے پشاور کے نزدیک بڈابیر کے امریکی اڈے سے پرواز کرتا رہا ہے تو روس نے پاکستان کو متنبہ کیا کہ اس جگہ پر سرخ دائرے کا نشان لگا دیا گیا ہے اور روسی میزائل اسے تباہ کر سکتے ہیں لہٰذا بڈابیر کے امریکی اڈے کو بند کرنا ہوگا۔ آخر لاچار ہو کر پاکستان نے بڈابیر کا امریکی اڈہ بند کرایا تو امریکا پاکستان کا دشمن بن گیا۔

محمد ایوب خان امریکا کے بہترین دوست تھے۔ سابق امریکی صدر رچرڈ نکسن نے اپنی کتاب In the Arena کے تیسرے باب میں لکھا ہے کہ جب شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی جولائی 1980ء میں مصر کے شہر قاہرہ میں وفات پا گئے تو ان کی تدفین میں شامل ہونے کے لیے امریکا کی نمائندگی کرنے کے لیے کسی کو نہیں بھیجا گیا جبکہ شاہ ایران رضا شاہ پہلوی امریکا کا خاص دوست تھا۔ اس موقع پر مجھے (رچرڈ نکسن کو) 1964ء کے دوران پاکستان کے صدر محمد ایوب خان کے وہ جملے یاد آئے جو انہوں (ایوب خان) نے جنوبی ویت نام کے صدر ڈائیم کے قتل میں امریکا کے ملوث ہونے کی خبر پر کہے تھے۔ ایوب خان نے کہا تھا:

"It is dangerous to be a friend of U.S that it pays to be neutral and sometimes it helps to be an enemy."

یعنی امریکا کا دوست ہونا خطرناک ہے اور یہ کہ غیر جانب دار ہونا فائدہ مند ہے اور کبھی امریکا کا دشمن ہونا بھی سودمند ہوتا ہے۔

رچرڈ نکسن نے اپنی تصنیف Victory Without War 1999ء میں اس بات کی برملا تصدیق کی کہ ایوب خان کی حکومت کو ختم کرنے میں امریکا کا ہاتھ تھا۔ یوں امریکا پاکستان میں اپنی من مانیاں جاری رکھے ہوئے ہے اور پاکستان کے پالیسی ساز پاکستان کو امریکا کے ساتھ نتھی رکھے ہوئے ہیں۔ 1965ء کی انڈیا پاکستان جنگ کے بعد پاکستان کے لیے CETO اور CENTO معاہدات کے ساتھ منسلک ہونے کی قلعی کھل گئی۔ ان معاہدات کی بدولت جنگ میں پاکستان کو رتی بھر حمایت اور امداد نہیں ملی۔ اب پاکستان کے پالیسی سازوں کی آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے پاکستان کی خارجہ پالیسی کو روس کے ساتھ دوستی کی طرف موڑ دیا۔ ایوب خان کے ہی دورِ حکومت میں پاکستان کے چین کے ساتھ ساتھ روس کے ساتھ بھی اچھے تعلقات استوار ہوئے۔ صدر جنرل یحییٰ خان کے دور میں روس کے ساتھ تعلقات میں مزید بہتری ہوئی اور بھٹو دور میں یہ تعلقات مثالی تھے۔ روس کے ساتھ دوطرفہ خارجہ تعلقات اور معاشی تعاون کی وجہ سے امریکا پاکستان پر بھاری پڑ گیا۔ اس پیش رفت کو روکنے کے لیے امریکا نے پاکستان میں

Decapitation کے عمل کو دہرایا۔ جنرل ضیاالحق نے فوجی بغاوت کر کے بھٹو کو قید کر کے بعدازاں بھٹو کا اذیت ناک عدالتی قتل کیا۔ خود مطلق العنان ڈکیٹر بن کر پاکستان کے حکمران بن گئے۔ صدر جنرل ضیاالحق نے پاکستان کی خارجہ پالیسی میں یوٹرن لیا اور کلی طور پر امریکا کے برخوردار بن گئے اور امریکی مفاد میں افغانستان میں روس کے ساتھ الجھ گئے۔

جب امریکا کا مقصد پورا ہوا، روس افغانستان سے اخراج کر گیا تو جنرل ضیاالحق بھی اپنے رفقا کے ٹولے کے ساتھ ایک پراسرار ہوائی حادثے کا شکار ہو کر مارے گئے۔ بعدازاں دس سال تک جمہوری حکومتیں رہیں مگر وہ بھی پاکستان کی خارجہ پالیسی کی سمت درست نہ کر سکیں تا آں کہ امریکا نے Decapitation کا عمل دہراتے ہوئے جمہوری حکومت کو فارغ کر دیا۔

12 اکتوبر 1999ء کو پاکستان کے آرمی چیف جنرل پرویز مشرف نے اپنے ساتھی جنرلز کی مدد سے فوجی بغاوت کر کے وزیراعظم محمد نواز شریف کی حکومت ختم کر کے انہیں قید کیا اور خود پاکستان کے حکمران بن گئے۔ محمد نواز شریف کو بھی عدالتی فیصلے کے ذریعے عمر قید کی سزا دی گئی مگر بعدازاں عالمی دباؤ کے تحت انہیں اور ان کے خاندان کو بزرگ والد محمد شریف سمیت ملک بدر کیا۔ محمد نواز شریف کے والد محمد شریف غریب الوطنی میں انتقال کر گئے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کو کلی طور پر امریکا کے تصرف میں دے دیا جس کا خمیازہ اب تک معصوم عوام کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ پاکستان کے دیگر ممالک کے ساتھ بھی تعلقات بہتر رہے۔ چین میں کمیونسٹ انقلاب کے بعد جو حکومت قائم ہوئی اس کو پاکستان نے تسلیم کیا لیکن حقیقت میں چین کے ساتھ پاکستان کی دوستی پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے دور میں وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی کاوشوں سے پروان چڑھی۔ پاکستان نے چین کے ساتھ نہایت خاموشی سے اچھے تعلقات بنائے اور مضبوط کیے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو ہی کی کاوشوں سے سرد جنگ کے دور میں جبکہ چین اور امریکا کے آپس کے اختلافات عروج پر تھے ان دنوں میں امریکا کے سیکریٹری خارجہ ہنری کسنجر کو اسلام آباد سے خفیہ طور پر بیجنگ لے جا کر چینی قیادت سے

ملاقات کرائی۔ چین اور امریکا کے آپس کے اچھے تعلقات جنوبی ایشیا میں امن اور استحکام کے لیے نہایت ضروری تھے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے خیال میں اگر امریکا کے چین کے ساتھ اچھے تعلقات قائم ہوتے ہیں تو پھر امریکا کے لیے انڈیا کو چین کے خلاف مسلح کرنے کا جواز نہیں رہتا۔ یوں انڈیا چین سے جنگ کرنے کے بہانے پاکستان کے خلاف ہتھیار جمع نہیں کر سکے گا۔ چین اور امریکا کی دوستی کا انڈو امریکی دوستی پر کوئی فرق نہیں پڑا مگر آج کل امریکا جس اذیت ناک معاشی بحران سے گزر رہا ہے اس میں چین نے امریکا کی بے حد مدد کی ہے۔ آج کل امریکی معیشت پر چین کے گہرے اثرات ہیں۔ امریکا چین کے کئی ٹریلین ڈالر کا مقروض بھی ہوگیا ہے۔ پاکستان کے چین کے ساتھ بہترین برادرانہ تعلقات ہیں۔ 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں چین کی طرف سے پاکستان کی حمایت میں بھارت کی سرحدوں پر فوجوں کی نقل وحرکت کی وجہ سے انڈیا کو بڑا دھچکا لگا اور انڈیا پاکستان کے خلاف جنگ بندی کے لیے راضی ہوا۔ 1966ء سے 1971ء تک امریکا نے پاکستان پر اسلحہ فروخت کرنے پر پابندی عائد کی تو چین کی طرف سے پاکستان کو مطلوبہ اسلحہ ملتا رہا۔ یوں چین نے پاکستان کی فوجی اور معاشی استعداد میں اضافہ کیا۔ 1965ء کے بعد پاکستان نے روس کے ساتھ تعلقات میں بہتری لانے کی کوشش کی۔ یوٹو کا سانحہ، جس میں روس نے امریکی یوٹو جاسوس طیارہ مار گرایا تھا، یہ جہاز پاکستان میں پشاور کے قریب بڈابیر کے امریکی اڈے سے پرواز کرتا تھا۔ روس کے انتباہ پر پاکستان نے امریکی اڈہ بند کر دیا تھا اور روس کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو روس نے بھی خندہ پیشانی کے ساتھ پاکستان کے ساتھ تعلقات کو فروغ دیا۔ 1966ء سے 1971ء تک امریکی اسلحے کی فروخت پر پابندی تھی تو روس نے پاکستان کو جدید ٹینک، توپیں اور فوجی گاڑیاں دیں۔ چین اور روس کی فوجی امداد کے باعث امریکی ہتھیاروں کی پابندی کافی حد تک بے اثر ہوگئی۔

پاکستان کے اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات مثالی رہے۔ 1965ء کی انڈیا پاکستان جنگ کے دوران برادر اسلامی ملک انڈونیشیا کے صدر ڈاکٹر احمد سوکارنو کے حکم پر انڈونیشیا کا بحری بیڑہ پاکستان کی مدد کے لیے چٹاگانگ روانہ ہوا تو یہ صورت حال

دیکھ کر اقوام عالم میں تھرتھلی پڑ گئی اور جنگ بند کرانے کے لیے اقوام متحدہ کو متحرک کیا گیا۔ 1965ء اور 1971ء کی انڈیا پاکستان جنگ کے دوران چند برادر اسلامی ممالک نے پاکستان کی بھرپور فوجی اور معاشی امداد کی ان میں سعودی عرب، اردن، شام، ترکی، انڈونیشیا اور ایران سرفہرست ہیں۔ پاکستان کے ساتھ برادر اسلامی ممالک کے تعلقات اتنے گہرے ہیں کہ سابق امریکی سیکریٹری خارجہ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب "White House Years" کے باب 21 میں اس کا اظہار کرتے ہوئے لکھا کہ:

> ''امریکا نے پاکستان پر اسلحہ فروخت کرنے پر پابندی عائد کی مگر امریکی انتظامیہ کو فکر لاحق ہوئی کہ انڈیا پاکستان جنگ کی صورت میں مسلم ممالک اور خصوصاً ایران اپنا اسلحہ پاکستان کو دے دیں گے۔''

یہ تعلقات 1974ء میں لاہور میں اسلامی کانفرنس کے دوران اپنے عروج پر تھے۔ اب بھی ہر بحران میں برادر اسلامی ممالک پاکستان کی مدد کو سب سے پیش پیش ہیں۔ برادر اسلامی ممالک سعودی عرب اور ایران تیل کی دولت سے مالا مال ہیں۔ اپنے قومی مفادات کے ساتھ ساتھ ایران اور سعودی عرب ہمیشہ پاکستان کو معاشی بحران سے نکالنے میں مدد کرتے ہوئے مفت اور سستے داموں تیل دیتے رہے۔ آج بھی ایران کے ساتھ گیس کی خریداری کا معاہدہ ہوا ہے اور ایران نے اس پر عمل کرتے ہوئے پائپ لائن کو پاکستان کی سرحدوں تک مکمل کیا ہے۔ ایران کے ایٹمی بجلی گھروں نے پیداوار شروع کی ہوئی ہے اور وہ اپنی اضافی بجلی پاکستان کو سستے داموں دینے کے لیے تیار ہے مگر امریکی شکنجے میں جکڑے ہوئے ہمارے پالیسی ساز اپنے برادر اسلامی ملک ایران کی طرف سے دی گئی سہولت سے ٹال مٹول کر رہے ہیں جبکہ ہنری کسنجر کے تیل و گیس کے کنسورشیم گیس حاصل کرنے کے لیے کوشاں اور مستعد ہیں اور TAPI یعنی ترکمانستان، افغانستان، پاکستان اور انڈیا گیس ڈیل کر کے اب ترکمانستان سے پاکستان تک پائپ لائن بچھانے جانے کا انتظار کر رہے ہیں۔ یہ پائپ لائن کئی برسوں بعد پاکستان تک پہنچنا متوقع ہے جبکہ ایران سے گیس پائپ لائن اپنی سرحدوں تک موجود ہے اور اس کو پاکستان کے گیس نیٹ ورک کے ساتھ جوڑنے میں لاپروائی برتی جا رہی ہے۔

روس اور چین نے ہمیشہ پاکستان کی علاقائی سلامتی اور خودمختاری کی حمایت کی ہے۔ روس اور چین نہ تو اہلِ کتاب ہیں اور نہ ہی مسلمان ہیں۔ روس کے تو انڈیا کے ساتھ بہترین تعلقات ہیں پھر بھلا روس پاکستان کے وجود اور سلامتی کے حق میں کیوں ہے؟ جب کہ امریکا کے ساتھ پاکستان کے دیرینہ تعلقات ہیں اوز ہر امریکی حکم کی آنکھیں بند کر کے تعمیل کی جاتی ہے مگر امریکا پاکستان کی بقا اور وجود سے متعلق اتنا لاپروا کیوں ہے؟ یقیناً قارئین کے ذہن میں ایسے سوالات تو اٹھتے ہوں گے لیکن ماضی کے واقعات اور پاکستان کی خطے میں اہمیت کے ساتھ چین اور روس کے قومی مفاد کی خاطر چین اور روس پاکستان کے وجود اور خودمختاری میں دلچسپی رکھتے ہیں جبکہ امریکا پاکستان کو کسی نہ کسی شکل میں اپنے مفاد میں استعمال کرتا رہا ہے اور مزید استعمال کرتے رہنے میں دلچسپی رکھتا ہے۔ امریکا نے تاریخ میں بڑی غلطیاں کی ہیں۔ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب ڈپلومیسی میں لکھا ہے کہ ویت نام میں امریکا کا ملوث ہونا اس صدی کی عظیم غلطی تھی۔

رچرڈ نکسن نے بھی اپنی کتاب "Victory Without War 1999ء" میں لکھا ہے کہ:

> ''شاہ ایران کی حکومت کو غیر مستحکم کرنا اور اس کی حکومت کو ختم کرنا امریکی پالیسی سازوں کی اس صدی کی عظیم غلطی تھی۔''

پاکستان کے متعلق امریکی بے اعتنائی امریکی پالیسی سازوں کی اس میلینئم کی عظیم غلطی ہے جس کی بنا پر امریکا خطے سے خارج ہوسکتا ہے۔ اس وقت دنیا میں تین بڑی طاقتیں ہیں جو دنیا کی سیاست پر اثرانداز ہوکر عالمی امن قائم کرنے میں معاون ہیں۔

(1) امریکا اور یورپ:

امریکا بذات خود بڑی طاقت ہے۔ یورپ کے تمام ممالک مل کر بھی کوئی ایسی بڑی طاقت نہیں۔ اس وقت یورپ تو امریکی کندھوں پر سوار ہوکر اپنے آپ کو دیگر بڑی طاقتوں کے شر سے محفوظ سمجھتا ہے۔ خارجہ پالیسی میں یورپ کی دنیا کے معاملات میں اپنی کوئی آزاد پالیسی نہیں۔ یورپ کی خارجہ پالیسی امریکی خارجہ پالیسی کے تابع ہے یوں امریکا نے یورپ کی سلامتی کی ذمہ داری اٹھائی ہوئی ہے۔

پاکستان کے یورپ کے ساتھ اچھے تعلقات رہے ہیں اور اب بھی ہیں مگر جب امریکا چاہے تو یورپ کا کوئی بھی ملک پاکستان کو دھوکا دے سکتا ہے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے فرانس کے ساتھ ایٹمی ری ایکٹر کا معاہدہ قانونی تقاضے پورے کرتے ہوئے IAEA کا اجازت نامہ حاصل کرنے کے بعد کیا تھا مگر امریکا کے ایما پر فرانس نے یہ معاہدہ یک طرفہ طور پر ختم کر دیا لہٰذا یورپی ممالک کے ساتھ اچھے تعلقات کوئی معنی نہیں رکھتے۔نئی ملینیئم میں دنیا میں یہ محسوس کیا جانے لگا کہ امریکا دنیا کی واحد سپر طاقت بن گیا اور دنیا کے ممالک کی شکست و ریخت پر قادر ہوگیا۔امریکی انتظامیہ میں بھی ایسی ذہنیت نے جنم لیا اور وہ دنیا کو بدلنے کے لیے مصروف عمل ہوئی مگر حقیقت اس کے برعکس ثابت ہوئی۔ سابق امریکی سیکریٹری خارجہ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب ڈپلومیسی کے باب 31 میں تحریر کیا کہ:

> ''سرد جنگ کے خاتمے کے بعد سمجھا جانے لگا کہ دنیا یونی پولر یا واحد سپر طاقت پر مبنی ہوگئی ہے جس میں امریکا دنیا کے ایجنڈے کو اپنی مرضی کے مطابق چلا کر اپنی مرضی کی دنیا تشکیل دے سکتا ہے مگر یہ تاثر غلط ہے۔ حقیقتاً امریکا کی دنیا کو بدلنے کی قوت میں اضافے کے بجائے کمی آئی ہے۔ اس وقت امریکا یک لخت دنیا کے ملکوں کو بدلنے کی صورت میں نہیں۔ یہ رفتہ رفتہ ایک ایک کر کے دنیا کے حالات کو بدلنے کی کوشش کرے گا۔''

یوں امریکا نے اول افغانستان پر حملہ کر کے قبضہ کرنے کی کوشش کی مگر دس سالہ افغان امریکی جنگ میں اپنے سارے اتحادی شامل کر کے بھی امریکا بری طرح یہ جنگ ہار چکا ہے۔عراق کو بدلنے کے لیے قبضہ کرنے کے چھ سال کے بعد امریکا اور اس کے اتحادی اخراج کرنے پر مجبور ہوئے۔عراق کو تباہ و برباد ضرور کیا مگر عراقی تہذیب و تمدن کو مغربی تہذیب کے مطابق بدلنے میں ناکام ہوئے جبکہ خطے کے دیگر ممالک یعنی پاکستان، ایران اور شام اتنے مضبوط اور مستحکم ہوئے کہ یورپ اور امریکا کی مشترکہ کاوشیں ان پر اثر انداز نہیں ہوسکتیں اب وقت کی بات ہے اور امریکا اور اس کے اتحادیوں کو خطے سے نامراد ہو کر خروج کرنا ہوگا۔

(2) دنیا کی دوسری بڑی طاقت روس ہے:

روس میں موجودہ قیادت کے تحت استحکام آرہا ہے۔ امریکا کوشش بسیار کے باوجود روس کو جارجیا پر ایکشن کر کے اپنی مرضی کے مقاصد حاصل کرنے سے باز نہ رکھ سکا۔ روس نے ایران کے ساتھ کئی ایٹمی معاہدات کی تکمیل کی ہے۔ روس ایران کو جدید اسلحہ فروخت کر رہا ہے مگر امریکا اس کو روکنے میں بے بس ہے۔ ایران کو روس کی طرف سے مکمل تائید حاصل ہے اس لیے ایران کے ایٹمی پروگرام کو ختم کرنے میں امریکا لاچار نظر آیا ہے۔ آج کل پاکستان کی روس کے ساتھ مکمل ہم آہنگی اور بہتر تعلقات ہیں۔

(3) دنیا کی تیسری بڑی طاقت چین ہے:

چین نے کمیونسٹ انقلاب کے بعد سے آج تک جنگوں سے گریز کیا۔ چین کا تائیوان پر بھی دعویٰ ہے مگر چین نے جنگ سے گریز کیا۔ یوں چین دنیا میں زبردست معاشی اور عسکری قوت بن گیا۔ چین چاہتا ہے کہ جنوبی ایشیا میں استحکام رہے۔ اس وقت جنوبی ایشیا میں استحکام یعنی طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے میں چین کا کلیدی کردار ہے۔ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب ڈپلومیسی کے باب 30 میں لکھا ہے کہ:

> ''جب روسی صدر گورباچوف نے چین کے ساتھ سرحدی تنازعات کے متعلق مذاکرات کرنا چاہے تو چین کی قیادت نے واضح کیا کہ روس افغانستان سے انخلا کرے اور کمبوڈیا سے نکل جائے اور وہاں استحکام کو یقینی بنائے اس کے بعد آپس کے سرحدی تنازعات پر مذاکرات ہوں گے۔''

یہ چین کی طرف سے دباؤ کا اثر ہے جو گورباچوف نے اچانک یک طرفہ طور پر افغانستان سے فوجیں واپس بلا لیں اور کمبوڈیا میں بھی استحکام آیا۔ چین اور روس ایشیا میں بڑی طاقتیں ہیں اور خطے کے امن کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس وقت چین اور روس متفق ہیں کہ امریکا اور اس کی اتحادی فوجیں افغانستان سے انخلا کریں، افغانستان میں ایک مستحکم حکومت قائم ہو اور افغانستان ایک آزاد مملکت کی حیثیت سے خود بھی ترقی کرے اور عالمی امن اور ترقی میں کردار ادا کرے۔

خطے میں استحکام اور امن کی خاطر اور عالمی معیشت میں خوش حالی کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان اور افغانستان موجودہ جغرافیائی حدود کے ساتھ قائم رہیں اور آزاد اور خودمختار ہوں۔ روس اور چین یہ نہیں چاہتے کہ گوادر سے قندھار اور طورخم اور کابل سے وسط ایشیائی ممالک تک اس راہ گزر کے کسی بھی حصے پر امریکا، اس کے اتحادی یا امریکا کے تابع کسی ملک کا قبضہ ہو۔ یہ روس اور چین کے قومی مفاد میں ہے کہ افغانستان اور پاکستان کی خارجہ پالیسی امریکا کے ماتحت نہ ہو بلکہ آزاد اور خودمختار خارجہ پالیسی ہو۔

چین نے شاہراہِ ریشم کی توسیع کا کام عرصۂ دراز سے شروع کیا ہوا ہے۔ چین اس راستے سے روڈ اور ریل کے ذریعے تجارتی سامان اور پائپ لائن کے ذریعے اپنا تیل گوادر بندرگاہ سے غیر ممالک میں بھیجنا چاہتا ہے۔ چین کے پاکستان کے ساتھ اپنے قومی اور معاشی مفادات وابستہ ہیں اس لیے چین کی پاکستان کی سلامتی اور آزادی میں دلچسپی ایک قدرتی امر ہے۔ اس وقت چین واحد ملک ہے جس نے پاکستان میں 25/30 ارب ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ چین ہی دنیا کا واحد ملک ہے جس نے پاکستان کے ساتھ سول نیوکلیئر معاہدے کیے ہوئے ہیں۔ چین پاکستان کی دفاعی استعداد کو وسعت دینے کے لیے جدید ٹیکنالوجی مہیا کر رہا ہے۔ مستقبل میں چین ہی پاکستان کا قابل اعتماد سٹریٹیجک پارٹنر ہوگا۔

باب چہارم

انڈیا پاکستان تعلقات اور باہمی الجھے مسائل

انڈیا اور پاکستان کی آزادی کا وقت قریب ہوتا گیا اور ہندو مسلم فسادات بھی بڑھتے گئے۔ جب پاکستان اور انڈیا آزاد ہوئے اور ریڈ کلف ایوارڈ بھی منظر عام پر آیا تو کچھ مسلم اکثریتی علاقے انڈیا کو دیئے گئے جس کی وجہ سے یک لخت پاکستان کی طرف مسلمانوں کی ہجرت شروع ہوئی۔ مہاجرین کے قافلوں کو انڈیا میں لوٹ لیا جاتا اور انسانوں کا قتل عام کیا جاتا رہا۔ شاید ہی کوئی سلامت پاکستان پہنچ سکا ہو۔

ادھر انڈیا کے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو اور دیگر انڈیا کی حکومتی قیادت نے پاکستان کے حصے میں آئی ہوئی رقم اور اثاثہ جات دینے سے انکار کیا۔ یہ ایک ایسی صورت حال تھی جو دونوں نوزائیدہ ممالک کے درمیان شدید کشیدگی کا باعث بن رہی تھی۔ انڈیا کے بابائے قوم موہن داس کرم چند گاندھی، جنہیں انڈین قیادت اور عوام عزت سے باپو کہہ کر پکارا کرتے تھے، انہوں نے طے کیا کہ اب پاکستان بن گیا لہٰذا آپس میں اچھے پڑوسی بن کر پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت دوستی اور امن و آشتی کے ساتھ ترقی کریں اور عوام کی خوشحالی کے لیے کام کریں۔ گاندھی جی نے نہرو کو سمجھایا کہ وہ پاکستان کے حصے کی رقم ادا کریں مگر نہرو نے انکار کیا۔ جب گاندھی جی بے بس ہوئے تو انہوں نے اس معاملے کو اپنا مطالبہ بنا کر مرن برت یعنی تا دم مرگ بھوک ہڑتال شروع کی۔ کئی دنوں کی بھوک ہڑتال کی وجہ سے گاندھی جی قریب المرگ ہوئے تب جا کر نہرو جی پاکستان کو اس کے حصے کی رقم دینے پر رضامند ہوئے جس کے بعد

گاندھی جی نے مرن برت ختم کر دیا۔ اب گاندھی جی نے اعلان کیا کہ صحت بحال ہو تو وہ (گاندھی جی) خود مسلمان مہاجروں کے قافلے کو ساتھ لے کر پاکستان جائیں گے اور محمد علی جناح سے ملاقات کر کے انڈیا اور پاکستان کی دوستی کی بنیاد رکھیں گے مگر RSS ہندو تنظیم کے دہشت گردوں نے گاندھی جی کو قتل کر دیا اور انڈیا اور پاکستان کے آپس میں اچھے تعلقات کے معاملے کو سبوتاژ کیا۔

ہندوستان کو آزادی دینے کے لیے برطانیہ کی پارلیمان نے 18 جولائی 1947ء کو Indian Independence Act 1947 پاس کیا جس کے مطابق مسلم اکثریتی صوبہ جات سندھ، مغربی پنجاب، بلوچستان، خیبر پختون خوا (صوبہ سرحد) اور مشرقی بنگال پاکستان میں شامل ہوئے اور دیگر ہندو اکثریتی صوبہ جات انڈیا میں شامل ہو کر ہندوستان دو ملکوں کی صورت میں آزاد ہوا۔ Indian Independence Act 1947 کے مطابق کسی تیسرے ملک کے بننے کی گنجائش یا قانون نہیں ہے۔

Sub-section (4) of section 2 of Indian Independence Act of

- July 1947 کے مطابق ہندوستان کی آزاد ریاستوں (Princely States) کے لیے صرف دو ہی راستے ہیں انڈیا میں یا پاکستان میں شامل ہوں۔ ان کے علاوہ کوئی Third Option نہیں۔ پاکستان کی جغرافیائی حدود کے قریب اور اندر موجود آزاد ریاستوں (Princely States) بہاولپور، امب، چترال، دیر، سوات، قلات، خاران، لسبیلہ، مکران اور خیر پور (میرس) کے والی Instrument of Accession پر دستخط کر کے پاکستان میں شامل ہوئے۔ اسی طرح خیبر پختون خوا (صوبہ سرحد) کے قبائلی علاقہ جات اپنے محل وقوع کی بنا پر Indian Independence Act of 1947 کے مطابق پاکستان میں شامل ہیں۔

- جموں و کشمیر مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل ریاست ہے۔ جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر پاکستان کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ اس لیے جموں و کشمیر کا پاکستان میں شامل ہونا آزادی کے قانون کے مطابق لازمی ہے اور اس طرح یہ علاقہ پاکستان کا حصہ بنتا ہے مگر سابق برطانوی وائسرائے ہند اور بعد میں آزاد انڈیا کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن

نے انڈیا کے وزیراعظم کے ساتھ ایک سازش کے تحت جموں و کشمیر کو فوج کشی کر کے انڈیا میں شامل کرنے کے لیے قبضہ کیا۔ 1947ء میں ہی کشمیر کی آزادی کے جنگ جو مجاہدین نے اپنی مسلح جدوجہد جاری رکھی جس کے نتیجے میں ریاست جموں و کشمیر کا کچھ حصہ آزاد ہو کر پاکستان کے ساتھ رہا۔ کشمیری مجاہدین کی مدد کرتے ہوئے پاکستانی عوام اور بعد ازاں پاک فوج بھی انڈیا کے ساتھ جنگ میں الجھ گئی۔ 1948ء میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ خطرناک صورت حال اختیار کر گئی اور انڈیا کو یقین ہوا کہ اب کشمیر ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے تو بے بس ہو کر عالمی قوتوں کی منتیں کرنے لگا۔ انڈیا کے وزیراعظم پنڈت جواہر لعل نہرو نے دنیا کی قوموں سے وعدہ کیا کہ جنگ کے بعد وہ اپنی فوجیں کشمیر سے نکال کر وہاں کے عوام کے لیے حق رائے دہی (Plebsciete) کو یقینی بنائے گا۔ اس بنا پر اقوام متحدہ میں قرار دادیں پاس ہوئیں اور جنگ بندی ہوئی۔ جموں و کشمیر میں Plebsciete کے لیے اقوام متحدہ کے پانچ ارکان کا کمیشن بھی نام زد ہوا مگر انڈیا اپنے وعدے سے منکر ہوا۔

1951ء میں وزیراعظم پاکستان جناب لیاقت علی خان نے امریکا پر زور دیا کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی اکتوبر 1951ء کی میٹنگ میں کشمیر میں Plebsciete کرانے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے جائیں بصورت دیگر انڈیا پاکستان کے درمیان جنگ ناگزیر ہوگی۔ 16 اکتوبر 1951ء کو وزیراعظم لیاقت علی خان راول پنڈی میں (لیاقت باغ) میں تقریر کے لیے آئے۔ ابھی انہوں نے ایک لفظ بھی نہ بولا تھا کہ انہیں گولی مار کر شہید کر دیا گیا۔ مغرب کو خطرہ تھا کہ وزیراعظم لیاقت علی خان عوامی جلسے میں کہیں کشمیر پر جنگ کا اعلان نہ کر دیں۔ اس لیے ان کو شہید کروایا گیا۔ پاکستان کے وزیراعظم لیاقت علی خان کی شہادت کے بعد مغرب اور امریکا نے محسوس کیا کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان دریائے سندھ اور اس میں شامل ہونے والے پانچ دریاؤں کے پانیوں کے متعلق معاملہ حل کیا جائے تو دونوں ممالک کے درمیان تپش اور تناؤ کم ہوگا۔ وقت گزرنے کے ساتھ کشمیر کا معاملہ خود بخود ختم ہو جائے گا مگر یہ ان کی خام خیالی تھی۔ اصل معاملہ تو جموں و کشمیر کی مسلمان آبادی کو انڈیا کے ظلم، جبر اور بربریت سے نجات دلانے کا تھا۔

دریاؤں کا پانی تو بین الاقوامی قوانین کے مطابق پاکستان کا حق ہے۔ دریاؤں کو کوئی بھی روک نہیں سکتا۔ دنیا جغرافیائی حدود میں بٹ کر مختلف ممالک میں بٹی ہوئی ہے اور ہر ملک سرحدی پابندیوں میں قید ہے مگر دریا آزاد ہیں۔ دریائے امیزان جنوبی امریکا میں کئی ملکوں میں سے بلاروک ٹوک صدیوں سے رواں دواں ہے۔ دریائے نیل افریقہ میں سوڈان اور مصر کے علاوہ دیگر ممالک میں سے بغیر بٹوارے اور رکاوٹ کے بہہ رہا ہے۔ دریاؤں کے بہاؤ کو موڑنا یا روکنا بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی ہے۔ کشمیر انڈیا کے قبضے میں ہو یا پاکستان میں شامل ہو دریاؤں کے پانیوں کے اوپر Down Stream آباد قوم کی حیثیت سے پاکستان کا پورا حق ہے اور یہ حق بین الاقوامی قوانین میں تسلیم شدہ ہے۔ 1950ء کی دہائی میں جو صورت حال تھی اس میں انڈیا کسی بھی صورت میں دریائے راوی، بیاس اور ستلج پر ڈیم بنا کر ان کا رخ اپنے ملک کی طرف نہیں موڑ سکتا تھا۔

انڈیا کو فائدہ پہنچانے کی خاطر امریکی انتظامیہ نے اپنے ایک عہدیدار Mr. David Lilenthal کو اس کام پر مامور کیا کہ وہ کشمیر میں سے بہنے والے دریاؤں کے پانیوں کے حصے بخرے کر کے کچھ دریا کلی طور پر انڈیا کو دلوا دے۔ Mr. David Lilenthal نے بذات خود کوشش کر کے عالمی بنک کے صدر Mr. Eugene R. Black کو ڈیموں کی تعمیر کے لیے فنڈ دینے پر راضی کیا۔ اس طرح عالمی بینک سے قرضہ دلا کر پاکستان کو راضی کیا کہ وہ اس رقم کو استعمال کر کے ڈیم تعمیر کرے اور لنک کینال کے ذریعے اپنے نہری نظام کو فعال رکھ سکے۔ 1951ء سے لے کر 1958ء تک ڈیوڈ لی لینتھل کی کاوشوں سے معاہدے کا مسودہ تیار ہوا تو انڈیا کے مفاد میں ہونے کے سبب پاکستان کی قیادت کو قابل قبول نہ تھا۔ پاکستان کی سیاسی قیادت اور سول حکومت کو ایسا کوئی معاہدہ منظور نہ تھا جس میں دریائے راوی، بیاس، ستلج، جہلم، چناب اور دریائے سندھ کے پانیوں کا سودا ہوتا ہو۔

پاکستان کی اس وقت کی سول حکومت نے ہمیشہ ملکی مفاد کو اولیت دی اور ڈیوڈ لی لینتھل کے ہر اس مسودہ و معاہدہ کو رد کیا جو پاکستان کے مفاد میں نہیں تھا۔ اب امریکا

پاکستان کی سول حکومت سے مایوس ہو چکا تھا اور چاہتا تھا کہ جلد از جلد انڈیا کے حق میں پانیوں کا معاہدہ طے ہو جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے پاکستان میں اکتوبر 1958ء میں مارشل لاء نافذ ہوا۔ 1960ء جب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی ڈکٹیٹر شپ مستحکم ہوئی تو ڈیوڈ لی لینتھل کو بھی اطمینان ہوا اور اس نے Indus Water Treaty تیار کیا جس پر 19 ستمبر 1960ء کو انڈیا کے وزیراعظم جواہر لعل نہرو اور پاکستان کے فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے دستخط کیے سندھ طاس معاہدہ 1960ء، (Indus Waters Treaty 1960ء) کے مطابق دریائے راوی، بیاس اور ستلج انڈیا کے حصے میں دیئے گئے جبکہ دریائے جہلم، چناب اور سندھ اور ان دریاؤں میں شامل ہونے والے ندی نالے اور درمیان میں ہونے والی جھیل وغیرہ (Tributories & Lakes) پاکستان کے حصے میں دیئے گئے۔ انڈیا کے حصے میں دیئے گئے دریاؤں کے متعلق انڈیا کو پابند کیا گیا کہ دریائے راوی، بیاس اور ستلج پر واقع پاکستان کے علاقے میں آبادی اور تہذیبوں کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری مقدار میں پانی کا بہاؤ یقینی بنایا جائے گا۔ انڈیا نے دریائے راوی، بیاس اور ستلج پر ڈیم تعمیر کر کے ان کا رخ اپنے علاقے کی طرف موڑ دیا۔ آج کل دریائے راوی، بیاس اور ستلج میں انڈیا کی طرف سے ایک قطرہ پانی بھی نہیں چھوڑا جا رہا۔ یہ سندھ طاس معاہدہ 1960ء کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

مغرب کی کاوشوں کے نتیجے میں انڈیا کی پانیوں کی ضروریات پوری کرنے کے بعد جموں و کشمیر کے متعلق اقوام متحدہ کی قرار دادوں پر عمل کر کے کشمیری عوام کو حق خود اختیاری دلانا بڑی طاقتوں کی قانونی اور اخلاقی ذمہ داری ہے مگر انہوں نے یہ ذمہ داری نہیں نبھائی۔ جموں و کشمیر کے عوام کو انڈیا کے تسلط سے آزادی دلوانا ہر دور میں پاکستان کی ذمہ داری رہی ہے۔ 63-1962ء میں انڈیا اور چین کے درمیان سرحدی کشیدگی جنگ تک پہنچ گئی تو پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو نے صدر محمد ایوب خان کو مشورہ دیا کہ انڈیا کی گردن چین کے ساتھ جنگ میں پھنسی ہوئی ہے، یہ سنہری موقع ہے کہ کشمیر پر جنگ کر کے انڈیا کے چنگل سے آزاد کرایا جائے۔ امریکا کو بھی خطرہ تھا کہ پاکستان اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کشمیر پر جنگ کرے گا اس لیے صدر محمد ایوب خان کو امریکا سے

ہدایات ملیں کہ اس موقع پر انڈیا کے ساتھ کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ کی کوشش سے باز رہے۔ صدر محمد ایوب خان تو امریکا کے کاسہ لیس تھے اس لیے انہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کی صلاح کو ٹال دیا۔ چین کی فوجوں نے نیفا میں انڈین آرمی پر چند گولیاں فائر کیں تو انڈین آرمی کے کمانڈر میجر جنرل کاؤل اپنی فوجوں سمیت بھاگ کھڑے ہوئے اس طرح انڈیا اور چین کے درمیان 1963ء میں جنگ بند ہوئی۔

چین سے عاجز ہو کر انڈیا کے وزیراعظم نے اپنی Forward Policy یعنی بڑھتے جاؤ اور پڑوسی ملک کے علاقہ پر قبضہ کیے جاؤ کی حکمت عملی کو پاکستان پر لاگو کرتے ہوئے مارچ 1965ء میں رن آف کچھ پر حملہ کر کے چھاڑ بیٹ، بیار بیٹ اور سمندری سرحدوں پر سرکریک کے پاکستانی علاقہ پر قبضہ کیا۔ صدر محمد ایوب کے امریکی کاسہ لیس ہونے کی وجہ سے انڈیا کو اتنی جرأت ہوئی جو بلااشتعال پاکستان پر حملہ کر کے رن کچھ کے وسیع علاقے پر قبضہ کر لیا۔ جوابی کارروائی میں پاکستان کی فوج نے چھاڑ بیٹ، بیار بیٹ اور دیگر پاکستانی علاقے سے انڈیا کو مار بھگایا۔ سرکریک پر شدید جنگ جاری تھی کہ اقوام متحدہ کے بیچ بچاؤ کی وجہ سے جنگ بند ہوئی۔ معاملہ بین الاقوامی عدالت انصاف میں گیا تو International Court of Justice کے فیصلے کے مطابق یہ علاقہ پاکستان کی سرزمین ثابت ہوا، مگر سرکریک کا علاقہ، جو جنگ بندی کی وجہ سے انڈیا کے پاس رہ گیا، آج تک پاکستان کو نہیں ملا۔

مارچ، اپریل 1965ء میں انڈیا نے رن کچھ کے علاقے میں پاکستان پر حملہ تو کیا مگر اسے ذلت آمیز شکست ہوئی۔ اس کے بعد اس نے اپنی عسکری قوت بڑھانے کے لیے افرادی قوت بھرتی کی اور امریکا اور مغرب سے اسلحہ کے انبار خریدنے میں مصروف رہا۔ ظاہری طور پر انڈیا یہ اسلحہ کی خریداری اور تیاری چین کے ساتھ جنگ کے لیے کر رہا تھا مگر حقیقت میں انڈیا یہ ساری تیاری اور قوت میں اضافہ پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کر رہا تھا تاکہ پاکستان خوف زدہ ہو کر کشمیر سے دست بردار ہو جائے۔ انڈیا کے مکروہ عزائم دیکھ کر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے مورخہ 12 مئی 1965ء کو صدر محمد ایوب خان کو لکھا کہ اس وقت انڈیا ایسی حالت میں نہیں ہے کہ پاکستان کا مقابلہ

کر سکے اس لیے اب بھی موقع ہے کہ کشمیر کو آزاد کرانے کے لیے تدابیر کی جائیں۔ آخر کار صلاح مشورے کے بعد Kashmir Cell کے انچارج خارجہ سیکریٹری عزیز احمد کو کشمیر میں گوریلا جنگ تیز کرنے کے لیے حکمت عملی تیار کرنے کا حکم دیا گیا۔ عزیز احمد نے پلان تیار کرنے میں سستی کی تو ایوب خان نے آزاد کشمیر کی سیز فائر لائن پر متعین فوجوں کے کمانڈر GOC 12 Division میجر جنرل اختر حسین ملک کو پلان تیار کرنے کا حکم صادر فرمایا، جنہوں نے وقت ضائع کیے بغیر کشمیر میں گوریلا جنگ تیز کرنے کے لیے پلان Operation Gibralter اور کشمیر کو آزاد کرنے کے لیے جنگی پلان Operation Grand Slam تیار کر کے صدر محمد ایوب خان کے حضور پیش کیے۔ ان دونوں منصوبوں کو منظوری ملنے کے بعد Operation Gibralter کو اگست کے پہلے ہفتے میں شروع کیا گیا۔ C-in-C پاکستان آرمی جنرل محمد موسیٰ کے مطابق 7 اگست 1965ء کو آزاد کشمیر کے شہری اپنے مقبوضہ کشمیر کے بھائیوں کی مدد کی خاطر ہزاروں کی تعداد میں مسلح ہو کر سیز فائر لائن پار داخل ہوئے۔ اس کے بعد بھی جوق در جوق کشمیری مجاہدین مقبوضہ کشمیر جاتے رہے۔

مقبوضہ کشمیر میں گوریلا جنگ تیز ہوگئی تو ریاستی حکومت نے انڈیا کی مرکزی حکومت کو جموں و کشمیر میں مارشل لاء نافذ کرنے کی درخواست کی۔ 24 اگست 1965ء کو مظفر آباد کے قریب درہ حاجی پیر پر انڈین آرمی نے حملہ کر دیا۔ اب منصوبے کے مطابق Operation Grand Slam پر فوراً عمل درآمد کرنا تھا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے جنرل محمد موسیٰ C-in-C کو کہا کہ اب Operation Grand Slam پر عمل درآمد کریں مگر جنرل موسیٰ نے ٹال مٹول شروع کی اور کہا کہ صدر کے حکم کے بغیر آپریشن شروع نہیں ہوگا۔ بھٹو صاحب بذات خود سوات میں جنرل محمد ایوب خان کے پاس گئے تاکہ صدارتی حکم نامہ جاری کیا جا سکے۔ 29 اگست 1965ء کو آپریشن شروع کرنے کا حکم جاری ہوا اور C-in-C جنرل موسیٰ خان کو موصول ہوا مگر اب بھی جنرل موسیٰ خان ڈھیلا پڑ گیا۔ آخر کار یکم ستمبر 1965ء کو صبح صادق کے وقت جنرل اختر حسین ملک نے چھمب پر حملہ کر دیا تاکہ انڈیا کی طرف سے درہ حاجی پیر پر حملے کا جواب دیا جا سکے۔ چھمب پر قبضہ کر کے جوڑیاں پر بھی قبضہ کر لیا اور 2 ستمبر 1965ء کو اکھنور کی طرف پیش قدمی جاری رکھی۔ تب جنرل محمد موسیٰ

خان ہیلی کاپٹر پر میجر جنرل محمد یحییٰ خان کو ساتھ لائے اور میجر جنرل اختر حسین ملک کو کمانڈ سے ہٹا کر جنرل یحییٰ خان کو آپریشن کا کمانڈر مقرر کیا۔ جنرل یحییٰ خان نے فوراً اکھنور پر حملے کو روک دیا۔ ایسے کیوں ہوا؟ یہ ایک راز ہے جس پر آج تک پردہ پڑا ہوا ہے۔ 1965ء کی جنگ کے بعد میجر جنرل اختر حسین ملک کو ترکی میں پاکستانی سفارت خانے میں ڈپٹی ملٹری سفیر مقرر کیا گیا جبکہ جنرل موسیٰ خان کی ریٹائرمنٹ کے بعد جنرل آغا محمد یحییٰ خان کو ترقی دے کر پاکستان کا کمانڈر انچیف مقرر کیا گیا۔ جنرل اختر حسین ملک نے ترکی سے اپنے بھائی جنرل عبدالعلی ملک کو اپنے خط مؤرخہ 23-11-1967 میں Operation Grand Slam کے متعلق کچھ حقائق لکھے جس کے اقتباسات پیش ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے:

> "حقیقی کمانڈ آپریشن کے پہلے دن ہی تبدیل ہو چکی تھی جب عظمت حیات نے میرے ساتھ وائرلیس رابطہ منقطع کیا۔ میں نے ہیلی کاپٹر پر اس کے ہیڈکوارٹر کو تلاش کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ شام کو میں نے اپنے MP آفیسرز گلزار اور واحد کو اسے تلاش کرنے کے لیے بھیجا مگر وہ بھی ناکام رہے۔ دوسرے دن میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے شرمسار ہو کر کہا کہ وہ جنرل یحییٰ کا بریگیڈیئر ہے۔ اب مجھے کوئی شک نہیں رہا کہ جنرل یحییٰ کل ہی اس کے پاس پہنچ چکا تھا اور اس کو کہا تھا کہ میرے کسی بھی حکم پر عمل نہ کرے حالانکہ ابھی تک آپریشن کی کمانڈ میرے پاس ہی تھی۔ یہ عظیم غداری ہے۔ میں نے یحییٰ کو قائل کرنے کی کوشش کی اور درخواست کی اگر تم جنگ میں کامیابی کا کریڈٹ لینا چاہتے ہو تو تم آپریشن کا سربراہ کمانڈر بنے رہو اور میں تیرا ماتحت رہوں گا مگر مجھے اکھنور پر قبضہ کرنے دو مگر اس نے بالکل انکار کر دیا۔ اس نے تو پلان ہی تبدیل کر دیا۔ اکھنور کی بجائے تروٹی کی طرف پیش قدمی کا پلان بنایا تاکہ انڈیا آسانی سے اکھنور پر قبضہ برقرار رکھ سکے۔ آج تک ایوب، موسیٰ اور یحییٰ نے مجھے کمانڈ سے ہٹانے کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ میرے استفسار پر شرمندہ

ہوتے رہے۔ شاید وجوہات تب بتائی جائیں جب میں دنیا میں نہیں رہوں گا۔ درحقیقت اکھنور پر قبضہ کرنے کے بعد ہی آپریشن جبرالٹر کوکیش کیا جا سکتا تھا مگر ایسا نہ ہوا۔

آپریشن گرینڈ سلیم کا جنگی مقصد جموں پر قبضہ کرنا تھا جہاں سے حالات کے مطابق سمبہ پر یا پھر اصل کشمیر پر قبضہ کرنا تھا۔ بہرحال قبضہ جموں پر ہو یا اکھنور پر اگر ہم اپنا مقصد حاصل کر لیتے تو پھر میں دیکھتا کہ کس طرح انڈین (اپنی پشت پر موجود) اکھنور یا جموں سے پاک فوج کو نکالے بغیر سیالکوٹ پر حملہ کرتے ہیں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ انڈیا 1965ء کے زخم کو کبھی نہیں بھولے گا اور موقع ملتے ہی بدلہ ضرور لے گا۔ مجھے یقین ہے کہ وہ مشرقی پاکستان پر حملہ کرے گا۔ اگر Operation Grand Slam کے مطابق Objective حاصل کیا جاتا تو انڈیا کا کشمیر میں واحد زمینی راستہ پٹھانکوٹ، جموں اور اکھنور سے ہو کر کشمیر کو جاتا ہے، وہ انڈیا کے ہاتھ سے نکل جاتا اور انڈیا کا کشمیر پر قبضہ قائم نہ رہ سکتا۔

6 ستمبر 1965ء کو انڈیا اور پاکستان کے درمیان شدید جنگ شروع ہوگئی۔ 19 ستمبر 1965ء کو صدر محمد ایوب خان اور وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو خفیہ طریقے سے چین میں جناب ماؤزے تنگ سے ملے جنہوں نے صلاح دی کہ موجودہ حالات میں پاکستان کو جنگ بندی قبول کرنی چاہیے۔ اس کے بعد طویل عرصے تک کشمیر میں گوریلا جنگ کو جاری رکھنا چاہیے تب ہی کشمیر آزاد ہو سکے گا۔ 23 ستمبر 1965ء کو اقوام متحدہ کی طرف سے سیز فائر (جنگ بندی) کو قبول کرتے ہوئے جنگ بندی ہوگئی۔ 1969ء میں ترکی میں ایک پراسرار کار حادثہ میں جنرل اختر حسین ملک وفات پا گئے۔

1965ء کی جنگ کے بعد پاکستان پر امریکا کی طرف سے ہتھیاروں پر پابندی نافذ العمل رہی جس کی وجہ سے انڈیا اور پاکستان کے درمیان طاقت کا توازن برقرار نہ رہ سکا۔ 1965ء سے لے کر 1971ء تک امریکا نے انڈیا کو 4.2 ارب ڈالر امداد سے نوازا۔ انڈیا اوسطاً سالانہ 350 ملین ڈالر کے اسلحہ کی خریداری کرتا رہا۔ اپریل 1970ء میں امریکا

نے پاکستان کو چالیس یا پچاس ملین ڈالر کا اسلحہ فروخت کرنے کا معاہدہ کیا جس کی رو سے پاکستان 20 عدد جنگی ہوائی جہاز اور 300 عدد بکتر بند گاڑیاں لے سکتا تھا۔ توپوں اور ٹینکوں کی خریداری پر بدستور پابندی عائد رہی۔ پاکستان پر جب انڈیا کا حملہ یقینی ہوا تو مئی 1971ء میں اس 50/40 ملین ڈالر کے اسلحے پر بھی پابندی لگ گئی۔ یہ 50/40 ملین ڈالر کا اسلحہ 84-1983ء میں جنرل ضیاالحق کے دور میں موصول ہوا جب پاکستان افغانستان میں روس کے خلاف امریکی مفاد کی جنگ میں مصروف تھا۔ سابق امریکی سیکریٹری خارجہ ہنری کسنجر نے اپنی کتاب "White House Years" کے باب 21 میں تحریر کیا کہ:

> ''پاکستان کو ہر قسم کے امریکی اسلحے سے محروم کرنے کے ساتھ امریکی انتظامیہ کو فکر لاحق ہوئی کہ ممکن ہے کہ اسلامی ممالک خاص طور پر ایران، پاکستان کی مدد کرنے کے لیے اپنا اسلحہ دے دیں گے۔''

1970ء تک انڈیا نے اپنی عسکری قوت میں بھرپور اضافہ کیا۔ وہ روس اور مغربی ممالک سے جدید توپیں، ٹینک اور مگ 21 لڑاکا طیارے حاصل کر چکا تھا اور بدمست ہو کر پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے بے تاب تھا۔

1965ء کے بعد پاکستان کے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور جناب ذوالفقار علی بھٹو نے روس کے ساتھ اچھے تعلقات بنائے۔ پشاور کے پاس بڈابیر میں امریکی ہوائی اڈہ، جہاں سے روس کے خلاف جاسوسی کی جاتی رہی، اس کو بند کیا۔ یہ دوستی صدر آغا محمد یحییٰ خان اور ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت تک جاری رہی جس کی بدولت روس نے بھی دوستی کا ہاتھ آگے بڑھایا۔ پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے روس نے سٹیل مل دینے کا معاہدہ کیا۔ روس کی طرف سے دی گئی پاکستان سٹیل مل ملک کی صنعتی ترقی میں سنگ میل ثابت ہوئی۔ امریکا کی طرف سے ہتھیاروں پر پابندی کو بھی روس نے کافی حد تک بے اثر کیا۔ ایک دوستانہ معاہدے کے تحت روس نے پاکستان کو مطلوبہ تعداد میں جدید دور مار توپیں، جدید ٹینک، بھاری طیارہ شکن توپیں، متفرق ہتھیار، گولا بارود اور فوجی گاڑیاں دیں۔ پاکستان نے چین سے بھی توپیں، ٹینک، گولا بارود اور فوجی گاڑیوں کے ساتھ MIG 19 لڑاکا طیارے بھی حاصل کیے۔ پہلے سے موجود F-86 اور F-104 سٹار

فائٹر لڑاکا طیاروں کو بھی تیار رکھا۔ ایران کے بادشاہ محمد رضا شاہ پہلوی کی وساطت سے مزید F-86 لڑاکا طیارے حاصل کیے۔ فرانس سے میراج لڑاکا طیارے بھی حاصل کیے۔ یوں امریکا کی طرف سے لگائی گئی ہتھیاروں پر پابندی کو کافی حد تک بے اثر کر دیا۔ جون 1971ء میں روس اور انڈیا کے درمیان ''معاہدۂ دوستی'' ہونے کی وجہ سے، انڈیا پاکستان کے درمیان جنگ کی صورت میں کسی تیسرے فریق کو مداخلت کرنے سے احتراز کرنا پڑا تاکہ عالمی جنگ چھڑ جانے کا امکان ختم ہو جائے۔ جولائی 1971ء میں انڈیا کی وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے عالمی طاقتوں کو باور کرایا کہ وہ پاکستان پر Lightening Attak یعنی برق رفتار حملہ کر کے مشرقی اور مغربی پاکستان پر قبضہ کر لے گی۔ دنیا خاموش تماشائی بن کر اس جنگ کے منظر کو دیکھنے کا انتظار کرتی رہی۔ 22 نومبر 1971ء کو انڈیا نے مشرقی پاکستان پر حملہ کیا اور پھر یکم دسمبر 1971ء کو مغربی پاکستان اور آزاد کشمیر پر حملہ کر دیا۔ انڈیا نے سوچا کہ امریکی اسلحے کی پابندی کی بدولت افواج پاکستان Rag Tag Army بن چکی ہو گی مگر یہ ان کی بھول تھی۔ جنگ کے دوران برادر اسلامی ممالک جن میں شام، اردن، ترکی، ایران اور سعودی عرب سرفہرست ہیں، ان کی طرف سے ہوائی جہازوں کے ذریعے اور ایران سے زمینی راستے سے جنگی سازوسامان اور گولا بارود کی ترسیل جاری رہی۔ 16 دسمبر 1971ء کو جنگ بندی ہوئی۔ مشرقی پاکستان علیحدہ ہو کر بنگلہ دیش بن گیا مگر مغربی پاکستان اور آزاد کشمیر پر انڈیا قبضہ نہ کر سکا۔

18 مئی 1974ء کو انڈیا نے پوکھران کی ٹیسٹ سائیٹ پر ایٹمی ٹیسٹ کیا تو پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ ''گھاس کھائیں گے مگر ایٹم بم ضرور بنائیں گے'' تاکہ انڈیا کی جارحیت سے پاکستان محفوظ رہے۔ پاکستان میں ایسے تمام ادارے بنائے گئے جو ایٹم بم بنانے کے لیے درکار تھے اور ان اداروں کو ملک کے مایۂ ناز سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی قیادت میں دیا گیا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے نامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے قلیل عرصے میں ایٹم بم تیار کیا۔ دسمبر 1984ء میں صدر ضیاالحق کو رپورٹ دی کہ ایٹم بم تیار ہے، کب اس کو ٹیسٹ کرنا ہے؟ 1986ء میں انڈیا کے وزیراعظم راجیو گاندھی نے Brasstac کے بہانے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحد

پر جمع کیں اور حملہ کرنے کا ارادہ کیا مگر انہیں بروقت اطلاع ملی کہ پاکستان کے پاس ایٹم بم موجود ہے، اس لیے انہوں نے پاکستان پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کیا۔

11 اور 13 مئی 1998ء کو انڈیا نے پوکھران میں پانچ ایٹمی ٹیسٹ کے دھماکے کیے اور پاکستان کو دھمکیاں دینا شروع کیں۔ پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف نے مغربی ممالک کی طرف سے شدید دباؤ کو رد کرتے ہوئے 28 اور 30 مئی 1998ء کو چاغی کے پہاڑوں میں بنی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ میں چھ عدد ایٹمی ٹیسٹ دھماکے کر کے دنیا پر اپنی ایٹمی قوت ظاہر کر کے پاکستان کو ایٹمی کلب کے ساتویں رکن ملک کی حیثیت سے متعارف کرایا۔

مئی 1999ء میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان کارگل کے محاذ پر جنگ چھڑ گئی۔ پاک فوج نے انڈیا کی گردن پر لات رکھ دی اور انڈیا کی سیاچین میں متعین کثیر تعداد میں فوج گھیرے میں آ گئی۔ دو ایٹمی ممالک کے درمیان کارگل کی جنگ نے خطرناک صورت حال پیدا کی۔ دنیا کی بڑی طاقتوں کو اس وقت ہی جاگنا چاہیے تھا کہ کشمیر اور وہاں سے پاکستان میں آنے والے پانیوں پر جنگ کس قدر خطرناک ہو سکتی ہے۔ 26 جولائی 1999ء کو یہ جنگ بند ہوئی اور ایٹمی جنگ کا خطرہ ٹل گیا۔ امریکی شہر نیویارک میں 9/11 کے واقعے کے بعد امریکا نے دسمبر 2001ء میں افغانستان پر حملہ کیا تو انڈیا نے بھی اپنی پارلیمان پر حملے کا ڈراما رچا کر دسمبر 2001ء میں ہی پاکستان کی سرحدوں پر صف بندی کی اور جنگ کرنے کی دھمکیاں دیتا رہا۔ پاکستان کی طرف سے Preemptive Nuclear Attack کے انتباہ پر انڈیا نے نومبر 2002ء میں پاکستان کی سرحدوں سے اپنی فوجیں ہٹا لیں۔ اسی طرح نومبر 2008ء میں ممبئی حملوں کا ڈراما رچا کر دوبارہ اپنی فوجیں پاکستان کی سرحدوں پر جمع کر رکھی ہیں جو تا حال موجود ہیں۔ انڈیا کے کسی بھی Misadventure کی صورت میں کوئی بڑا حادثہ ہو سکتا ہے اور اس خطے کو ایٹمی جنگ کی تباہی کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ موجودہ صورت حال میں امریکا اور مغربی ممالک کو جنوبی ایشیا میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشیدگی بڑھانے کی اپنی حکمت عملی کو ترک کر دینا چاہیے۔ مغربی ممالک اور امریکا کو اب دیانت داری سے انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشمیر، پانیوں کے مسئلہ، سر

کریک اور دیگر مسائل کے حل کے لیے انڈین قیادت پر اپنا اثر ورسوخ استعمال کرنا چاہیے تاکہ مذاکرات کے ذریعے یہ مسائل حل ہو جائیں۔ اقوام عالم کو بھی چاہیے کہ اقوام متحدہ کی کشمیر کے متعلق قراردادوں پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں اور کشمیری عوام کو حق خود ارادیت دلوائیں۔ انڈیا اور پاکستان کے درمیان مسائل حل ہونے کے بعد ہی جنوبی ایشیا پر منڈلاتے ہوئے ایمی جنگ کے بادل چھٹ جائیں گے۔ دونوں پڑوسی ممالک جنگ کی تیاریوں پر خرچ ہونے والی رقم اپنے عوام کی فلاح اور بہبود پر استعمال کرسکیں گے۔ اس طرح یقینی طور پر عوام کو روزگار ملے گا اور خطے میں خوش حالی آئے گی۔ یوں بے روزگار افراد دہشت گردوں کے فریب میں آنے سے بچ جائیں گے اور خطے کے امن میں اضافہ ہوگا۔

دریاؤں کے معاملے میں انڈیا نے جارحانہ انداز اپنایا ہوا ہے اور بین الاقوامی قوانین سے بے پروا ہوکر پاکستان کے حصے کے دریاؤں پر بڑے بڑے ڈیم بنانے شروع کرچکا ہے۔ مقبوضہ کشمیر میں ضلع ڈوڈہ میں ساولکوٹ کے مقام پر دریائے چناب پر 646 فٹ بلند ڈیم تعمیر کر رہا ہے۔ انڈیا یہ ڈیم 2014ء تک مکمل کر لے گا۔ بگلیہار ڈیم 2002ء میں تعمیر ہونا شروع ہوا اور 2009ء میں مکمل ہو چکا ہے۔ ساولکوٹ ڈیم میں بگلیہار ڈیم سے تیرہ گنا زیادہ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہے۔ اس کے علاوہ دریائے جہلم، چناب اور سندھ پر سینکڑوں چھوٹے بڑے ڈیم اور واٹر ورکس تکمیل کے مراحل میں ہیں۔ دریائے سندھ کا رخ موڑنے کے لیے انڈیا نے ایک سرنگ بھی بنانا شروع کی ہے جو کہ تکمیل کے آخری مراحل میں ہے۔ انڈیا کی طرف سے پاکستان کے پانیوں کو چوری کرنے میں اس کو مغرب اور امریکا کی حمایت حاصل ہے۔ ثالثی کی صورت میں عالمی بینک بھی انڈیا کو فائدہ دیتا ہے۔ اس ساری صورت حال کی وجہ سے جنوبی ایشیا میں ایمی جنگ ناگزیر ہوتی ہوئی نظر آتی ہے۔ 1948ء سے آج تک انڈیا اور پاکستان کے درمیان جو بھی کشیدگی اور جنگیں ہوئی ہیں ان سب کی وجہ کشمیر کے مسلمانوں کو انڈیا کے جبر سے آزاد کرانا اور ان کو حق خود اختیاری دلانا ہے جو تسلیم شدہ ہے اور پاکستان کے حق کے پانیوں کو پاکستان کے لیے محفوظ کرنا ہے۔ امریکا اور مغرب کو نیند سے بیدار ہونا چاہیے۔

یک طرفہ انڈیا کی تائید کرنے کے بجائے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ اس خطرناک مسئلے کو گفت وشنید اور مذاکرات کے ذریعے حل کروانا چاہیے اور انڈیا کو مجبور کرنا چاہیے کہ وہ مذاکرات صرف نشستند، گفتند، شنیدن اور برخاستند کی خاطر نہ کرے بلکہ ٹھوس پیش رفت کر کے ایک روڈ میپ تیار کرے اور اس پر نیک نیتی سے عمل درآمد کو یقینی بنائے، بصورت دیگر کشمیر میں گوریلا جنگ خطرناک صورت حال اختیار کر سکتی ہے اور مستقبل میں انڈیا اپنی بے بسی سے بچنے کے لیے پاکستان پر حملہ کر کے کشمیر کو کبھی بھی نگل نہیں سکتا۔ انڈیا کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ اور اب تک انڈیا پر واضح ہو جانا چاہیے کہ پاکستان کی عسکری قوت 1965ء، 1971ء اور 1980ء کی دہائی کے مقابلے میں آج بہت جدید اور طاقتور ہے، اس کو للکارنا بھارت کی اپنی تباہی کا باعث بنے گا۔ بہتر ہے کہ اپنے سارے معاملات مذاکرات کے ذریعے حل کر کے اچھے پڑوسیوں کی طرح رہیں اور اپنے اپنے عوام کو ریلیف دیں اور ملک کو ترقی دیں۔ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں۔

باب پنجم

پاکستان میں جمہوریت اور مارشل لاء

7 اکتوبر 1958ء کو ریڈیو پر اعلان ہوا ''میرے عزیز ہم وطنو'' یہ صدر اسکندر مرزا کی تقریر کے پہلے چند الفاظ تھے جس سے پاکستان میں بحرانوں کا آغاز ہوا۔ اس وقت میں ساتویں کلاس کا طالب علم تھا۔ اگلے روز سکول گئے اور استاد سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ استاد فرمانے لگے ''صدر نے اپنا ویٹو پاور استعمال کر کے آئین ختم کیا اور ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔'' ذہن میں کئی سوال ابھرے۔ آئین کیا ہے؟ ویٹو پاور کیا ہے؟ مارشل لاء کیا ہے؟ مگر کچھ جواب نہ ملا اور وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ بھول گیا۔ پاکستان نے امریکا کو بڈابیر کا اڈہ ختم کرنے کو کہا۔ جون 1968ء میں امریکا نے بڈابیر کے اڈے کو خالی کرنے سے ٹال مٹول کرنا شروع کیا۔ الٹا پاکستان پر طرح طرح کے دباؤ ڈالتے رہے۔ ان دنوں راقم سندھ یونیورسٹی حیدرآباد میں ایم اے سیاسیات کا طالب علم تھا۔ 1967ء میں پاکستان کے خلاف ایک گہری سازش کا انکشاف ہوا۔ انڈیا میں امریکی سفیر میکانا تھی نے امریکی انتظامیہ کو ایک منصوبہ بنا کر بھیجا۔ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے اپنی ڈائری صفحہ 122 میں ذکر کیا کہ:

> ''اس منصوبے کے مطابق انڈیا کے صوبے بنگال اور آسام اور پاکستان کے صوبہ مشرقی پاکستان کو الگ کر کے ایک نیا ملک بنگسیم (Bangsam) کے نام سے بنایا جانا تھا۔''

اس منصوبے کی خبر انڈیا کو ہوگئی اور ایوب خان کو بھی ہوگئی۔ انڈیا نے اپنے

دونوں صوبوں پر انتظامی گرفت سخت کر دی اور ڈپلومیسی کے ذریعے امریکا کو اس ارادے سے باز رکھا۔ ساتھ ہی موقع سے فائدہ اٹھا کر مشرقی پاکستان کو پاکستان سے علیحدہ کرنے میں امریکا کے ساتھ ساز باز کی۔ اب امریکا بھی انڈیا سے مل کر مشرقی پاکستان کو الگ آزاد ریاست بنانے کی منصوبہ بندی کرنے لگا۔ امریکا کا پاکستان میں بڈابیر کا اڈہ بند کرنے کے بعد پاکستان کا رجحان روس کی طرف ہوا۔ ایوب خان نے روس کے ساتھ بہتر ڈپلومیٹک تعلقات بنانے میں بڑی پیش رفت کی۔ امریکا جلد از جلد پاکستان میں قیادت کی تبدیلی چاہتا تھا تاکہ بڈابیر میں اپنے اڈے کو بحال رکھ سکے اور پاکستان کو اپنے ہی چنگل میں قابو رکھے مگر ایوب خان نے بالآخر امریکی اڈہ خالی کروایا۔ یہ وہ دور تھا جب تیسری دنیا میں ڈکیٹروں کو امریکی حمایت حاصل ہوتی تھی۔ پاکستان کو غیر مستحکم کر کے ایک نیا ڈکیٹر لایا گیا۔ اس نئے ڈکیٹر جنرل آغا محمد یحییٰ نے بڈابیر کے امریکی اڈے کو جاری رہنے نہیں دیا مگر مشرقی پاکستان علیحدہ کرنے کے لیے امریکی کٹھ پتلی بن کر رہ گیا۔

25 مارچ 1969ء کو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر صدر جناب محمد ایوب خان کی آواز بلند ہوئی ''میرے عزیز ہم وطنو'' پھر وہ حکومت سے رخصت ہوئے۔ ملک میں عوام میں مایوسی چھا گئی اور جنرل آغا محمد یحییٰ خان کی صورت میں ایک اور ڈکیٹر نے اقتدار پر قبضہ کیا۔ 7 دسمبر 1970ء کو آبادی کی نسبت سے ملک میں عام انتخابات ہوئے۔ مشرقی پاکستان کی اکثریتی آبادی سے شیخ مجیب الرحمان نے اکثریت حاصل کی جبکہ مغربی پاکستان سے جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اکثریت حاصل کی۔ ملک کی پارٹیوں نے شیخ مجیب الرحمان سے مل کر مخلوط حکومت میں شامل ہونے کی تگ و دو شروع کی۔ ڈھاکا میں قومی اسمبلی کے اجلاس کی تیاریاں بھی شروع ہوئیں اور اجلاس کی تاریخ بھی مقرر ہوئی مگر جنرل یحییٰ نے مجیب الرحمان کے ساتھ سودے بازی شروع کی کہ منتخب حکومت انہیں صدر بنائے رکھے جسے مجیب الرحمان نے ماننے سے انکار کیا۔ اب یحییٰ خان نے انتقال اقتدار میں ٹال مٹول شروع کی۔ مشرقی پاکستان میں حالات خراب ہوئے۔ انڈیا نے سادہ لباس میں اپنے 40,000 فوجی مشرقی پاکستان میں داخل کر دیئے جنہوں نے لوٹ مار، قتل و غارت گری اور عصمت دری کی انتہا کر دی۔ مغربی میڈیا نے

اسے خوب اچھالا اور بڑھا چڑھا کر خبریں نشر کرتے رہے۔ پاکستان کے حکومتی کارندوں نے اپنے معمول کے مطابق اس قتل و غارت گری کا ملبہ بنگالی عوام اور شیخ مجیب الرحمان پر ڈال دیا۔ تب میں فوج میں افسر کی حیثیت سے شامل تھا۔ اتفاق سے ان دنوں ہم کراچی میں تھے۔ 26 مارچ 1971ء کی شام کے وقت چند دوستوں کے ہمراہ کراچی صدر ریلوے سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ٹہل رہا تھا کہ وہاں نصب ٹیلی ویژن پر مشرقی پاکستان کے متعلق مایوس کن خبریں نشر ہو رہی تھیں۔ ہم سب دم بخود ہو کر دیکھ رہے تھے کہ اعلان ہوا کہ چند منٹوں کے بعد صدر یحییٰ خان قوم سے خطاب فرمائیں گے۔ قومی ترانے کے بعد یحییٰ خان کی آواز گونجی ''میرے عزیز ہم وطنو...... '' اس کے بعد جو کچھ انہوں نے کہا اس کی وجہ سے مشرقی پاکستان ظلمات کے اندھیروں میں گھر گیا۔ قومی اسمبلی کا اجلاس جو 25 مارچ 1971ء کو منعقد ہونا تھا وہ غیر معینہ مدت کے لیے ملتوی کیا گیا۔ طرفین کی جانب سے خون کی ہولی کھیلی گئی۔ انڈیا نے اسے خوب کیش کیا۔ امریکا، برطانیہ اور دیگر ممالک نے اپنی کارروائیاں تیز کر دیں۔ آخر 16 دسمبر 1971ء کا دن بھی آیا کہ ڈھاکا ڈوب گیا۔ پاکستان دو لخت ہوا۔ مفاہمت کے خاتمے اور طاقت کے بے دریغ استعمال نے اپنا رنگ دکھا دیا اور مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔ میں اپنی یونٹ میں ڈیوٹی پر تھا۔ میرا ایک حوالدار میرے پاس آیا۔ اس کا بھائی فوج میں تھا اور وہ ڈھاکا میں شہید ہو گیا تھا۔ اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔ رندھی ہوئی آواز میں دیوانوں کی طرح گویا ہوا ''سر، دیکھیں لوگ کہتے ہیں کہ ڈھاکا کا فال ہوا۔ ایسٹ پاکستان انڈیا کے قبضہ میں آ گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس دھرتی پر تو میرے بھائی کا لہو موجود ہے۔ شہید کا لہو۔ نہیں نہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ سر آپ بتائیں سچ کیا ہے؟'' مغربی پاکستان میں کیفیت کی یہ ایک ادنیٰ مثال ہے۔ ایسے کئی دل دوز واقعات ہیں جنہیں لکھتے ہوئے کلیجہ پھٹ سا جاتا ہے۔ آخر وہ وقت بھی گزر گیا۔

1976ء میں وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے IAEA کی منظوری کے بعد کینیڈا سے 2000ء تک مرحلہ وار 24 عدد ایٹمی بجلی گھروں کی تنصیب کا معاہدہ کیا۔ ان ایٹمی بجلی گھروں کے ایندھن کی ضروریات پورا کرنے کی خاطر فرانس سے ری پراسیسنگ اور ہیوی واٹر پلانٹ کا سودا بھی کیا۔ اب امریکا کو پریشانی لاحق ہوئی کہ اگر

پاکستان کی توانائی کی ضروریات پوری ہوئیں تو پھر بھٹو صاحب کے اعلان کردہ ''تیسری دنیا کے معاشی نظام'' کی تکمیل کو کوئی نہیں روک سکتا۔ جس کے نتیجے میں مغربی دنیا، غریب تیسری دنیا کا استحصال اور ان کے وسائل کی لوٹ مار نہیں کر سکے گی۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کو معاشی طور پر مستحکم کرنے اور عوام کو محرومیوں سے بچانے کا عزم کیا۔ بھٹو صاحب نے خارجہ پالیسی میں Bilaeralism یعنی برابری کی بنیاد پر دیگر ممالک کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ 1974ء میں لاہور میں اسلامی سربراہ کانفرنس بلائی گئی جس کے نتیجے میں اسلامی ممالک کے آپس کے تعلقات کو فروغ ملا۔ 1974ء انڈیا نے پوکھران کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ پر نیوکلیائی ٹیسٹ کیا تو جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اعلان کیا کہ پاکستان بھی اپنی بقا کی خاطر ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرے گا۔ ایسے ردعمل کی مثال دنیا میں موجود ہے۔ 1956ء میں جب فرانس اور برطانیہ نے اسرائیل کے ساتھ مل کر مصر پر حملہ کیا تو روس نے فرانس اور برطانیہ کو الٹی میٹم دیا کہ جنگ بند کریں ورنہ روس اپنے ایٹمی ہتھیاروں سے فرانس اور برطانیہ پر حملہ کرے گا۔ جنگ تو بند ہوگئی مگر فرانس کی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ ایٹمی قوت حاصل کریں گے۔ اپنی بقا کے لیے ایٹمی قوت کا حصول پاکستان کا حق ہے مگر امریکا نے پاکستان کے اس حق کو تسلیم نہیں کیا۔ ایٹمی قوت حاصل کرنے کے ساتھ جناب بھٹو صاحب نے پاکستان کے جغرافیائی محل وقوع کو ملک کی خوش حالی کے لیے استعمال کرنے کے لیے روس کے ساتھ تعلقات بڑھائے۔ روس نے بھی پاکستان کی معیشت میں بہتری کے لیے سٹیل مل کا ''تحفہ'' پاکستان کو دیا۔ روس کے ساتھ خیر سگالی اور پاکستان کی معاشی ترقی کے لیے پاکستان سے افغانستان کے راستے ماسکو تک راہداری اور تجارت کے لیے کام شروع ہوگیا مگر مغرب کو پاکستان اور روس کے باہمی تعلقات اچھے نہیں لگے۔ مغرب تو روس کو خطے میں بے اثر کرنے اور اپنا اثر و رسوخ بڑھانے کے لیے تگ و دو کر رہا تھا۔ 1976ء کے آخر میں امریکا نے اپنے وزیر خارجہ ہنری کسنجر کو ایلچی بنا کر پاکستان بھیجا۔ ہنری کسنجر جناب بھٹو صاحب سے لاہور میں ملے اور روایتی اسلحہ کی لسٹ سامنے پیش کر دی اور کہا کہ اس میں سے جو کچھ چاہیے وہ دے دیا جائے گا۔ ساتھ میں انہوں نے جناب

ذوالفقار علی بھٹو کو کہا کہ ایٹمی بجلی گھروں کے سودے اور ری پراسیسنگ پلانٹ کے سودے منسوخ کیجئے۔ بھٹو صاحب نے اس مشورے کو رد کیا تو ہنری کسنجر نے انہیں دھمکی دی کہ اگر سودے منسوخ نہیں کرو گے تو تمہیں ایسی سزا دی جائے گی کہ دنیا میں مثال بن جائے گی۔ بھٹو صاحب با اعتماد اور پرعزم انسان تھے۔ انہوں نے جواب میں کہا کہ: ''ہم صحرائی لوگ ہیں جو ٹھان لیتے ہیں سو کر گزرتے ہیں، چاہے کچھ بھی ہو۔'' یہ باتیں ان دنوں میڈیا میں آئیں۔ تب میں ایک نوجوان کیپٹن تھا۔ پھر دیکھا کہ مارچ 1977ء میں ملک میں ایک طوفان سا برپا ہوا جو تھمنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ پورے ملک میں انارکی سی پھیل گئی۔ 5/4 جولائی 1977ء کی آدھی رات کو ہنری کسنجر کی دھمکی پر عمل درآمد شروع ہوا۔ جنرل ضیاالحق نے فوجی بغاوت کر کے ذوالفقار علی بھٹو کو قید کیا۔ کئی سیاسی رہنماؤں اور ورکروں کو جیل میں ڈلوایا گیا۔ ملک کی تاریخ میں پہلی مرتبہ انگریز راج کے زمانے کی طرح عوام کو ٹکٹکیوں پر برہنہ باندھ کر کوڑے برسائے گئے۔ منتخب وزیراعظم اور آرگنائزیشن آف دی اسلامک کانفرنس کے منتخب چیئرمین جناب ذوالفقار علی بھٹو کا اذیت ناک عدالتی قتل کیا۔ مخالفوں کو قید اور قتل کروانے اور برہنہ کر کے کوڑے برسانے کے چند سالوں بعد 1980ء میں جنرل ضیاالحق امریکی مفاد کی خاطر افغانستان میں روس کے ساتھ الجھ گیا، جس کے نتیجے میں پاکستان میں دہشت گردی، کلاشنکوف کلچر اور ہیروئین کو فروغ ملا۔ جنرل ضیاالحق کی گیارہ سالہ ڈکٹیٹر شپ نے اس ملک میں کئی نسلوں تک منفی اثرات مرتب کیے۔ آخر شہید ذوالفقار علی بھٹو کا لہو رنگ لایا۔ 18 اگست 1988ء کو جناب غلام اسحٰق خان نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر فرمایا ''میرے عزیز ہم وطنو! نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے محبوب صدر کا جہاز فضا میں پھٹ گیا۔'' یوں قوم کو ایک سخت گیر آمر سے نجات ملی۔ کسی کو بھی جرأت نہیں تھی کہ ضیاالحق سے شہیدوں اور بے گناہوں کی تذلیل اور قوم کو برباد کرنے کا حساب لے مگر اللہ جل شانہٗ کا انصاف تو ضرور ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انصاف سے کوئی بھی ظالم بچ نہیں سکتا۔ پھر ہم نے دیکھا کہ کیسے ایک آمر اپنے رفقاء کے ٹولے کے ساتھ برباد ہوا۔ اس کے بعد جمہوریتیں آئیں۔ حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ دس سال میں چار مرتبہ حکومتیں تبدیل ہوئیں۔ اب جبکہ دنیا واحد سپر طاقت

کی حامل بن کر رہ گئی تو امریکا نے اپنی مرضی کی دنیا بنانے کے ایجنڈے پر عمل درآمد شروع کیا۔ امریکا کو پھر سے ایک آمر کی ضرورت پڑی جو کلی طور پر پاکستان کو ان کے تصرف میں دے دے۔ 12 اکتوبر 1999ء کو قوم ایک اذیت ناک مرحلے سے گزر رہی تھی۔ رات کے پچھلے پہر اعلان ہوا کہ پاکستان کے آرمی چیف نے فوجی بغاوت کر کے جناب محمد نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ نئی ملینیم کے شروع ہونے سے چند ماہ پہلے پاکستان آمریت کے اندھیروں میں ڈوب گیا۔ جنرل پرویز مشرف نے بھی اپنے پیش رو آمر جنرل ضیاالحق کی طرح بھاری مینڈیٹ کے حامل منتخب وزیراعظم محمد نواز شریف کو قید کیا اور سرعت سے عدالتی قتل کرنا چاہا مگر ان کی قسمت اچھی تھی جو انہیں عمر قید کی سزا ہوئی اور وہ زندہ رہے۔ بعدازاں عالمی دباؤ کی وجہ سے محمد نواز شریف کو مع اہل وعیال اور بزرگ والد میاں محمد شریف کے ملک بدر کیا تو سعودی فرماں روا نے انہیں اپنا مہمان ٹھہرایا۔ جنرل پرویز مشرف نے 2004ء میں پاکستان کے مایہ ناز سائنسدان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی تذلیل کی اور امریکا کو خوش کرنے کی خاطر پاکستان کی ایٹمی قوت کے خالق سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو گھر میں نظر بند رکھا۔ جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کو امریکی مفاد میں نام نہاد دہشت گردی کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔ امریکا کے لیے جنرل پرویز مشرف کی بدولت پاکستان کے وسائل کا کلی طور پر استعمال کرنا اور پاکستان کو امریکی تصرف میں لانا ممکن ہوگیا۔ بڑی جدوجہد کے بعد 18 فروری 2008ء کو جمہوریت کا سورج طلوع ہوا مگر اس کے افق پر بے نظیر بھٹو شہید کا لہو نمایاں نظر آرہا تھا۔ اب پوری قوم نے عزم کیا کہ جمہوریت کو مضبوط اور مستحکم رکھا جائے گا۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ حکومت اور اپوزیشن نے سید یوسف رضا گیلانی کو متفقہ طور پر وزیراعظم منتخب کیا۔ غیر ملکی دباؤ کو رد کرنے کے لیے حزب اختلاف کے رہنما جناب محمد نواز شریف نے غیر مشروط تعاون پیش کیا۔ 2008ء سے 2011ء تک کئی مدوجزر آئے مگر پاکستان کی جمہوری قیادت یعنی حکومتی اور حزب اختلاف کے رہنما اور عسکری قیادت نے نہایت سمجھ داری، مردانگی اور حوصلے کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا۔ امید ہے کہ پاکستان کی بقا کے لیے ہمارے سیاسی و عسکری رہنما سمجھداری اور ہمت سے کام لیں گے اور پاکستان کو بحرانوں سے نکال پائیں گے۔

باب ششم

پاکستان کی بقا کی جدوجہد کی منزل

اگست 1945ء میں امریکا نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگا ساکی پر ایٹم بم گرائے اور یہ دونوں صنعتی شہر مکمل تباہ و برباد ہوئے۔ یوں ریاست ہائے متحدہ امریکا نے دنیا پر اپنی ایٹمی اجارہ داری ثابت کر دی۔

شمالی کوریا کا ایٹمی پروگرام:

1950-1953ء میں کوریائی جنگ کے دوران چین کے پاس ایٹم بم نہیں تھا چنانچہ چین نے شمالی کوریا کی حمایت کی اور اس کے شانہ بشانہ روایتی جنگ لڑتا رہا۔ جب چین اور شمالی کوریا کی مشترکہ فوجوں نے 38th Parallel عبور کیا تو امریکا نے شمالی کوریا کے شہر پیانگ یانگ پر ایٹم بم گرانے کی دھمکی دی۔ اس دھمکی کے نتیجے میں کوریائی جنگ بند ہوئی اور 38th Parallel شمالی اور جنوبی کوریا کی سرحد بن گئی۔ شمالی کوریا نے امریکی ایٹمی بلیک میل کو رد کرنے کے لیے منصوبہ بندی کی۔ شمالی کوریا نے 1964ء میں روس کے تعاون سے Yonbyon kun Nuclear Research Complex مکمل کیا۔ 1965ء میں روس نے شمالی کوریا کو Research Reactor دیا جس کی بدولت وہ بنیادی طور پر ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوا۔

1985ء میں شمالی کوریا نے Nuclear Non Proliferation Treaty (NPT)

پر دستخط کیے تو مغربی دنیا اور امریکا مطمئن ہوئے کہ شمالی کوریا کے لیے ایٹمی قوت بننے کا راستہ روک لیا گیا مگر شمالی کوریا کی قیادت ایٹمی قوت حاصل کرنے کے لیے پرعزم تھی اور انہوں نے اس ضمن میں اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھیں اور 1990ء میں انہوں نے ایٹم بم تیار کر لیا۔ شمالی کوریا نے 1994ء میں کروز میزائل کا کامیاب تجربہ کیا جبکہ 2003ء سے 2007ء کے درمیان دشمن پر اپنا ایٹم بم گرانے کے لیے ڈلیوری سسٹم یعنی دور مار میزائلوں کا کامیاب تجربہ کر کے ثابت کیا کہ شمالی کوریا نہ صرف ایٹمی قوت کا حامل ملک ہے بلکہ دور دراز دشمن پر بھی ایٹم بم گرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ 15 اپریل 2009ء کو امریکا کی سخت دھمکیوں کے باوجود شمالی کوریا نے Inter Continental Ballistic Missile (ICBM) کا کامیاب تجربہ کیا یعنی تین سٹیج راکٹ کے ذریعے خلا میں اپنا جاسوس سیارہ پہنچا دیا۔ یوں امریکا کو یہ پیغام دیا کہ وہ دنیا کے کسی بھی ملک بشمول امریکا پر ایٹم بم گرانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ امریکا اب کوریا کے آگے بے بس ہے۔ اب امریکی پالیسی ساز کہتے ہیں کہ امریکا نے شمالی کوریا کے متعلق Strategic Pateince کی پالیسی اختیار کی ہوئی ہے۔

فرانس اور برطانیہ کا ایٹمی پروگرام:

1956ء میں برطانیہ اور فرانس نے اسرائیل کو ترغیب دی کہ وہ مصر پر حملہ کرے۔ چنانچہ اسرائیل نے 29 اکتوبر 1956ء کو مصر پر حملہ کیا تو 31 اکتوبر 1956ء کو فرانس اور برطانیہ نے بھی اسرائیل کے ساتھ مل کر مصر پر اپنی فوجوں کے ساتھ حملہ کیا۔ یوں مصر کے لیے ایک خطرناک صورت حال بن گئی۔ فوجی اسلحہ اور عسکری قوت کے لحاظ سے مصر اس وقت پس ماندہ تھا اور عین ممکن تھا کہ فرانس، برطانیہ اور اسرائیل (جس کی پشت پر امریکا ہے) کی مشترکہ عسکری قوت مصر کو تباہ و برباد کر دیتے۔ اس موقع پر روس نے عالمی امن کے لیے بھرپور کردار ادا کیا۔ ایک اسلامی ملک کو ذلت آمیز شکست سے بچانے کی خاطر اور مشرق وسطیٰ میں اپنا رسوخ بڑھانے کی خاطر روس کے وزیراعظم خروشچیف نے جنگ بند کرنے کا الٹی میٹم دیتے ہوئے کہا کہ:

"In what situation would Britain find herself if she were attacked by stronger nations possessing all type of destructive weapons...... for instance rocket weapons."

''برطانیہ اپنے آپ کو کن حالات میں پاتا اگر اس پر طاقتور قومیں حملہ آور ہوتیں جن کے پاس ہر قسم کے مہلک ہتھیار ہوتے .... مثال کے طور پر راکٹ ہتھیار۔''

ایسی ہی دھمکی روس نے فرانس کو بھی دی۔ روس کے راکٹ ہتھیار ایٹمی وار ہیڈ سے لیس ہوتے تھے۔ ساتھ ہی امریکا میں متعین روسی سفیر نے امریکی حکومت کو پیغام دیا کہ فرانس کا شہر پیرس اور برطانیہ کا شہر لندن روس کے ایٹمی راکٹوں کے نشانے پر ہیں۔ فرانس اور برطانیہ اب بڑی طاقتیں نہیں رہیں لہٰذا مصر کے خلاف جنگ فوراً بند کی جائے۔

روس کی ایٹمی جنگ کی دھمکی نے برطانیہ اور فرانس کے اکڑ کے غبارے سے ہوا نکال دی اور 7 نومبر 1956ء کو نہر سویز کے مسئلے پر مصر کے خلاف جنگ بند ہوئی۔ 9 نومبر 1956ء کو فرانس کے اخبار Lepopulafre نے یہ خبر دی کہ:

"The French government will without dout· take decision shortly to manufacture nuclear weapons in the Soviet threat to use rockets against them."

یوں فرانس اور برطانیہ بھی سرعت کے ساتھ ایٹمی قوت بننے میں کوشاں رہے۔ 1960ء کی دہائی میں امریکا کے علاوہ روس، برطانیہ، فرانس اور چین نے ایٹمی طاقت حاصل کر لی۔ یوں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے یہ پانچ مستقل رکن ممالک ایٹمی قوت بھی حاصل کر چکے تھے۔ اب یہ ممالک اپنے ایٹمی ہتھیاروں کو دنیا کے دیگر ممالک تک پہنچانے کی استعداد حاصل کرنے کے لیے میزائل بنانے کی دوڑ میں لگ گئے۔ شروع میں جو میزائل بنائے گئے ان کی پہنچ (رینج) زیادہ نہیں تھی اس لیے ایک طرف امریکا نے مغربی یورپ میں جرمنی میں اپنے میزائل نصب کرنے شروع کیے تو دوسری طرف روس نے امریکا کے کوکھ میں یعنی کیوبا میں ایٹمی میزائل نصب کیے۔ اس معاملہ پر روس اور

امریکا کے درمیان سخت کشیدگی ہوئی جسے Cuban Crisis کے نام سے جانا جاتا ہے مگر امریکی صدر جان ایف کینیڈی کے بروقت دانش مندانہ فیصلوں کی وجہ سے یہ معاملہ رفع دفع ہوا۔ بعد میں 1980ء کی دہائی میں امریکی صدر رونالڈ ریگن نے مزید ایٹمی میزائل تمام یورپی ممالک میں نصب کر کے روس کو اپنی برتری کا احساس دلانا چاہا جس کی مغربی ممالک کے عوام نے شدید مخالفت کی۔ ایسے ہی ایک جلوس کا میں نے ڈنمارک کے شہر کوپن ہیگن میں دسمبر 1982ء میں مشاہدہ کیا۔ لوگوں نے ایٹمی میزائلوں کی اپنے ملک میں تنصیب کے خلاف مظاہرہ کرتے ہوئے بینر اٹھائے ہوئے تھے اُن پر لکھا تھا Better be red than dead یعنی نیوکلیائی کشیدگی اور جنگ کی بدولت مرنے سے بہتر ہے کہ روس کے زیر تسلط سرخ انقلاب کا حصہ بن جائیں مگر امریکی صدر نے مغربی یورپ کے عوام کی پروانہیں کی نہ ہی مغربی یورپی ممالک کے حکمرانوں نے عوام کی پروا کی۔ یوں ایک طرف NATO کے رکن مغربی یورپ کے ممالک میں ایٹمی میزائل نصب تھے تو دوسری طرف روس میں ایٹمی میزائل مستعد تھے۔ روس کے میزائلوں کی زد میں پورا مغربی یورپ تھا اس لیے اسے کسی بھی Warsaw pact کے رکن ملک میں اپنے میزائل نصب کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

میزائل ٹیکنالوجی کو مزید ترقی ہوئی۔ Intermediate Range (IRBM) Ballistic Missile بنے یعنی درمیانی رینج کے بیلسٹک میزائل بنے۔ یہ میزائل دور مار تو تھے مگر دنیا کے تمام ممالک ان کی زد میں نہیں آ سکتے تھے۔ روس، امریکا اور چین نے میزائل ٹیکنالوجی کو مزید وسعت دی اور Inter Continental Ballistic (ICBM) Missile یعنی بین البراعظمی بیلسٹک میزائل بنائے جن کے ذریعے دنیا کے کسی بھی ملک پر ایٹم بم گرایا جا سکتا تھا۔ یوں ان ممالک نے جنگ کو اپنی سرحدوں سے دور رکھنے کی حکمت عملی بنائی۔ چونکہ یورپی ممالک کے لیے امریکی ایٹمی میزائل چھتری مہیا کی گئی ہے اس لیے فرانس اور برطانیہ کے لیے ICBM تیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ان دو ممالک نے IRBM میزائل بنا کر اپنی ملکی سلامتی کو یقینی بنایا ہے۔

ایران کا ایٹمی پروگرام:

دنیا میں تمام ممالک کو اپنی ملکی سلامتی کو یقینی بنانے کا حق حاصل ہے مگر ہر ملک کے نہ تو اتنے وسائل ہیں اور نہ ہی ان کے پاس اتنے انجینئر ہیں جو وہ ایٹمی قوت حاصل کر سکیں۔ شاہِ ایران رضا شاہ پہلوی کی حکومت کا تختہ الٹنے کے بعد ایران کے لیے کافی مشکلات پیدا ہوئیں۔ امریکا ایران کا قریبی دوست ملک تھا۔ رچرڈ نکسن (سابق امریکی صدر) نے اپنی کتاب Victory without war 1999ء میں لکھا ہے کہ:

> ''ایران کے شہنشاہ رضا شاہ پہلوی کی حکومت کا تختہ الٹانے کا عمل امریکی پالیسی سازوں کی اس صدی کی عظیم غلطی تھی جس کی وجہ سے ایران میں اسلامی ملاؤں کی حکومت قائم ہوئی جو امریکا مخالف ہیں۔''

ایران کا ایٹمی پروگرام 1950ء میں امریکا کی مدد سے Atom for Peace Programme کے تحت شروع ہوا۔ اس پروگرام کے تحت 1976ء میں امریکا نے ایران کے ساتھ Processing Facility for Extracting Plutonium from Nuclear Reactor Fuel کی تنصیب کا معاہدہ کیا۔ امریکا چاہتا تھا کہ ایران مشرق وسطیٰ میں امریکی پولیس مین کا کردار ادا کرے۔ عربوں کی بہ نسبت ایران کے امریکا سے زیادہ قریبی تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ امریکا یہ بھی چاہتا تھا کہ ایران اپنی انرجی کی ضروریات ایٹمی بجلی گھر تعمیر کر کے پوری کرے اور پٹرولیم مصنوعات سستے داموں امریکا کو فروخت کرتا رہے۔ ان ارادوں کے پیش نظر AEOI یعنی Atomic Energy Orgnization of Iran کی بنیاد ڈالی گئی۔ امریکی پالیسی سازوں کی نئی پالیسی اور نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کی خاطر امریکا نے مشرق وسطیٰ پر براہ راست کنٹرول حاصل کرنے کا ارادہ کیا تو شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کو چلتا کر کے اپنی مرضی کی پٹھو حکومت بنا ڈالی مگر اچانک اسلامی قوتیں اسلامی انقلاب لا کر ایران میں حکمران بن گئیں تو امریکا کے ارادوں پر اوس پڑ گئی۔ جون 1979ء میں شاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی ایران چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور انہوں نے مصر میں امان حاصل کی۔ یکم فروری 1980 کو حضرت علامہ

آیت اللہ خمینی ایران تشریف لائے۔

اپریل 1980ء تک علامہ خمینی نے ایران پر مکمل کنٹرول حاصل کیا۔ تب تک ایران کے شہر بوشہر میں امریکی کمپنی کرافٹ ورک یونین نے ایٹمی تنصیب یعنی Nuclear Processing Facility کے تنصیبی کام کا پچاس فی صد (50%) مکمل کرلیا تھا۔ ایران کا اسلامی انقلاب کامیاب ہونے کے بعد امریکی کمپنی نے بوشہر کی ایٹمی تنصیب پر کام بند کیا۔ اس کام کے لیے پیشگی وصول کردہ رقم بھی ہضم کرلی۔ اس منصوبے کو بعد میں روس کے تعاون سے مکمل کرلیا گیا۔ ایران کے اسلامی انقلاب کو متزلزل کرنے کے لیے 1980ء میں عراق کی طرف سے حملہ کروایا گیا جس میں فریقین کے لاکھوں افراد اجل کا شکار ہوئے لیکن ایران نے پامردی کے ساتھ اس صدمے کو برداشت کیا اور انقلاب اسلامی ثابت قدم رہا۔ بعدازاں براہ راست مشرق وسطیٰ پر امریکی تسلط کی حکمت عملی کے تحت 1990ء میں عراق پر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے حملہ کیا۔ 1990ء کی خلیجی جنگ کے دوران خلیج فارس سے گزرتے ہوئے امریکی بحری بیڑے اور یورپی ممالک کی فوجوں کا ایران نے بغور مشاہدہ کیا اور دیکھا کہ امریکا اور یورپ کے جنگی ہتھیاروں کی ٹیکنالوجی نہایت جدید اور بے حد مہلک ہے۔ ایران کو یقین ہوگیا کہ امریکا اور یورپ کے ٹیکنالوجی ہتھیاروں کے وارفیئر کے سامنے ایران بے بس ہوسکتا ہے۔ ایران نے اپنی بقا کے لیے اپنے دفاعی معاملات پر غوروفکر کرنے کے بعد ایٹمی قوت بننے کا فیصلہ کیا۔ ایران بھی شمالی کوریا کی طرح Signatory of NPT ہے یعنی NPT معاہدے پر دستخط کرچکا ہے۔ مغربی میڈیا اور اسرائیل/امریکی انٹیلی جنس رپورٹوں کے مطابق ایران کے پاس ایٹم بم موجود ہیں۔

ایران نے کئی قسم کے جدید Precision Guided Missile بنائے ہیں جن میں دور مار میزائل ''شہاب''، راڈار کو دھوکا دینے والے میزائل ''فجر''، تیز ترین زیر آب میزائل ''احدر'' شامل ہیں۔ 1998ء میں ایران نے خلائی پروگرام شروع کیا۔ اپریل 2009ء میں ایران نے اپنے بنائے ہوئے راکٹ کے ذریعے اپنا جاسوس سیارہ خلا کے مدار میں پہنچا دیا۔ اس طرح ایران بھی ICBM یعنی بین البراعظمی میزائل بنانے میں کامیاب ہوا۔ اس طرح ایران نے یورپ اور امریکا سمیت دنیا کے تمام ممالک تک ایٹم

بم گرانے کی صلاحیت حاصل کر لی۔ اب امریکا اور مغربی ممالک ایران کے ساتھ برابری کا سلوک کرنے پر مجبور ہوئے اور ایران نے اپنی بقا کو یقینی بنایا۔

پاکستان کی سلامتی کو خدشات:

پاکستان کے وجود میں آتے ہی انڈیا نے اسے ختم کر کے اکھنڈ بھارت کے خواب کو حقیقت میں بدلنا چاہا۔ انڈیا کی اس جستجو میں انہیں امریکا اور مغرب کی تائید اور مدد ملتی رہی۔ 1948ء میں انڈیا کے انگریز گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن اور انڈیا کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لعل نہرو کے حکم پر کشمیر میں انڈین فوجیں پہنچا کر کشمیر پر قبضہ کرلیا۔

مارچ، اپریل 1965ء میں انڈیا نے پاکستان کے علاقے رن کچھ پر حملہ کر کے وسیع علاقے پر قبضہ کیا جسے پاک فوج نے جوابی کارروائی کر کے واگزار کرایا۔ بین الاقوامی عدالت انصاف کے فیصلے کے مطابق یہ علاقہ پاکستان کا حصہ ثابت ہوا مگر سر کریک، جو کہ پاکستان کا علاقہ ہے، اس پر اب تک انڈیا نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ اگست 1965ء میں انڈیا نے درہ حاجی پیر پر پاکستان پر حملہ کیا جس کا جواب چھمب جوڑیاں میں پاکستان نے دیا جبکہ انڈیا نے 6 ستمبر 1965ء کو پاکستان کی تمام سرحدوں پر جنگ چھیڑ دی۔ اس جنگ میں انڈیا کا قابل ذکر علاقہ سندھ میں مونا باؤ اور پنجاب میں کھیم کرن تک، پاکستان نے حاصل کیا جو بعد میں تاشقند معاہدے کے تحت واپس کیا گیا۔ 1971ء میں انڈیا نے پاکستان کے خلاف بلااشتعال یک طرفہ جنگ کی اور مشرقی پاکستان کو علیحدہ کیا۔ جنوبی ایشیا میں انڈیا کو امریکا اور مغرب کی طرف سے وہ کردار دیا گیا جو مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کو دیا گیا۔ اس لیے انڈیا کو ہر دور میں پاکستان کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا۔

1974ء میں انڈیا نے پوکھران کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ پر نیوکلیائی ٹیسٹ کیا تو پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے بھی ارادہ کیا کہ پاکستان بھی ایٹمی ٹیکنالوجی حاصل کرے گا۔ اس ضمن میں انہوں نے سارے ضروری ادارہ جات بنائے اور ان کو مایہ ناز سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ماتحت کر دیا۔ تاکہ سارے وسائل ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی براہ راست دسترس میں ہوں اور وہ مطلوبہ مقاصد حاصل کر سکیں۔

THE DIRECTOR OF CENTRAL INTELLIGENCE

WASHINGTON D.C. 20505

National Intelligence Council

NIC 10319-82
22 December 1982

MEMORANDUM FOR: Harry S. Rowen
Chairman, National Intelligence Council

FROM : Hans Heymann, Jr.
National Intelligence Officer at Large

SUBJECT : Possible Future Contingencies

The following are my two candidates:

-- Key Pakistani facilities are destroyed by Indian and/or Israeli attack. What political and military consequences would ensue for Indian relations with Islamic countries, the USSR, China, and the US? What might be the consequences of a Pakistani retaliatory strike against Indian facilities? (The ongoing SNIE on "Indian Reactions to a Pakistani Weapons Capability" deals principally with the reaction options open to India, not with the larger political-military consequences of a strike.)

-- Significant expansion of PRC nuclear exports to countries of proliferation concern (India, Argentina, Brazil). What would be the effect on (a) the global nonproliferation regime, (b) US-PRC relations, and (c) the coordination of exports among nuclear supplier states?

Hans

Hans Heymann, Jr.

SECRET

1977ء میں پاکستان نے ایمی استعداد حاصل کرنے میں کافی پیش رفت کی مگر جب امریکا کو پاکستان کے ایمی پروگرام کی بھنک پڑی تو اس نے اس پروگرام کو ختم کرنے کے لیے اپنے طریقے استعمال کرنے شروع کیے۔ پاکستان میں فوجی بغاوت کے ذریعے جنرل محمد ضیاالحق نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت ختم کر دی اور خود حکمران بن گئے۔ جنرل ضیاالحق امریکی ایجنڈے پر عمل پیرا ہوئے مگر خفیہ طور پر انہوں نے بھی ایمی پروگرام جاری رکھا۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان دل جمعی اور خاموشی سے اپنے کام میں مصروف رہے۔ امریکا کو چونکہ افغانستان میں روس کے خلاف پاکستان کی اشد ضرورت تھی اس وجہ سے وہ صرف افغان جنگ میں پاکستان کے وسائل استعمال کرنے کے لیے جنرل ضیاالحق کو استعمال کرتے رہے اور پاکستان کے ایمی پروگرام کے معاملے کو نظرانداز کیا۔ امریکی امداد کے متعلق پریسلر ترمیم میں پاکستان کے ایمی پروگرام کے متعلق شق ضرور تھی کہ امریکی حکومت یقین کرے کہ پاکستان نے اپنا ایمی پروگرام بند کیا ہے مگر امداد کی ہر قسط دیتے وقت امریکی صدر اس ضمن میں سرٹیفیکیٹ دے دیا کرتے کہ پاکستان کے ایمی پروگرام کو روکا گیا ہے۔ حقیقتاً پاکستان کا ایمی پروگرام جنرل ضیاالحق کے دورِ حکومت میں بھی جاری رہا۔

1982ء میں انڈیا نے پاکستان کے علاقے سیاچین گلیشیئر پر قبضہ کیا تاکہ بعدازاں مزید آگے بڑھ کر شاہراہ قراقرم پر قبضہ کر لے۔ یہ انڈیا کے سورگ باشی وزیراعظم جواہر لعل نہرو کی فارورڈ پالیسی (یعنی آگے بڑھو اور قبضہ کیے جاؤ) کی حکمت عملی کے مطابق تھا جس پر انڈیا کی وزیراعظم اندرا گاندھی عمل پیرا تھیں۔ سیاچن گلیشیئر پر 1984ء میں انڈیا پاکستان جنگ ہوئی اور اب تک دونوں ملکوں کی فوجیں آمنے سامنے ہیں۔

اگست 1984ء میں انڈیا اور اسرائیل نے مل کر پاکستان کی ایمی تنصیبات کو ہوائی حملہ کر کے تباہ کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد کیا۔ اسرائیل کے لڑاکا طیارے فضائی ری فیولنگ جہاز کے ساتھ پاکستان کی طرف روانہ ہوئے تو اردن، سعودی عرب اور ایران نے پاکستان کو بروقت خبر دی کہ اسرائیل سے کچھ جہاز مشرق کی سمت روانہ ہوئے ہیں۔ یہ جہاز ایران پر بھی بلند پرواز کر رہے تھے اور ایران کے راڈار نے انہیں دیکھ لیا۔

اسرائیل سے جہازوں کا غول بلند پرواز کر کے اردن اور سعودی عرب اور ایران سے بھی گزر جائیں تو پھر یقیناً یہ پاکستان کے لیے جا رہے ہیں۔ اس لیے برادر اسلامی ممالک نے ایک دم یہ خبر پاکستان کو دے دی۔ اس خطرے کے پیشِ نظر پاکستان کے F-16 فائٹر جہاز فضا میں بلند ہوئے اور چوبیس گھنٹے ایٹمی تنصیبات کی نگرانی کرنے لگے۔ جب اسرائیل کے جہازوں کے راڈار میں پاکستان کی یہ صورت حال نظر آئی تو وہ منصوبے کے مطابق پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کر سکے اور نہ ہی انڈیا گئے۔

اب ان جہازوں نے رخ موڑ دیا اور سری لنکا کے برطانوی اڈے پر اترے اور مزید انتظار کرتے رہے۔ چونکہ پاکستان اب چوکنا ہو چکا تھا لہٰذا نامراد ہو کر واپس لوٹے۔ امریکا کے سابق سیکریٹری خارجہ نے اس واقعے کو اپنی کتاب ''ڈپلومیسی'' میں اپنے انداز میں پیش کیا مگر امریکا کے یہودی دانش ور اور انارنی ڈیوڈ ریس (David Rees) نے برطانوی جریدے RUSI کے ستمبر 1990ء کے شمارے میں انکشاف کیا کہ اسرائیل نے انڈیا سے مل کر اگست 1984ء میں پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے لیے فضائی حملہ کیا تو وہ اس لیے ناکام ہوا کہ امریکا نے پاکستان کو F-16 لڑاکا طیارے دیئے ہوئے تھے جو بروقت اطلاع ملنے پر ایٹمی تنصیبات کی فضائی نگرانی کرنے لگے اور F-16 فائٹر جہاز اسرائیل کے حملے کے خلاف انتہائی مؤثر تھے اس لیے اسرائیل اور انڈیا کا مشترکہ منصوبہ ناکام ہوا۔ ڈیوڈ ریس (David Rees) نے پاکستان کو ملے چند امریکی F-16 فائٹر جہازوں کے متعلق دہائی ڈالی اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اگر امریکا پاکستان کو F-16 فائٹر جہاز نہ دیتا تو یقیناً انڈیا اور اسرائیل کا منصوبہ کامیاب ہوتا اور پاکستان ایٹمی صلاحیت سے محروم ہو جاتا۔ ڈیوڈ ریس کے مطابق امریکا نے پاکستان کی فضائی دفاعی صلاحیت کو مضبوط کر کے پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی حفاظت کی ہے جو کہ امریکا کو نہیں کرنا چاہیے تھا۔

اس کوشش کی ناکامی سے مایوس ہو کر انڈیا کی وزیراعظم اندرا گاندھی نے پاکستان پر براہِ راست حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ حملہ کرنے کا دن (D-Day) یکم نومبر 1984ء مقرر تھا۔ اس جنگ کا کوئی جواز نہ تھا مگر انڈیا طاقت کے نشے اور غرور میں ایک

کمزور پڑوسی ملک پر حملہ کر کے اسے نیست و نابود کرنا چاہتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کچھ اور تھا۔ پاکستان نے اسلام کا قلعہ بن کر رہنا تھا۔ 31 اکتوبر 1984ء کو اندرا گاندھی کو اپنے ہی ایک سکھ باڈی گارڈ نے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ یوں پاکستان پر یہ جنگ بھی ٹل گئی۔

دسمبر 1984ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے صدر جنرل محمد ضیاالحق کو کہا کہ جناب ایٹم بم تیار ہے۔ بتایئے کب دھماکا کرنا ہے؟ جنرل صاحب نے فرمایا کہ ابھی نہیں۔ کسی مناسب وقت پر دھماکا کیا جائے گا۔ 1986ء میں انڈیا کے وزیراعظم راجیو گاندھی نے براس ٹیک مشقوں کے بہانے پاکستان پر حملہ کرنا چاہا مگر جنرل ضیا الحق نے کرکٹ ڈپلومیسی کے دوران دلی کے ہوائی اڈے پر جہاز پر سوار ہونے سے پہلے راجیو گاندھی کو کہا کہ پاکستان ایٹمی قوت رکھتا ہے اور جنگ کی صورت میں اسے استعمال بھی کرے گا۔ یوں راجیو گاندھی بھی جنگ سے باز رہے۔ انڈیا کی طرف سے جنگ کرنے کی ہر کوشش میں پاکستان کی ایٹمی قوت نے حائل ہو کر پاکستان کی سلامتی کو یقینی بنایا۔ 13/11 مئی 1998ء کو انڈیا نے پوکھران کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ پر پانچ ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کو دھمکیاں دینا شروع کیں۔ انڈیا کو شاید یقین نہ تھا کہ پاکستان بھی ایٹمی صلاحیت رکھتا ہے یا انڈیا کو یہ باور کرایا گیا کہ امریکا کی انتظامیہ پاکستان کو ایٹمی ٹیسٹ کرنے سے روکے گی اور بعدازاں اس پروگرام کو رول بیک کرائے گی مگر ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ امریکا کی طرف سے االی پاپ یعنی کثیر امریکی ڈالروں کی امداد اور شدید دباؤ بے اثر ہوئے۔ پاکستان کے وزیراعظم جناب نواز شریف نے لالچ اور دباؤ کو رد کرتے ہوئے ایٹمی ٹیسٹ کرنے کے لیے حکم دیا۔ 28 اور 30 مئی 1998ء کو پاکستان نے بھی چاغی کے پہاڑوں میں بنی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ میں چھ ایٹمی دھماکے کر کے دنیا پر اپنی ایٹمی قوت عیاں کر دی۔ (یاد رہے کہ ایٹمی طاقت ہونے کے لیے چھ ایٹمی ٹیسٹ کرنا معیار سمجھا جاتا ہے) یوں پاکستان دنیا کا ساتواں ایٹمی طاقت ملک بن گیا۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی تفصیل باب یازدہم میں بیان کی گئی ہے۔

نئی ملینیئم میں خطرات اور سدِ باب:

2001ء میں امریکی شہر نیویارک میں 9/11 کے سانحے کے بعد امریکا نے اقوام متحدہ کی حمایت سے اپنے اتحادی اور NATO فوج سمیت 2001ء میں افغانستان پر حملہ کیا۔ چونکہ اقوام متحدہ نے طاقتور ممالک کو کمزور ملک پر حملہ کرنے کی اجازت دی تو انڈیا کا دل بھی مچلنے لگا۔ انڈیا نے فوراً اپنی پارلیمان پر حملے کا ڈرامارچا کر پاکستان کو ملزم ٹھہرایا پھر دسمبر 2001ء میں انڈیا کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے پاکستان کے خلاف اعلان جنگ کر کے اپنی فوجوں کو پاکستان کی سرحدوں پر جمع کیا۔ ساتھ ہی اپنے میزائل بردار یونٹوں کو پاکستان کی سرحدوں پر متعین کر کے مخمصے میں بیٹھے رہے۔ ایک ایٹمی ملک کے خلاف جنگ چھیڑنے کی انڈیا کو جرأت نہ ہو سکی۔ آخر پاکستان کی امریکا میں متعین سفیر ڈاکٹر ملیحہ لودھی نے بیان دیا کہ اگر انڈیا نے پاکستان کی سرحدوں کے اندر ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو پاکستان جواب میں ایٹمی حملہ کرے گا۔ یوں نومبر 2002ء میں انڈیا نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحدوں سے ہٹالیں۔

پاکستان کی آزادی سے لے کر دورِ حاضر تک پاکستان کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں۔ انڈیا کی طرف سے ہر دور میں حملہ ہونے کا خطرہ موجود رہا۔ پاکستان پر جب بھی انڈیا نے حملہ کرنے کا بہانہ بنایا تو اسے ہمیشہ مغرب کی تائید رہی۔ ان خطروں کے پیشِ نظر پاکستان نے ایٹمی قوت بننے کی جستجو کی اور اسے حاصل کیا۔ پاکستان کو اپنے ایٹم بم دشمن پر گرانے کے لیے ڈیلیوری سسٹم یعنی میزائلوں کی ضرورت ہوئی تو انہیں حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہوا۔

محترمہ بینظیر بھٹو کے پہلے دورِ حکومت سنہ 89-1988ء میں ہی پاکستان نے ایٹمی وار ہیڈ کی صلاحیت کے حامل 280 کلومیٹر، 350 کلومیٹر اور 700 کلومیٹر رینج کے میزائل حاصل کر لیے تھے۔ یہ تمام میزائل ایک دوست پڑوسی ملک سے درآمد کیے گئے تھے۔ اس طرح 1500 کلومیٹر تک مار کرنے والے میزائل بھی شمالی کوریا سے حاصل کیے گئے تھے۔ بعدازاں ان تمام میزائیلوں کو مقامی طور پر ڈاکٹر قدیر خان ریسرچ لیبارٹری

Kadeer Research Laboratories (KRL) میں تیار کیا جاتا رہا۔

1998ء کے ایٹمی دھماکے کرنے سے پہلے ہی پاکستان نے Short range میزائل حاصل کر لیے تھے۔ کم فاصلے تک مار کرنے کے لیے شاہین پروگرام کے تحت 700 کلومیٹر تک مار کرنے والے میزائل بھی تیار کر لیے تھے اور Intermediate (IRBM) Range Ballistic Missile یعنی درمیانے فاصلے تک مار کرنے والے بیلسٹک میزائل غوری ون کا بھی کامیاب تجربہ کر لیا تھا۔ یوں پاکستان نے اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لیے انڈیا کے خلاف مؤثر صلاحیت حاصل کر لی۔ اب پاکستان کے لیے ضروری ہوا کہ مغربی دنیا اور امریکا کی ایٹمی بلیک میل سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے ایسے میزائل بنائے جو ان ملکوں تک مار کر سکیں جن ملکوں سے ایٹمی بلیک میل ہونے کا خدشہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔

پاکستان میں میزائل بنانے کے دو پروگرام چل رہے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے ماتحت انجینئرز اور سائنس دانوں کی ٹیم غوری میزائل پروگرام کے نام سے Liquid Fuel propellant Rocket Motor کے ذریعے میزائل تیار کر رہی ہے۔ یہ ٹیکنالوجی جدید ترین ہے۔ اس کے ذریعے ICBM تیار کیے جا سکتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے غوری ون میزائل تیار کیا جسے 6 اپریل 1998ء کو پاکستان کی میزائل ٹیسٹ رینج ٹلا جوگیاں سے ٹیسٹ فائر کیا گیا۔ اسے موبائل لانچر کے ذریعے کہیں سے بھی ہدف پر فائر کیا جا سکتا ہے۔ 1000 کلوگرام وار ہیڈ کے ساتھ 1500 کلومیٹر تک مار کر سکتا ہے۔ 14 اپریل 1999ء کو غوری ٹو میزائل کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔ یہ بھی موبائل لانچر کے ذریعے کسی بھی مقام سے فائر کیا جا سکتا ہے۔ 1800 کلوگرام وار ہیڈ کے ساتھ 2000 کلومیٹر تک مار کر سکتا ہے۔ اس کے بعد غوری تھری میزائل بننا شروع ہوا اس کا کامیاب Static Engine Test، 29 ستمبر 1999ء کو کیا گیا اور جسے جون 2004ء میں رینج پر ٹیسٹ فائر کیا جانا تھا۔ یہ میزائل بھی موبائل لانچر کے ذریعے 2200 کلوگرام وزنی وار ہیڈ کے ساتھ 3000 سے 3500 کلومیٹر تک اپنے ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ اس میں Multi Stage Liquid Fuel Propellant Rocket Motor کو استعمال کیا گیا۔ اب ملٹی سٹیج ٹیکنالوجی پر عبور حاصل ہو

چکا تھا تو KRL نے ٹیپو میزائل پر کام شروع کیا۔ پروگرام کے مطابق ٹیپو میزائل بھی موبائل لانچر کے ذریعے کہیں سے بھی 4500 کلوگرام وار ہیڈ کے ساتھ 7500 سے 8000 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ اگر وار ہیڈ کا وزن کم کریں تو مزید فاصلے پر ہدف کو تباہ کر سکتا ہے۔ جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان میزائل پروگرام کو ترقی دینے کے عمل میں مصروف تھے کہ صدر نے امریکی ایما، پر انہیں عہدے سے ہٹا دیا۔ بعدازاں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو قوم کے سامنے رسوا کیا گیا۔

دوسرا پروگرام ڈاکٹر ثمر مبارک مند کی زیرنگرانی انجینئرز اور سائنس دانوں کی ٹیم شاہین میزائل پروگرام کے تحت جاری ہے۔ شاہین میزائل میں Solid Fuel Propellant Rocket Motor استعمال کی جاتی ہے۔ اس راکٹ موٹر کے ساتھ بنے والے میزائل کا حجم زیادہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر ثمر مبارک مند کے شاہین پروگرام کے تحت شاہین 1 تیار کیا گیا جو شارٹ رینج میزائل ہے۔ شاہین ٹو بھی تیار کیا گیا جو 2000 کلومیٹر سے 2400 کلومیٹر تک ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ 2002ء میں شاہین تھری بھی تیار ہوا۔ اس میں ملٹی سٹیج سالڈ فیول راکٹ موٹر استعمال کی گئی۔ شاہین تھری میزائل 2200 کلوگرام وار ہیڈ کے ساتھ 4000 کلومیٹر سے 4500 کلومیٹر تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شاہین میزائل پروگرام کے تحت ملٹی سٹیج راکٹ موٹر استعمال کر کے ICBM تیار کیے جا سکتے ہیں۔

نوٹ: غوری تھری، شاہین تھری کا رینج پر ٹیسٹ نہیں ہوا۔ یہ ہی صورت حال ٹیپو میزائل کے متعلق ہے۔

شاہین پروگرام کے تحت تیار کردہ میزائل بھی غوری میزائل کی طرح ایٹمی وار ہیڈ سے مسلح ہوتے ہیں اور کہیں سے بھی موبائل لانچر کے ذریعے فائر کیے جا سکتے ہیں۔ سالڈ فیول پروپیلینٹ راکٹ موٹر کے ساتھ بنے ہوئے میزائلوں کے اپنے فوائد ضرور ہیں لہٰذا سالڈ فیول راکٹ موٹر سے مزین میزائل بھی پاکستان کی دفاعی صلاحیت اور جارحانہ صلاحیت کے لیے ضروری ہیں۔ یہ میزائل سرعت سے استعمال ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر ثمر مبارک مند نے Multi Stage Rocket ٹیکنالوجی حاصل کر لی ہے اور

پانچ ہزار سے زیادہ رینج والے میزائل تیار کیے ہیں اور مزید رینج کے میزائل بنانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے۔ مغرب نے پاکستان پر جارحانہ رویہ اختیار کیا ہوا ہے۔ اس جارحانہ رویے کا ذکر اگلے باب میں کیا جائے گا جس میں پاکستان کو امریکی نام نہاد دہشت گردی کی جنگ میں مبتلا کیا گیا ہے۔ اس دہشت گردی کی جنگ کی آڑ میں پاکستان پر مغرب، امریکا اور انڈیا کی طرف سے حملہ کر کے پاکستان کو ایٹمی قوت سے محروم کرنے کے منصوبے بنائے گئے اور ان پر عمل درآمد کی کوشش بھی کی گئی جس کی تفصیل آگے آئے گی۔ اب امریکا دہشت گردی کے خلاف افغانستان میں جنگ کو سمیٹنا چاہتا ہے۔ امریکا اپنی شکست کو چھپانے کی خاطر پاکستان کے خلاف الزامات لگا رہا ہے اور ان کا مطالبہ ہے کہ پاکستان ان علاقہ جات میں فوجی آپریشن کرے جہاں سے پاکستان کے خلاف دہشت گردی نہیں ہو رہی۔

افغانستان میں جنگ کی شدت میں اضافہ کرنے کے لیے امریکا نے AWACS کو استعمال کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ یہ جہاز امریکا کے مہلک ترین جہاز Stealth کو استعمال کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ سٹیلتھ جہاز کو راڈار نہیں دیکھ سکتا۔ یہ جہاز نہایت اونچائی سے AWACS سے رہنمائی لے کر اپنے ہدف پر نہایت مہلک ڈپلیٹیڈ یورینیم سے بنے ڈیزی کٹر بم ٹھیک نشانے پر مارنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اب ممکن ہے کہ اپریل 2009ء کی طرح امریکا پھر سے پاکستان کے ساتھ ایٹمی بلیک میل کرنا چاہتا ہوگا یعنی یا تو پاکستان خود اپنے علاقہ میں ان علاقہ جات میں فوجی آپریشن کرے جہاں پاکستان آپریشن کرنا نہیں چاہتا بصورت دیگر امریکا پاکستان کے علاقہ جات کو تہس نہس کر دے گا۔ یوں پاکستان پر ایک نئی جنگ کے بادل بن رہے ہیں۔

پاکستان نے جنرل پرویز مشرف کے تحت Minimun deterence کی حکمت عملی اختیار کی ہوئی ہے۔ اس وقت پاکستان کے پاس IRBM یعنی انٹرمیڈیٹ رینج بیلسٹک میزائل موجود ہیں جن کی زد میں برطانوی اڈہ قبرص، اینگلو برطانوی اڈہ مڈغاسکر اور ڈیگو گارشیا سمیت مغرب میں اسرائیل اور مشرق میں پورا انڈیا ہے۔ Minimun Deterence صلاحیت کی بدولت پاکستان اپنے دشمن کو ان تمام علاقوں میں یعنی قبرص،

مڈغاسکر، ڈیگو گارشیا، اسرائیل اور انڈیا کو تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر برطانیہ اور امریکا پاکستان کی پہنچ سے دور ہیں لہٰذا برطانیہ اور امریکا ہمیشہ پاکستان کو ایٹمی بلیک میل کرتے رہیں گے۔ موجودہ صورت حال میں اور مستقبل میں بھی پاکستان کی بقا کی خاطر ہمیں اپنی Minimun Deterence کی حکمت عملی کو وسعت دینا ہوگی۔ پاکستان کو بھی شمالی کوریا اور ایران کی طرح ICBM یعنی بین البراعظمی میزائل تیار کرنے ہوں گے۔ جب ہم ICBM تیار کر چکے ہوں گے تو برطانیہ اور امریکا پاکستان پر کسی قسم کے Misadventure یعنی پاکستان پر حملہ کرنے یا ڈرانے دھمکانے کے عمل سے باز آئیں گے۔ پاکستان کی بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم Effectivec Deterence کی پالیسی اپنائیں اور دنیا کے تمام ممالک کو اپنے ایٹمی میزائلوں کی زد میں لانا ہوگا۔ یہ ہمارے ملک کے سیاسی اور معاشی استحکام اور آزادی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

باب ہفتم

نیو ورلڈ آرڈر اور پاکستان

''اس صدی میں تیسری بار امریکا نے اپنے داخلی نظام کے مطابق دنیا کو ایک نئے نظام میں ڈھالنے کے ارادے کا اعلان کیا اور اس بار بھی امریکا بین الاقوامی سٹیج پر بلند و بالا نظر آیا۔ پہلے دو مرتبہ یعنی پہلی جنگ عظیم اور دوسری جنگ عظیم مراد لیا جاتا ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد کہا جانے لگا کہ دنیا یونی پولر یا واحد سپر پاور کی حامل بن گئی مگر ریاست ہائے متحدہ امریکا اب ایسی صورت میں نہیں رہا جو تنہا گلوبل ایجنڈا چلا سکے۔ دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی امریکا کی استعداد درحقیقت کم ہوئی۔'' یہ ہے امریکی انتظامیہ کی سوچ جس کے تحت امریکا آزاد دنیا کے ممالک کو اپنے داخلی نظام، تہذیب و تمدن اور نظام جمہوریت میں ڈھالنے کا عزم رکھتا ہے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اپنی طاقت میں اضافے کے لیے یورپ کے تمام ممالک، کینیڈا اور مشرق میں آسٹریلیا، فلپائن، جاپان اور جنوبی کوریا کو اپنے ساتھ ملا کر دنیا کو بدلنا چاہتا ہے۔ مغرب اور مشرق میں امریکی اتحادی جن کا ذکر کیا جا چکا ہے سارے کے سارے جمہوریتیں یا جمہوری بادشاہتیں ہیں اور مغربی تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی بسر کرتے ہیں اس لیے یورپ، کینیڈا، آسٹریلیا، فلپائن، جاپان اور جنوبی کوریا کو بدلنے کی ضرورت نہیں البتہ ان ملکوں کو ہمراہ کر کے باقی دنیا کو بدلنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

روس اور چین تو بذات خود طاقتیں ہیں۔ ان کے نظام اشتراکیت یا اشتراکی جمہوریت اور ان کی تہذیب و تمدن کو بدلنے کی امریکا اور اس کے اتحادیوں میں سکت

نہیں ۔مشرق کے ممالک جو کہ اشتراکی یا اشتراکی جمہوریت کے نظام کے تحت چل رہے ہیں مثلاً شمالی کوریا، ویت نام وغیرہ جہاں امریکا کو شکست ہو چکی ہے، ان کو چھیڑنے سے بھی امریکا گریزاں ہے۔ انڈیا امریکا کا دیرینہ دوست، جمہوریت اور مغربی تہذیب کا دل دادہ ہے۔ یوں انڈیا کو چھیڑنا امریکا اور اس کے اتحادی ممالک کی مشترکہ طاقت کے بس میں نہیں۔ اب رہے مشرق وسطٰی اور جنوبی ایشیا کے ممالک سو ان کو ایک ایک کر کے امریکا اپنے اتحادیوں کی طاقت کے ذریعے بدلنے کے منصوبے پر عمل پیرا ہے۔ مشرق وسطٰی اور جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک اپنی تہذیب وتمدن کی ایک الگ حیثیت اور شناخت رکھتے ہیں اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہونے کے ساتھ جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ ان ممالک کے ساتھ ڈپلومیٹک ذرائع استعمال کر کے ان کی تہذیب و تمدن کو مغربی تہذیب میں بدلنے کی کوشش کی ناکامی کے بعد اب قبضہ کر کے ان کو محکوم کر کے ان کے تمدن کو بدلنے کا منصوبہ بنا لیا گیا۔ کیا ایسا ممکن ہے؟ کیا عربوں نے صدیوں سپین پر حکمرانی کر کے سپین کی مغربی تہذیب وتمدن کو بدل دیا؟ کیا برطانیہ نے صدیوں ہندوستان اور سندھ پر حکمرانی کر کے اس خطے کی مشرقی تہذیب کو بدل دیا؟ تو پھر یہ کہنا کہ امریکا اور اس کے اتحادی مشرق وسطٰی اور جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک کی تہذیب وتمدن بدلنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ایک دھوکا ہے جو وہ اپنے آپ کو دے رہے ہیں۔ دراصل مسلم ممالک کے بے پناہ وسائل ہیں جن پر وہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ مغربی ممالک کی ماضی کی بربریت کی کئی مثالیں ہیں کہ وہ کئی ممالک کو محکوم کر کے ان کے وسائل لوٹتے رہے ہیں۔

ہر دور میں دنیا کے ممالک میں سرحدی تبدیلیاں آتی رہی ہیں۔

جنگ عظیم دوم کے بعد کئی ممالک کی سرحدیں تبدیل ہوئیں تو کچھ ممالک صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ نئی دنیا کا نظام جسے انگریزی میں ''نیو ورلڈ آرڈر'' کہتے ہیں، 1990ء کے بعد امریکا اور مغربی ممالک کے ایک پلان کا نام ہے۔ یہ معاشی نظام نہیں۔ یہ جغرافیائی سرحدیں تبدیل کرنے کا نظام ہے جس پر عمل درآمد کر کے امریکا اور یورپی ممالک زیادہ سے زیادہ معاشی فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ جس شکل میں یہ نظام نمودار ہوا ہے اس سے واضح ہے کہ یہ نظام فقط مشرق وسطٰی پر لاگو ہونا ہے۔ اس نظام کے مقصد

کے لیے جنوبی ایشیا کے ممالک یعنی پاکستان اور افغانستان کو بھی مشرق وسطیٰ میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ ترکی، شام، لبنان، اسرائیل، عراق، اردن، سعودی عرب، یمن، عمان، گلف ریاستیں اور ایران ایسے ممالک ہیں جن کی سرحدیں تبدیل کر کے کچھ نئے ممالک کو وجود میں لانے کی پلاننگ شامل ہے۔ یہ ایک ایسا استحصالی اور استعماری نظام ہے جس کو موجودہ دور میں ''نیو امپیریلزم'' بھی کہتے ہیں۔

نیو ورلڈ آرڈر کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے پاکستان کا انتخاب کیا گیا پھر افغانستان اور ایران کو توڑنے کا ارادہ تھا مگر جنوبی ایشیا میں ایک نئی تبدیلی کی نمود ہوئی۔ امریکا اور مغرب کو اس کی خبر تھی اس لیے منصوبہ بندی کے تحت 1997ء ہی میں پاکستان کو غیر مستحکم کیا گیا۔ جسٹس سجاد علی شاہ نے ملک کے وزیراعظم میاں نواز شریف کو کورٹ کی توہین کی پاداش میں اپنی کورٹ میں پیش ہونے کا حکم صادر فرمایا۔ پاکستان بھی کتنا بدنصیب ملک ہے جو کہ عظیم عوامی طاقت کے حامل وزیراعظم کو قومی اسمبلی میں تقریر کرنے پر کورٹ میں پیش ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ جب بحران شدید ہوا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو پاکستان پر رحم آیا۔ جج صاحب اپنے حمایتی صدر فاروق لغاری سمیت فارغ ہوئے اور ان سے قوم کو نجات ملی۔ تب جا کر یہ بحران ختم ہوا۔

11 مئی 1998ء کو انڈیا نے جب ایٹمی دھماکا کیا تو پاکستان ایٹمی دھماکے کے لیے معاشی طور پر بالکل تیار نہ تھا کیونکہ جب ملک میں سیاسی بحران آتا ہے تو معیشت تباہ ہونا شروع ہوتی ہے۔ پاکستان ایک منفرد ملک ہے جو بحرانوں سے گزر کر مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا۔ پاکستان کی ایٹمی قوت کے بانی جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید نے 1967ء میں تصنیف کردہ اپنی کتاب ''متھ آف انڈیپنڈنس'' کے باب 16 میں لکھا ہے کہ انڈیا کو امریکا نے ایٹمی ٹیکنالوجی، رقم اور مشینری دی ہے جس کے نتیجے میں وہ ایٹم بم بنانے سے باز نہیں آئے گا۔ اس صورت میں پاکستان کو بھی ایٹم بم بنانا چاہیے مگر ایٹمی دھماکا اس وقت تک نہ کرے جب تک انڈیا پہل نہ کرے۔ جب پاکستان دھماکا کرے گا تو امریکا اور مغرب سخت معاشی پابندیاں عائد کریں گے۔ ایسی صورت حال میں اپنے عوام کو اپیل کرے تو عوام پاکستان کو معاشی بحران سے نکلنے میں کامیاب کریں گے۔ آخر

ہوا بھی ایسے ہی۔ انڈیا کے پانچ ایٹمی دھماکوں کے بعد جب جناب نواز شریف نے امریکا اور مغربی دباؤ کو رد کر کے چھ ایٹمی دھماکے کیے تو دنیا حیران رہ گئی (ایٹمی طاقت تسلیم ہونے کے لیے کم از کم چھ ایٹمی تجربے یعنی دھماکے کرنا لازمی ہے)۔ پاکستان پر انتہائی مشکل وقت آیا مگر عوام کی معاشی امداد سے بحران سے نکل کر دنیا کا پہلا اسلامی ایٹمی ملک بن کر ابھرا۔

خطے میں اس تبدیلی کے باوجود نیو ورلڈ آرڈر کو آگے بڑھانے کی منصوبہ بندی جاری رہی۔ وقتی طور پر پاکستان پر سے بلا ٹل گئی مگر ہمیشہ کے لیے خطرہ ختم نہیں ہوا۔ 1999ء میں پاکستان کو پھر غیر مستحکم کیا گیا اور جمہوریت کا بستر گول ہوگیا۔ جنرل پرویز مشرف فوجی بغاوت کر کے خود حکمران بن گیا۔ یہ ایک نئی آفت کا پیش خیمہ تھا جو جلد ہی نمودار ہوا۔ افغانستان میں طالبان حکومت کو امریکا کی طرف سے تسلیم کرنے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ 2001ء میں طالبان حکومت کے نمائندوں کو نیویارک آنے کی دعوت دی گئی۔ طالبان نمائندے نیویارک پہنچ کر گفت وشنید کر رہے تھے کہ امریکی کمپنیوں کو وسط ایشیائی ممالک تک رسائی کے لیے پرامن راہداری دینے کے بدلے طالبان حکومت کو تسلیم کیا جائے مگر امریکا کے تھنک ٹینک (یہ امریکی دانش وروں کا ٹولہ ہے جس کا سربراہ یہودی ہنری کسنجر ہے) نے امریکی حکمران قیادت کو مشورہ دیا کہ طالبان حکومت کو تسلیم نہ کیا جائے اور احمد شاہ مسعود کے گروپ کی تائید اور مدد کر کے افغانستان پر قبضہ کر کے نیو ورلڈ آرڈر کو آگے بڑھایا جائے۔ امریکی تحقیق کاروں کا کہنا ہے کہ ایک یہودی سیٹھ نے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کی دونوں عمارتوں کو 1998ء میں خرید لیا اور ان کی انشورنس بھی کروا لی۔ 11 ستمبر 2001ء کو صبح کے وقت ان دونوں خالی عمارتوں کو بارود سے اڑا دیا اور کیمرا ٹرک کر کے جہاز کے ساتھ تباہ کرنے کی فلم بنا لی۔ اس فلم کو دنیا بھر میں ٹیلی ویژن پر دکھا کر اپنے آپ کو مظلوم ظاہر کر کے امریکا نے واویلا کیا تاکہ دنیا بھر کی ہمدردیاں حاصل کر کے افغانستان پر حملے کا جواز بنا لے۔ اس تباہی والے دن امریکا میں ہوائی جہازوں کی پروازوں پر پابندی عائد تھی مگر اسامہ بن لادن کے خاندان اور اس کے بھائی کے خاندان کو خاص جہاز کے ذریعے سعودی عرب روانہ کیا گیا۔ 9/11 کے سانحے کا الزام تو سعودی

عرب کے باشندوں پر لگایا گیا مگر حملہ افغانستان پر کیا گیا۔ افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد اب پھر پاکستان پر حملے کی تیاریاں شروع ہوئیں۔ 2001ء میں پاکستان پر حملہ کرنے کی غرض سے فوجیں سرحد پر جمع کیں۔ انڈیا کی فوجی قوت اور جدید اسلحہ کے مقابلے میں پاکستان نے بھی اپنی فوجیں سرحد پر روانہ کر دیں۔ افغانستان میں نیٹو افواج بھی الرٹ کر دی گئیں اور عربی سمندر میں موجود بحری بیڑہ بھی ریڈ الرٹ ہو گیا۔ امریکا نے اپنے سیٹلائٹس کے رخ بھی پاکستان پر مرکوز کیے۔ پاکستان تین سمتوں سے گھیرے میں آ گیا۔ اب صرف انڈیا کی طرف سے حملہ کرنے کی دیر تھی۔ 2002ء میں امریکا میں پاکستان کی سفیر ملیحہ لودھی نے بیان دیا کہ اگر انڈیا نے پاکستانی سرحد پار کی تو پاکستان ایٹمی حملے میں پہل کرے گا۔ تب جا کر انڈیا نے اپنی فوجیں نومبر 2002ء میں واپس بلا لیں۔

نیو ورلڈ آرڈر کے اگلے مرحلے میں پاکستان پر بیرونی حملے کو ختم کر کے اسے اندرونی طور پر تباہ کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ 2004ء میں عراق پر قبضہ کر کے ایران، عراق اور ترکی کی سرحدوں کی نئی حد بندی کے منصوبے کو آگے بڑھایا گیا اور کردستان ریاست بنانے کی کوششیں شروع ہوئیں مگر ترکی اور ایران نے شاطرانہ حکمت عملی اختیار کی جو کہ ان کے اپنے ملک کے مفاد میں تھی۔

2006ء میں امریکا اور مغربی ممالک نے اسرائیل کو لبنان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ جولائی 2006ء میں اسرائیل نے لبنان کے جنوب میں لتانی ندی تک سرسبز علاقے پر قبضہ کر کے "نیو ورلڈ آرڈر" سے اپنا حصہ حاصل کرنے کے لیے حملہ کیا جس کو لبنان کی ایک عسکری تنظیم حزب اللہ کے مجاہدوں نے پسپا کیا۔ حزب اللہ حسن نصر اللہ کی قیادت میں شیعہ مسلمانوں کی ایک عسکری تنظیم ہے جس کو حکومت لبنان، شام اور ایران کی طرف سے عسکری اسلحہ اور مالی معاونت حاصل ہے۔ یہ ایک منظم فوج نہیں مگر اسرائیل کے خلاف جنگ میں انہوں نے ثابت کیا کہ حزب اللہ باقاعدہ فوج کی طرح منظم، جدید اسلحہ سے مسلح، طاقتور اور دلیر عسکری قوت ہے جو جدید فنون جنگ کی ماہر ہے۔ اسرائیل پر امریکا اور مغرب کو ناز تھا مگر لبنان کی جنگ میں اسے شرم ناک شکست نصیب ہوئی۔ امریکا نے اپنے اسلحہ خانے سے اسرائیل کو ڈپلیٹیڈ یورینیم سے بنے ڈیزی کٹر بم مہیا کیے

جن کو بیروت کے مسلمان آبادی والے علاقے پر گرایا گیا اور بہت تباہی مچادی گئی۔ جب صحافیوں نے امریکی وزیر خارجہ کنڈو لیزا رائس کو کہا کہ بیچاری بے گناہ لبنانی سول آبادی پر بڑی تباہی آئی ہے۔ امریکا کو چاہیے کہ اس تباہی کو روکے تو اس نے جواب دیا کہ یہ ''بچہ پیدا ہونے کا درد ہے۔ نیا مشرق وسطیٰ جنم لے رہا ہے'' مگر قدرت کا فیصلہ تو امریکا کے بس میں نہ تھا۔ حزب اللہ جس کو ''رَیگ ٹَیگ'' ملیشیا کہتے تھے، اس کے ہاتھوں اسرائیل جس کو دنیا کی طاقتور ترین فوج اور فرسٹ کلاس آرمی تصور کرتے تھے، ان کو شکست فاش نصیب ہوئی اور امریکا کا نئے مشرق وسطیٰ کا خواب پورا نہ ہوا۔

پاکستان پر انڈیا کی ناکام فوجی مہم جوئی کے بعد امریکا اور مغربی قوتوں نے پاکستان کے خلاف نفسیاتی جنگ شروع کی۔ 2006ء میں پاکستان کی حکمران قیادت اتنی خوف زدہ ہوئی کہ اس کے اعصاب جواب دے گئے۔ ملک میں بے یقینی اور خوف کی فضا قائم ہوئی۔ خوف کی حالت میں انسان کی شخصیت ریزہ ریزہ ہو جاتی ہے، حواس خطا ہو جاتے ہیں اور ہمت جواب دے جاتی ہے۔ مسلسل خوف بے حد پر اثر ہتھیار ہے جس سے انسان اور قوم کی روح کو تباہ کیا جاتا ہے اور ان کی قوت مدافعت ختم ہو جاتی ہے۔ پھر دشمن اپنی مرضی کے کام کرواتا ہے۔ یہی کچھ پاکستان کی حکمران قیادت کے ساتھ ہوا۔ ایک ایٹمی طاقت ملک ہونے کے باوجود ملک کے مفاد کے منافی کام صرف خوف زدہ ہو کر کیے گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ 1947ء میں لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کے ساتھ ہندوستان کے رہنماؤں کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں کانگریس کے رہنما سردار ولبھ بھائی پٹیل نے وائسرائے کو کہا کہ سندھ اور پنجاب کے صوبوں کو ملا کر پاکستان بنانے پر انہیں اعتراض نہیں مگر صوبہ سرحد اور بلوچستان لازمی طور پر انڈیا میں شامل ہونے چاہئیں۔ بحث کے دوران پٹیل نے کہا کہ سرحد اور بلوچستان کا پہاڑی سلسلہ شمال میں کوہ ہمالیہ سے مل کر ایک قدرتی حصار بناتا ہے۔ ان صوبوں کے باسی پٹھان اور بلوچ غیرت مند، محب وطن، جفاکش اور بہادر لڑاکا ہیں اس لیے انڈیا کو اپنی مغربی سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوجیں تعینات کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ ایک حقیقت ہے مگر بلوچ عوام اور سرداروں نے اور پٹھان عوام اور ملکوں نے اپنے علاقے کو پاکستان میں شامل کرنے کا فیصلہ کیا۔

آزادی کے بعد شروع میں تو کسی حکومت نے ان کو نہیں چھیڑا۔ مگر پاکستان کے اوّلین آمر ایوب خان نے صوبہ سرحد میں دیر، باجوڑ اور بلوچستان میں قلات اور دوسرے علاقہ جات پر فوج کشی کر کے یہاں کے باسیوں کو دکھ پہنچایا۔ اس کے بعد 1975ء کے دوران ایک طرف بلوچ قوم پر فوج کشی کر کے ہزاروں بے گناہ لوگوں کو قتل کیا گیا تو دوسری طرف خان عبدالغفار خان کے صاحب زادے اور سیاسی رہنما خان عبدالولی خان کو قید کر کے پٹھان قوم کی دل آزاری کی گئی جو کہ جمہوریت کے خاتمے تک جاری رہی۔ عجیب اتفاق ہے کہ جنرل ضیاالحق کے آمرانہ دور میں ایک نئی حکمت عملی اختیار کی گئی۔

بلوچ قوم پر فوج کشی یک سر بند کی گئی اور خان عبدالولی خان کو عزت اور آبرو کے ساتھ آزاد کر کے بلوچ اور پٹھان قوم کی دل جوئی کی۔ ساتھ میں یہ بھی اعلان کیا کہ خان عبدالولی خان محب وطن پاکستانی ہیں۔ بے شک بلوچ اور پٹھان عوام ان کے سردار اور ملک محب وطن پاکستانی ہیں مگر ان کی سیاست کا انداز مختلف ہے۔ ان کی قیادت اور سرداروں کی سیاست چاپلوسانہ اور مکارانہ ہرگز نہیں۔ ان کی سیاست تو سچی، کھری اور بے باک ہے۔ بلوچ اور پٹھان قیادت کی سیاست کو نہ سمجھنا حکمران قیادت کی نا قابل معافی غلطی ہے۔

2006ء ہی میں امریکا کے رسالے یو ایس آرمڈ فورسز جرنل کے جون کے شمارے میں رالف پیٹرز نے ایک مضمون مع نقشوں کے شائع کیا۔ اب نیو ورلڈ آرڈر کے خدوخال نمایاں طور پر ظاہر ہوئے۔ اس کے ردعمل میں ایران اور ترکی نے کردستان میں اپنے علاقے کا بارڈر سیل کیا تاکہ باہر سے آنے والی مداخلت کو روکا جائے۔ باقی سرحدیں زمانہ امن کی حالت میں چھوڑ دیں۔ اس حکمت عملی سے ایک طرف عراق میں بیرونی طاقتوں کے خلاف مداخلت بڑھ گئی۔ ترکی نے تو اپنے علاقے کردستان میں عوام پر فوج کشی ہرگز نہیں کی مگر عراق کے اندر داخل ہو کر وہاں کے کردوں کو سبق سکھایا کہ وہ ترکی میں تخریب کاری سے باز آئیں۔ یوں کردستان کا منصوبہ بھی خاک میں مل گیا مگر پاکستان نے اس کے الٹ کیا۔ پاکستان نے وانا، وزیرستان کے علاقہ میں افغان سرحد کو سیل کیا جبکہ بلوچستان کی سرحد کو کھلا چھوڑ دیا جہاں سے سرعام بیرونی مداخلت کاروں کی

آمد و رفت ہوتی تھی۔ جو مداخلت کار پاکستان نے پکڑ لیے ان کو لے کر امریکی حکومتی قیادت سے شکایت لگاتے رہے اور بس، جس کو امریکی قیادت نے لاپروائی سے ٹھکرا دیا۔

یہ حکمت عملی امریکا، مغرب اور نیو ورلڈ آرڈر کے تخلیق کاروں کے لیے نہایت موزوں اور موافق ہے مگر پاکستان اور اس کے عوام کے لیے تباہ کن ثابت ہوئی۔ وانا اور وزیرستان میں افغان سرحد کو سیل کرنے کی وجہ سے علاقہ ایک پریشر ککر بن گیا، جس کا پریشر ملک کے اندرونی علاقہ جات کی طرف کھلا جس کے نتیجے میں ملک کے اندر خودکش حملے عام ہوئے اور امن و امان کا مسئلہ سنگین ہوگیا۔ جہادی قوتوں نے ملک کے اندرونی علاقے کے مدارس میں اپنے آپ کو منظم کرنا شروع کیا اور اپنی تحریک کو آگے بڑھایا۔ اگر یہ جہادی قوتیں ملک سے باہر استعماری قوتوں کے خلاف برسرپیکار ہو کر مسلمانوں کی حفاظت کے لیے جنگ لڑتیں تو پاکستان کے اندر مداخلت کرنے والی قوتوں کو پاکستان میں مداخلت کی سکت نہ ہوتی اور اندرون ملک امن و امان کا مسئلہ بھی نہ ہوتا مگر ایسا نہ کیا گیا۔ پاکستان کی حکومتی قیادت نے بلوچستان میں سرحدیں سیل نہ کیں اور بیرونی مداخلت کاروں کو روکنے کے بجائے ان کے جرائم بلوچ عوام اور سرداروں کے سر تھوپ کر اس بہانے بلوچ قوم پر فوج کشی کی اور کئی لوگ مارے گئے۔ اب جبکہ نئی جمہوری حکومت وجود میں آئی تو حکمران قیادت کا فرض ہے کہ اپنی حکمت عملی درست کرے، بلوچ اور پٹھان عوام کو ان کے جائز حقوق دے، ان کے زخموں پر نمک پاشی کرنے کے بجائے ان پر مرہم رکھے، جہادی قوتوں کی رہنمائی کر کے ان کو ملک اور اسلام کے مفاد میں کام کرنے دے اور ہماری حکمران قیادت کو چاہیے کہ پاکستان جو کہ ایک ایٹمی طاقت ہے، اسے امریکا اور مغرب کے تسلط سے آزاد کرائے، اپنے فیصلے آپ کر کے ملک کے مفاد کو بالاتر رکھے، قوم کو امریکا اور مغرب کے خوف سے نجات دلائے۔ امریکا اور مغرب کی 20 سال کی منصوبہ بندی ناکام ہوتی نظر آتی ہے۔ اگر انہوں نے کچھ حاصل کیا تو صرف بربریت کی مثال اور خطے میں تقریباً بیس لاکھ (000 00 20) بے گناہ انسانوں کا قتل۔ اب افغانستان اور عراق میں ان کو سخت مزاحمت کا سامنا ہے۔ ترکی، شام، لبنان اور ایران زیادہ طاقتور ملک بن کر ابھرے۔ نیو ورلڈ آرڈر کے مطابق سعودی عرب کو توڑنے کے

بجائے اس کو طاقتور ملک بنانے کی حکمت عملی اختیار کی گئی تا کہ مشرق وسطیٰ میں طاقت کا توازن برقرار رہے۔ اب امریکا نے سعودی عرب کو ایٹمی ریسرچ کے لیے مشینری، سازوسامان، ٹیکنالوجی اور سائنس دانوں کو تربیت دینا شروع کی۔

یہ امریکا کی خطے پر تسلط قائم رکھنے کی ایک کوشش ہے مگر وقت امریکا کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے۔ مشرق وسطیٰ میں بہت تبدیلیاں آ چکی ہیں۔ اسرائیل کی طاقت کی قلعی کھل گئی ہے۔ امریکا کے خلاف مداخلت اور نفرت بڑھ گئی ہے۔ نیو ورلڈ آرڈر آخر بے ثمر اپنے اختتام کو پہنچنے والا ہے۔ وہ وقت دور نہیں کہ امریکا اور اس کے اتحادیوں کو مشرق وسطیٰ سے نکلنا پڑے گا۔

باب ہشتم

دہشت گردی کے خلاف جنگ میں پاکستان کی شمولیت

پس منظر:

پاکستان میں گریٹ گیم 1997ء میں شروع ہوئی۔ 19 اکتوبر 1993ء کو محترمہ بےنظیر بھٹو پاکستان کی وزیراعظم بنیں تو انہوں نے اپنی پارٹی کے نہایت وفادار رہنما جناب محمد فاروق خان لغاری کو صدارتی امیدوار نامزد کیا۔ 14 نومبر 1993ء کو جناب محمد فاروق خان لغاری پاکستان کے صدر بنے۔ انہوں نے (b) (2) 58 کے تحت اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے 5 نومبر 1996ء کو پارلیمان کو تحلیل کیا اور محترمہ بےنظیر بھٹو کی حکومت بھی برخواست ہوئی۔ نئے انتخابات کے نتیجہ میں 18 فروری 1997ء کو میاں محمد نواز شریف قائد مسلم لیگ (ن) وزیراعظم منتخب ہوئے۔ وزیراعظم میاں محمد نواز شریف نے پارلیمان سے دستور میں تیرہویں اور بعد ازاں چودھویں ترمیم پاس کر کے صدر کے (b) (2) 58 کے تحت لامحدود اختیارات کو محدود کیا۔ چونکہ مسلم لیگ (ن) پارلیمان میں تین چوتھائی اکثریت حاصل کرنے کی حیثیت میں تھی اس لیے صدر پر مواخذہ کی تلوار بھی لٹک رہی تھی۔ صدر نے پارلیمان سے پاس کردہ دستور میں تیرہویں اور چودھویں ترمیم پر دستخط کر کے انہیں Ratify کیا۔ ابھی اس بحران کی دھول نہیں بیٹھی تھی کہ عدلیہ کا انتظامیہ اور مقننہ کے ساتھ ٹکراؤ شروع ہوا۔ اگست 1997ء میں سپریم کورٹ کے چیف

جسٹس جناب جسٹس سید سجاد علی شاہ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف پر توہین عدالت کا مقدمہ کیا اور وزیراعظم کو اپنی عدالت میں پیش ہونے کا حکم دیا۔ نومبر 1997ء میں پارلیمان نے توہین عدالت کے قانون کا ترمیمی بل پاس کر کے صدر کو دستخط کر کے Ratify کرنے کے لیے بھیجا تو چیف جسٹس جناب جسٹس سید سجاد علی شاہ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے سماعت کی اور فیصلہ دیا جس میں صدر پاکستان کو حکم دیا گیا کہ وہ توہین عدالت کے ترمیمی بل کو دستخط کر کے Ratify نہ کریں۔ غالباً دستور میں سپریم کورٹ کے پاس اس قسم کا کوئی اختیار نہیں تھا کہ وہ صدر پاکستان کو پارلیمان سے پاس کردہ بل پر دستخط کر کے Ratify کرنے سے منع کرے۔ اس طرح کے کچھ مزید معاملات کے متعلق بھی بحران چل رہا تھا کہ 28 نومبر 1997ء کو اسلام آباد میں سپریم کورٹ پر ہلہ بولنے کا نہایت ناخوش گوار واقعہ پیش آیا۔ بعدازاں سپریم کورٹ کے کوئٹہ بینچ نے ایک مقدمہ کی سماعت کر کے فیصلہ دیا کہ جسٹس سید سجاد علی شاہ سینیارٹی کی بنیاد پر چیف جسٹس ہونے کے اہل نہیں۔ آخر کار جسٹس سید سجاد علی شاہ مستعفی ہوئے اور جسٹس سعید الزماں صدیقی کو سینئر ترین جج ہونے کی بنا پر سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بنا دیا گیا۔ 2 دسمبر 1997ء کو جناب صدر محمد فاروق خان لغاری بھی مستعفی ہو گئے۔

1998ء میں پاکستان کے اندرونی سیاسی معاملات قدرے پرسکون رہے۔ 11 اور 13 مئی 1998ء کو انڈیا نے پوکھران کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ میں پانچ عدد ایٹمی ٹیسٹ دھماکے کیے۔ اس کے بعد انڈیا نے پاکستان کے ساتھ چوتھی جنگ کرنے کی دھمکیاں دینا شروع کیں۔ انڈیا کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے تو یہاں تک کہا کہ ان کا ایٹم بم بدمعاش پڑوسی ملک کو سبق سکھانے کے لیے ہے۔ یہ انڈین قیادت کی انتہائی ناعاقبت اندیشی تھی یا پھر انڈین قیادت کو امریکا اور مغرب کی طرف سے یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ پاکستان تو بحرانوں میں گھرا ہوا ہے، پاکستان کی معیشت کی حالت بھی ابتر ہے اس لیے مغرب کی طرف سے سخت تجارتی اور اقتصادی پابندیوں کا متحمل نہیں ہو سکتا یا پھر پاکستان کی قیادت میں اتنا دم نہیں کہ وہ امریکی اور مغربی دباؤ، بلیک میل اور دھمکیوں کو رد کر سکیں اس لیے پاکستان میں ایٹمی دھماکہ کرنے کا حوصلہ نہیں ہوگا۔ اور

لالچ اور طمانچہ Slap & apeasement کی حکمت عملی اختیار کر کے امریکا اور مغرب پاکستان کو ایٹمی دھماکا کرنے سے منع کرنے میں فوری طور پر کامیاب ہوسکیں گے اور بالآخر پاکستان کی ایٹمی استعداد کو ختم بھی کر دیں گے۔ شاید یہی وجوہات ہیں جو انڈیا مغرور اور بدمست ہوگیا تھا۔ پاکستان میں افواہیں گردش کرنے لگیں کہ اگر پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے تو شدید تجارتی اور اقتصادی پابندیاں اور بائیکاٹ ہوں گے۔ ملک کے اپنے وسائل اتنے نہیں کہ چل سکے۔ امریکا سے گندم بھی نہیں ملے گی نہ ہی آسٹریلیا وغیرہ سے گندم ملے گی۔ لوگ بھوکے مریں گے۔ خانہ جنگی ہوگی۔ لوٹ مار اور قتل و غارت گری ہوگی اور نعوذ باللہ ملک ختم ہو جائے گا۔ انڈیا کے دھماکوں کے بعد مئی 1998ء میں لاہور ایوان صنعت و تجارت میں ایک اجلاس ہوا۔ میں بھی ایک چھوٹی صنعت کا مالک ہونے کی حیثیت سے رکن تھا اور مجھے بھی مدعو کیا گیا تو میں بھی حاضر ہوا۔

جلاس میں بڑے صنعت کار، تاجر، دانش ور، صحافی اور پاکستان کے معاملات میں کلیدی رائے کی حامل شخصیات شامل تھیں۔ جن اصحاب کو میں پہچان سکا وہ تھے جنرل (ر) حمید گل، جناب عبدالقادر حسن اور جناب ڈاکٹر چغتائی سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی۔ اجلاس میں ہر شخص نے اپنی اپنی رائے دی۔ ایک صحافی جسے میں نہیں پہچانتا، انہوں نے دھماکا کرنے کی صورت میں نہایت مایوس کن اور بھیانک منظر پیش کیا اور جس قسم کی افواہیں گردش کر رہی تھیں وہ ساری دہرائیں اور رائے دی کہ دھماکا نہیں کرنا چاہیے۔ انہیں ایک تاجر نے ڈانٹا۔ اجلاس میں بدمزگی ہوئی مگر جناب عبدالقادر حسن نے ماحول کو درست کیا۔

ڈاکٹر چغتائی صاحب نے نہایت پراثر تقریر کی۔ فرمانے لگے کہ پاکستان میں چاول وافر ہے اور لاکھوں ٹن ایکسپورٹ کیا جاتا ہے۔ گندم بھی اگر سمگل ہو کر ملک سے باہر نہ جائے تو وہ بھی کافی ہے۔ اس لیے خوراک کی کمی کی صورت حال پیش نہیں آئے گی۔ یہ کہنا کہ لوگ بھوکوں مریں گے، درست نہیں۔ نہ لوگ بھوکے مریں گے، نہ خانہ جنگی ہوگی اور نہ ہی لوٹ مار کی نوبت آئے گی۔ جہاں تک دیگر معاشی معاملات ہیں تو 1947ء میں پاکستان کے جو حالات تھے آج اس سے کہیں بہتر ہیں۔ 1947ء کے

بدترین حالات میں یہ قوم قائم رہی تو ابھی کے حالات میں بھی پاکستان قائم رہے گا اس لیے دھماکہ کر کے اپنی ایٹمی قوت کو دنیا پر ظاہر کر کے انڈیا کی بدمستی کا جواب دینا چاہیے۔ آخر میں متفقہ قرارداد منظور ہوئی کہ پاکستان کو ایٹمی دھماکے کرنے چاہئیں۔ پاکستان کی کئی اہم شخصیات نے بھی وزیراعظم محمد نواز شریف کو دھماکا کرنے کا مشورہ دیا۔ یہ صورت حال بنی کہ (Now or Never) یعنی ''ابھی نہیں تو پھر کبھی نہیں'' دھماکے کر پائیں گے۔ جناب مجید نظامی صاحب نے بھی محمد نواز شریف کو کہا کہ جناب اگر آپ نے ایٹمی دھماکا نہ کیا تو قوم آپ کا دھماکا کر دے گی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے بھی تحریری طور پر وزیراعظم محمد نواز شریف کو دھماکے کرنے کا پرزور مشورہ دیا۔ بالآخر امریکا کی طرف سے اربوں ڈالر کی امداد کی لالی پاپ اور دباؤ اور دھمکیوں کو رد کر کے وزیراعظم محمد نواز شریف نے ایٹمی ٹیسٹ کرنے کے لیے سائنس دانوں کو حکم صادر فرمایا۔

پاکستان کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ پر انڈو اسرائیلی فضائی حملے کے خطرات کے پیش نظر بلوچستان میں چاغی کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ کی چوبیس گھنٹے نگرانی شروع ہوئی۔ ان دنوں میں لاڑکانہ گیا ہوا تھا اور اپنے ایک عزیز ڈاکٹر جان محمد بگٹی کے گھر میں رتو ڈیرو میں قیام پذیر تھا۔ 28 مئی 1998ء کا دن نہایت گرم تھا۔ پارا 53°c سے اوپر جا رہا تھا۔ شدید گرم لو کے تھپیڑے پڑ رہے تھے۔ AC بھی جواب دے گئے تھے۔ پاک فضائیہ کے F-16 لڑاکا طیارے فضا میں مستقر تھے اور لمبے چکر لگاتے ہوئے رتو ڈیرو تک فضا میں نظر آ رہے تھے۔ میں نے سب کو کہا کہ آج کچھ اہم ہونے والا ہے۔ شام کی چار بجے کی خبروں کے بلیٹن میں اعلان ہوا کہ آج 28 مئی 1998ء کو شام تین بج کر سولہ منٹ پر بلوچستان میں چاغی کے پہاڑ میں بنی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ ٹنل میں پاکستان کے سائنس دانوں نے ایٹمی ٹیسٹ کے تین کامیاب دھماکے کیے۔ ہم سب کے چہرے خوشی سے دمک گئے اس کے بعد 30 مئی 1998ء کو مزید تین کامیاب دھماکے کر کے پاکستان دنیا کا ساتواں اور عالم اسلام کا پہلا ایٹمی قوت ملک بن گیا۔

لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز نے اپنی تصنیف ''یہ خاموشی کہاں تک'' کے باب 43 میں پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کے متعلق یوں تحریر کیا ہے:

''MO کے پلاننگ روم (Planning Room) میں خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے جنرل جہانگیر کرامت کی طرف دیکھا، ''سر سب تیار ہیں''۔ انہوں نے کہا، ''بسم اللہ''۔ میں نے یہی الفاظ فون پر دہرائے۔ چاغی سے آواز آئی، ''بسم اللہ''۔ کچھ دیر میں کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہوگیا، میں گنتی دہراتا رہا۔ ایک ایک لمحہ سب پر بھاری تھا، دل دھڑک رہے تھے، میری ہتھیلیاں پسینے سے بھیگی ہوئی تھیں۔ پھر فون پر ''اللہ اکبر'' کے نعرے گونجنے لگے، میں نے بھی کہا، ''اللہ اکبر، دھماکہ کامیاب ہوا''۔ سب نے کہا، ''اللہ اکبر''۔ کمرا خوشی سے جھوم اٹھا۔ الحمدللہ، ہم ایٹمی طاقت بن چکے تھے۔

28 مئی 1998ء کا تاریخی دن تھا۔ چیف آف آرمی سٹاف کے علاوہ، لیفٹیننٹ جنرل علی قلی خان، CGS، میجر جنرل توقیر ضیا اور ہمارے ساتھ کچھ اور سٹاف افسران موجود تھے۔ ہم سب بہت پُر جوش (excited) تھے۔ کتنے ہی دنوں سے تیاریاں جاری تھیں، لیکن حکومت فیصلہ ہی نہیں کر پا رہی تھی۔ آج ہمارا ملک دنیا میں ایک نئی ایٹمی طاقت بن چکا تھا۔ ہمارا سر فخر سے بلند تھا۔ اب اسے کوئی نہیں جھکا سکے گا۔

سب کے چہروں سے خود اعتمادی اور عزم پھوٹ رہا تھا۔ نہ جانے اب کیا کرنا تھا؟ لیکن جو بھی تھا، ہم کر سکتے تھے۔ پانی پر چل سکتے تھے۔ ساری مسلم اُمہ کے لیے آج کا دن فخر کا دن تھا۔ آج ہمیں اللہ نے وہ طاقت بخشی تھی کہ اگر غلام ذہنیت کے آقاؤں سے، جو صرف غلامی اس لیے قبول کیے بیٹھے ہیں کہ اُن کی بادشاہت چلتی رہے اور دولت محفوظ رہے، چھٹکارا حاصل کر لیں تو دنیا کی کوئی طاقت ہمیں زیر نہیں کر سکتی۔ اب ہم سر اُٹھا کر جی سکتے ہیں، اگر حوصلہ کریں۔

جب 11 مئی 1998ء کو ہندوستان نے ایٹمی دھماکے کیے تو ہم سب جوابی کارروائی کے لیے ڈٹ گئے تھے۔ آرمی چیف کا حکم تھا کہ فوری طور پر تمام تیاریاں مکمل کر لی جائیں۔ حکومت فیصلہ کرنے پر کافی ہچکچا رہی تھی۔ MO نے چیف کو کچھ ٹاکنگ پوائنٹس (talking points) بنا کر بھی دیئے، جو دھماکہ کرنے یا نہ کرنے کے فیصلے پر اثرانداز ہوتے تھے۔ کئی بار اُن کی ملاقات وزیراعظم نواز شریف صاحب سے بھی ہوئی، مگر وہ دونوں صورتوں کے انجام سے خائف تھے۔ ہم لگاتار تیاریوں میں مشغول رہے، اور ہمارے سائنس دان بھی۔

خبر تھی کہ ہندوستان اسرائیل کے ساتھ مل کر ہمیں ٹیسٹ سے روکنے کی کوشش کرے گا۔ یہ بھی پتا چلا کہ اسرائیل کے کچھ جدید لڑاکا تیارے ہندوستان پہنچ چکے ہیں۔ امریکا کہ بحریہ کے کئی جہاز، بشمول ایئرکرافٹ کیریئر (air craft carrier)، ہمارے ساحل پر گھوم رہے تھے۔ ساحلی علاقوں میں اُن کی فضائی پروازیں لگاتار جاری تھیں، جو گاہے بگاہے ہماری فضائی حدود کی خلاف ورزی بھی کرتے رہتے۔ سفارتی سطح پر وہ ہمیں ٹیسٹ سے روکتے رہے، دھمکاتے رہے۔ عسکری ہتھکنڈوں سے ڈراتے رہے۔ بھوک اور افلاس کا خوف دلاتے رہے۔ فوج ہر طرح سے دھماکا کرنے کے حق میں تھی، تیاری بھی مکمل کے قریب تھی، صرف حکومت کو رضامند کرنا تھا۔

انڈیا کے دھماکے کے بعد سے MO لگاتار رات دن کام میں مصروف رہا۔ ٹیسٹ کے علاقے میں کافی سپاہ پہنچائی تھیں۔ زمینی اور فضائی حملوں کے خلاف ایک مضبوط دفاع قائم کی گئی، جس میں PAF کا کردار نہایت اہم تھا۔ پھر سائنس دانوں اور ٹیسٹ کے اہم سازوسامان کو وہاں پہنچانا تھا۔ اس میں بھی PAF کا کردار رہا۔ ہم ہر طرح سے ایٹمی ٹیسٹ کے علاقے کی دفاع کرنے کو تیار تھے۔ آخر نواز شریف صاحب مان گئے۔

فوج کے علاوہ نہ جانے اُن پر اور کس کس کا دباؤ تھا۔ شاید سب سے کارگر یہ ذہنی دباؤ رہا ہو کہ ''سنہری تاریخی سیاسی فائدہ کیوں کھوتے ہو؟''

آج کل ایک نئی سوچ کو پاکستان کے دشمن، پیسے کے بل پر، تقویت پہنچا رہے ہیں۔ وہ یہ کہ ایٹمی صلاحیت ہمارے لیے نقصان دہ ہے۔ جیسے یہ صلاحیت حاصل کر کے ہم سے کوئی غلطی ہوگئی ہو، اور ہم بجائے طاقتور ہونے کے کمزور ہوگئے ہوں۔ اُن کا کہنا ہے کہ ہم نے ایٹمی صلاحیت حاصل کی تھی خود کو بچانے کے لیے، اب اسے بچاتے بچاتے خود کو تباہ کر لیں گے۔ کیسی شکست آلود سوچ ہے! پاکستان میں ان سوچوں کو امریکہ نواز پاکستانی فروغ دے رہے ہیں تاکہ قوم کو ذہنی طور پر، امریکہ کے ایجنڈے کے مطابق، ایٹمی صلاحیت سے دستبردار ہونے کے لیے تیار کیا جائے۔

کارگل کی مثال دیتے ہوئے، کہ کیا ہم ایٹمی طاقت ہونے کے باوجود کچھ کر سکے؟ کیا کرنا تھا جو نہیں کر سکے؟ اس میں ایٹمی طاقت کا کیا قصور تھا؟ کارگل سے تو تختہ اُلٹنے کے حالات پیدا ہوئے، اور تو اس کا کچھ حاصل نہ تھا۔ شاید اگر ہم اتنے طاقتور نہ ہوتے تو اس بیوقوفی کی بہت بڑی سزا بھگتنی پڑتی۔ پھر شاید ہندوستان حملہ کرنے سے نہ چوکتا، اور نہ ہی امریکہ لڑائی بند کرانے میں دلچسپی رکھتا۔ پھر تو اس جسے میں امریکا کا کھیل اور آسان تھا۔ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ افغانستان کے حالات میں اس سے ہمیں کیا تقویت ملی؟ سوچنا یہ ہے کہ اگر یہ طاقت نہ ہوتی تو کیا یہ سب نہ ہوتا؟ تو اور کیا کیا ہوتا؟ امریکا کا کھیل بہت جلد ختم ہو جاتا۔ یہ صلاحیت غریب عوام کا پیٹ کاٹ کر حاصل نہیں کی گئی۔ اس پر اتنے اخراجات ہی نہیں آئے۔ غریب عوام کا پیٹ کاٹ کر تو صرف حکمران پنپ رہے ہیں، ایٹمی صلاحیت کے حصول میں عوام پر کوئی ایسا بوجھ نہیں ڈالا گیا کہ ملک میں افلاس چھا جاتا۔

ہمارے دشمن دنیا کو اس پروپیگنڈے سے ڈراتے ہیں کہ پاکستان کی ایٹمی صلاحیت غیر محفوظ ہے اور اگر یہ ''دہشت گردوں'' کے ہاتھوں آ گئی تو دنیا کے لیے بہت خطرہ ہوگا۔ یہ سوچ اُس ذہن کی پیداوار ہے جو پاکستان کی ایٹمی صلاحیت سلب کرنا چاہتا ہے اور ابھی سے اس قسم کی سوچیں پیدا کر رہا ہے، کہ جب وقت آئے تو قوم ایٹمی صلاحیت کھونے پر ذہنی طور پر تیار ہو چکی ہو، اور دنیا ہم سے یہ طاقت چھیننے والے کے لیے تالیاں بجائے۔ اس پر جو خرچہ آئے اور جو بھی ظلم کرنا پڑے، اُسے دنیا جائز سمجھے، کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال بھی۔ اصل خوف یہ نہیں کہ ہمارے پاس یہ صلاحیت ہے۔ اصل خوف یہ ہے کہ اگر پاکستان میں کوئی ایسا حکمران آ گیا جو دل میں اللہ کا خوف رکھتا ہو تو پھر کیا ہوگا؟ کوئی ایسا حکمران جو صرف منہ سے نہ کہے کہ میں ڈرتا نہیں، بلکہ واقعی صرف اللہ ہی سے ڈرتا ہو۔ افسوس ہے اُن پاکستانیوں پر جو دشمن کے اس کھیل میں شامل ہیں، یا تو وہ احمق ہیں یا غدار''۔[1]

اب انڈیا میں کھلبلی مچ گئی۔ 30 مئی 1998ء کو انڈیا کے پارلیمینٹیریز نے لوک سبھا میں ہنگامہ برپا کیا۔ کہنے لگے کہ اگر انڈیا ایٹمی دھماکے نہ کرتا تو پاکستان کبھی بھی ایٹمی دھماکہ نہ کر پاتا۔ یوں انڈیا نے ایٹمی دھماکے کر کے پاکستان کے لیے ایٹمی دھماکے کرنے کا جواز پیدا کیا اور پاکستان ایٹمی قوت ملک بن گیا جس کی وجہ سے انڈیا کی ایٹمی قوت خاک ہوگئی۔ انڈیا کی قیادت کی زبان بھی نرم ہوگئی۔ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کہنے لگے کہ وہ پاکستان کے ساتھ اپنے معاملات مذاکرات کے ذریعے حل کرنے کے لیے تیار ہیں۔ یوں انڈیا اور پاکستان کے درمیان طاقت میں برابری اور بیلنس آف پاور کے نئے دور کا آغاز ہوا۔ پاکستان میں معاشی بحران ضرور آیا مگر عوامی حمایت سے اس بحرانی دور کے امتحان میں بھی قوم سرخ رُو ہوئی۔

1۔ نوٹ: ان اقتباسات کو اپنی کتاب میں تحریر کرنے کے لیے جناب جنرل شاہد عزیز کی اجازت کا ممنون ہوں۔ مصنف

SHAHEEN

مئی 1999ء میں معمول کے مطابق میں نے صبح کے وقت اپنے گھر کے ورانڈے میں بیٹھ کر اخبار کا مطالعہ کیا تو کارگل کے محاذ پر لڑائی چھڑ جانے کی خبر پر نظر پڑی۔ یقین کیجیے کہ لمحہ بھر کے لیے مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ کئی سوال ذہن میں ابھرے۔ پاکستان نے کارگل میں انڈیا کی پوسٹوں پر قبضہ تو کر لیا، کیا انہیں قابو بھی رکھ سکیں گے؟ Can we hold it? ۔ ہم نے موقف اختیار کیا کہ مجاہدین نے قبضہ کیا ہے۔ یہ موقف تو سراسر بے وقوفی ہے۔ ہم مجاہدین کو اپنے ذمہ میں نہیں لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مجاہدین کشمیری ہیں، پاکستان ان کو اسلحہ نہیں دیتا۔ ان کی عسکری امداد نہیں کرتا فقط ان کی اخلاقی حمایت کرتا ہے۔ اب انڈیا نے جوابی حملہ تو کرنا ہے۔ یہ کتنی بڑی بے وقوفی ہے کہ ہماری اعلیٰ عسکری قیادت نے جنگ کے پہلے ہی روز سے اپنی فوجوں کو Abandon کیا اور ان کی امداد کی ذمہ داری سے دستبردار ہوئے۔ یہ تو ایسا ہے کہ اپنی فوجوں کو مقتل میں داخل کر کے تباہ ہونے کے لیے چھوڑ دیا گیا اور کوئی لاجسٹک سپورٹ بھی نہیں دی۔ اب جب انڈیا کی فوجیں ہمارے افسر اور جوانوں پر حملہ کریں گے تو ہمارے پاس کیا جواز رہ گیا کہ ہم بھی اپنی فوجوں کو بچانے کے لیے انڈیا کے ساتھ لڑائی کریں گے۔ اف خدایا! پاک فوج کی اعلیٰ قیادت کی یہ کیسی مہم جوئی (mis-adventure) ہے۔ خدا خیر کرے! ان سوچوں کی وجہ سے میں چکرا سا گیا۔ اٹھ کر پانی پی لیا تو کچھ سنبھل سا گیا۔ حالیہ تحقیق سے یہ منکشف ہوا کہ انڈیا کے جوابی حملہ کے بعد پاک فوج اپنے افسر اور جوانوں کو کارگل میں اگلے مورچوں پر گولیاں، اسلحہ، راشن یعنی لاجسٹک پہنچانے میں مطلق ناکام رہی۔ کیپٹن کرنل شیر جیسے 500 سے زائد شیر جوان اپنی رائفل کی آخری گولی تک فائر کر کے، دست بدست سنگینوں سے لڑائی کرنے کے لیے مورچوں سے باہر آئے، دشمن کو للکارا اور دشمن کی گولیوں سے شہید ہوئے۔ اگر یہ سب ہونا تھا تو پھر ایسی مہم جوئی کیوں کی گئی؟

مئی 1999ء میں کارگل کے محاذ پر دو ایٹمی ممالک انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ عین ممکن تھا کہ جنوبی ایشیا میں ایٹمی جنگ چھڑ جاتی مگر مغرب اور دیگر بین الاقوامی قوتوں کی قیادت کی کاوشوں سے بچ بچاؤ ہوا اور دنیا ایک بڑی تباہی سے بچ گئی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ دنیا کی طاقتیں مل کر بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی

روشنی میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان تمام مسائل کا تصفیہ کراتیں تاکہ جنوبی ایشیا میں ایک طرف امن ہوتا اور ہتھیاروں کی دوڑ کا اختتام ہوتا اور دوسری طرف صدیوں سے محرومیوں کے شکار عوام کو بھی سکون ملتا اور خطے میں معاشی خوش حالی آتی مگر انڈیا کے رہنماؤں کی تنگ نظری اور دنیا کی طاقتوں، خاص طور پر امریکا اور مغرب کے یک طرفہ انڈیا کی طرف جھکاؤ اور پاکستان کے ساتھ منافقانہ مخاصمت کی بنا پر جنوبی ایشیا میں ایک نئی کشمکش اور اس کے نتیجے میں اسلحے کی دوڑ شروع ہوئی جو آج دن تک جاری ہے۔ انڈیا کی قیادت پاکستان کو کمزور کرنے اور پاکستان کی طاقت کو کچلنے کے لیے عالمی حمایت حاصل کر کے دن رات سازشیں بنانے اور ان پر عمل درآمد میں مصروف ہے۔ دوسری طرف امریکا نے پاکستان کے میزائل پروگرام کو کچھ ایسے زاویہ سے لیا کہ اگر پاکستان ICBM یعنی بین البراعظمی بیلسٹک میزائل بنانے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر برابری کے سلوک کا مستحق اور روادار ہوگا۔ پاکستان کے ساتھ برابری کی سطح پر خارجہ تعلقات کی صورت میں امریکا ایشیا میں اپنے قومی مفاد کے وہ اہداف حاصل نہیں کر سکتا جو وہ حاصل کرنے کی خواہش رکھتا ہے۔ یقیناً امریکا کا اولین ہدف پاکستان کا ترقی کرتا ہوا میزائل پروگرام بنتا ہے جس کو بریک لگانا امریکا کے لیے ضروری گردانا گیا ہے تاکہ پاکستان کو ایسے ڈلیوری نظام سے محروم رکھا جائے جس کی بدولت دنیا کے کسی بھی ملک پر ایٹم بم گرانے کی صلاحیت حاصل ہوتی ہو۔ اب امریکی انتظامیہ اور اس کے جاسوسی ادارے سی آئی اے CIA کا اولین ہدف ڈاکٹر عبدالقدیر خان تھے۔ پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور میزائل پروگرام کے روحِ رواں کی حیثیت سے دنیا میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی خوب شہرت تھی۔

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کے کام کو روکنے کے راستے میں پاکستان میں جمہوری حکومت حائل تھی۔ محمد نواز شریف کے زیر قیادت جمہوری حکومت کے ہوتے ہوئے ڈاکٹر عبدالقدیر خان اور اس کے پروگرام کو نہیں روکا جا سکتا تھا۔ ایشیا میں دیگر امریکی اہداف کے حصول کے لیے پاکستان کے کلی وسائل کے استعمال کو بھی ضروری سمجھا جاتا تھا۔ امریکی تھنک ٹینک کی رائے میں وزیراعظم محمد نواز شریف کی قیادت میں جمہوری حکومت پاکستان کو امریکا کے تصرف میں دے کر استعمال ہونے نہیں دے گی۔ 1998ء میں

نائیجیریا میں امریکی سفارت خانے کو بارود سے بھرا ٹرک ٹکرا کر تباہی مچا دی گئی تو امریکا نے بدمست ہو کر غریب اسلامی ملک سوڈان اور افغانستان پر کروز میزائل داغے۔ سوڈان میں دوائیاں بنانے کی ایک فیکٹری کو تباہ کیا گیا جبکہ افغانستان پر داغے گئے کروز میزائل کی اکثریت بلوچستان کے مختلف صحرائی ریگ زاروں میں گر گئی۔ کچھ سخت زمین پر ٹکرانے کی وجہ سے خراب ہوئے مگر کچھ میزائل ریتلی زمین میں گھستے ہوئے رک گئے اور سالم رہے۔ ایسے سالم کروز میزائلوں سے کروز ٹیکنالوجی کا حصول آسان ہو گیا۔ ویسے بھی دوسری جنگ عظیم کے خاتمے کے بعد اتحادی فوجوں نے جرمنی پر قبضہ کیا تو روس، امریکا، فرانس اور برطانیہ جرمنی کے V-2 میزائل جو کہ تیاری کے مختلف مراحل میں تھے اور اکثر تیار حالت میں تھے انہیں اٹھا کر اپنے اپنے ممالک میں لے گئے۔ پھر ان ممالک نے جرمنی کی راکٹ ٹیکنالوجی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے راکٹ اور میزائل بنائے۔ تا آں کہ ICBM میزائل اور خلا میں پہنچانے کے لیے راکٹ بھی تیار کیے۔ امریکی کروز میزائل کا پاکستان میں گر جانا شاید پاکستان کے سائنس دانوں اور انجینئروں کو اللہ کی طرف سے دی گئی نعمت بن گیا۔ امریکی کروز میزائلوں سے افغانستان کا کچھ نہیں بگڑا مگر امریکا نے اپنا غصہ اتار دیا۔ بعد میں 2005ء میں پاکستان کے سائنسدانوں اور انجینئروں نے بابر کروز میزائل بنا لیے جو امریکی Tomhawk BGM-109 کروز میزائل سے زیادہ جدید اور بہتر ہے۔ بابر کروز میزائل کی رینج 500 کلومیٹر ہے۔ ایٹمی وار ہیڈ سے مسلح بابر کروز میزائل، زمین سے زمین پر فضا سے زمین پر اور سب میرین سے زمین پر فائر کیے جا سکتے ہیں۔ انڈیا نے اسرائیل سے امریکی ساختہ پیٹریاٹ میزائل دفاعی نظام خرید لیے ہیں جن کے ذریعے فضا میں دشمن کے میزائلوں کو نشانہ بنا کر تباہ کیا جا سکتا ہے۔ بابر کروز میزائل نے انڈیا کے پیٹریاٹ میزائل دفاعی نظام کو بے اثر کر دیا۔ یوں غوری میزائل ٹیکنالوجی کچھ اس طرح کی ہے کہ اس کو پیٹریاٹ میزائل دفاعی نظام نشانہ نہیں بنا سکتا۔

2001ء میں امریکی کانگریس میں سابق امریکی صدر بل کلنٹن سے سوال کیا گیا کہ نائیجیریا بم دھماکا کے واقعے کے بعد آپ نے افغانستان پر کیوں حملہ نہیں کیا تو بل کلنٹن نے کہا کہ انہوں نے پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف سے پاکستان کی

سرزمین اور فضائی حدود استعمال کرنے کی اجازت طلب کی تا کہ امریکا افغانستان پر حملہ کر سکے مگر وزیراعظم محمد نواز شریف نے مطلق انکار کیا۔ پاکستان کی سرزمین اور فضائی حدود استعمال کیے بغیر افغانستان پر حملہ کر کے کامیابی حاصل کرنا ممکن نہ تھا۔ امریکی انتظامیہ نے افغانستان پر قبضہ کرنے کی حکمت عملی تیار کی ہوئی تھی۔ اب ان کو ضرورت تھی کہ پاکستان میں کوئی ایسا حکمران لایا جائے جو ایٹمی پاکستان کو کلی طور پر امریکا کے تصرف میں دے دے۔ ماضی میں بھی برطانیہ اور امریکا نے کچھ اس طرح کی حکمت عملی بنائی اور خطے میں اپنے کٹھ پتلی حکمران لا کر اپنے عزائم کی تکمیل کرتے رہے۔ ہندوستان میں انگریز راج میں جنرل ڈائر نے جلیانوالہ باغ میں نہتے ہندوستانی عوام کا قتل عام کیا تھا۔ یہ وہی جنرل ڈائر ہے جس نے مٹھی بھر انگریز سپاہیوں کے زور سے تھوڑا تھوڑا کر کے بلوچستان پر قبضہ کیا تھا۔ جنرل ڈائر کے ساتھ بلوچستان کا رہائشی ایک بلوچ تھا جس نام عید محمد تھا اور اسے عیدو کہہ کر بلایا جاتا تھا۔ عیدو انگریز جنرل ڈائر کا صلاح کار تھا۔ وہ جنرل ڈائر اور بلوچ سرداروں کے درمیان ترجمان، مذاکرات کار اور مصالحت کار کا کام کیا کرتا تھا اور بلوچ سرداروں کو انگریز کی طاقت سے ڈرا دھمکا کر انگریزوں کے حق میں معاہدے کرواتا تھا۔ آہستہ آہستہ انگریز پورے بلوچستان پر چھا گئے۔ جنرل ڈائر نے اپنی کتاب (اردو ترجمہ) ''بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار'' کے آخری صفحہ پر لکھا کہ ''کسی قوم کو غلام بنانے کے لیے ایک عیدو کافی ہوتا ہے۔'' آخر کار عیدو نے انگریز سرکار سے خطیر رقم لے کر اپنے علاقے کو خیر باد کہا اور ایران کے شہر زاہدان میں سکونت اختیار کر لی۔

امریکی مفادات کا چارہ گر ڈکٹیٹر:

1999ء میں امریکا کو کچھ اس طرح کے شخص کی ضرورت پڑی جو پاکستان کا حکمران بن کر پاکستان کو امریکی مفاد کی تکمیل کے لیے ہر طرح سے استعمال کرنے دے۔ ستمبر 1999ء میں فوج کی اعلیٰ قیادت کا جنرل پرویز مشرف چیف آف آرمی سٹاف کے زیرِ صدارت اجلاس ہوا جس میں غالباً فوجی بغاوت کرنے کے متعلق کچھ فیصلے کیے گئے۔ امکان یہ ہے کہ اس اجلاس میں کوئٹہ کے کور کمانڈر جنرل طارق پرویز نے مخالفت کی۔ ساتھ میں جنرل طارق پرویز نے اس قصے کی خبر وزیراعظم جناب محمد نواز شریف تک

پہنچا دی۔ اس کی پاداش میں چیف آف آرمی سٹاف جنرل پرویز مشرف نے جنرل طارق پرویز کو جبری ریٹائر کر دیا۔ آنے والی فوجی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لیے وزیراعظم نے پاکستان آرمی کے سارے کور کمانڈروں سے جونیئر لیفٹیننٹ جنرل ضیاء الدین بٹ DG ISI کو جنرل کے عہدہ پر ترقی دے کر چیف آف آرمی سٹاف مقرر کیا۔ یوں ایک تیر سے دو ہدف حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جونیئر جنرل کو ترقی دے کر چیف آف آرمی سٹاف بنانے کا مطلب سارے سینئر لیفٹیننٹ جنرل خود بخود ریٹائر ہونے کی درخواست دیں گے۔ یہ فوج کی رسم ہے۔ یوں وزیراعظم محمد نواز شریف کی حکومت کا تختہ الٹنے کا ارادہ رکھنے والے جنرلوں سے چھٹکارا حاصل کیا جا سکے گا۔ بعد کی اس رسہ کشی کی صورت حال میں جنرل پرویز مشرف ملک میں موجود نہ تھے مگر ان کی جگہ نئے چیف آف آرمی سٹاف کا تقرر کر کے انہیں رینک بھی لگا دیئے گئے اور جنرل پرویز مشرف کی ریٹائرمنٹ اور نئے چیف آف آرمی سٹاف جنرل ضیاء الدین بٹ کے تقرری کے احکامات بھی جاری کیے جا چکے تھے اور انہیں رینک بھی لگایا جا چکا تھا۔ یہ عمل 12 اکتوبر 1999ء کو شام پانچ بجے تک مکمل ہو چکا تھا۔ بعد میں جنرل ہیڈ کوارٹر میں چیف آف جنرل سٹاف نے راول پنڈی اور کراچی کے کور کمانڈروں کی معاونت سے فوجی بغاوت کر دی۔ وزیراعظم محمد نواز شریف، جنرل ضیا الدین بٹ اور دیگر کو قید کر لیا گیا۔

جنرل پرویز مشرف نے اپنے چند ساتھیوں سمیت سری لنکا سے فوراً پاکستان کا ہوائی سفر اختیار کیا اور وہ بھی رات گئے کراچی ایئرپورٹ پر لینڈ کر گئے۔ کراچی ایئرپورٹ کو شام گئے ہی سے کراچی کے کور کمانڈر کے احکامات سے فوج نے اپنے قبضے میں لیا ہوا تھا اور جنرل عثمانی بذات خود جنرل پرویز مشرف کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ شام پانچ بجے کے کچھ دیر بعد سے ریڈیو پاکستان کے تمام سٹیشنوں، TV کے تمام سٹیشنوں اور ملک کے ایئرپورٹس کو فوج نے اپنے قبضے میں لے لیا تھا۔ ٹیلی فون روابط بھی منقطع ہو گئے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی مکمل بلیک آؤٹ تھا۔ تقریباً رات گزر گئی، 13 اکتوبر کو صبح تین بجے ٹیلی ویژن کی نشریات دوبارہ بحال ہوئیں اور اعلان ہوا کہ جنرل پرویز مشرف قوم سے خطاب کریں گے۔ جنرل پرویز مشرف اپنے آپ کو ملک کے چیف

ایگزیکٹو کا عہدہ دے کر پاکستان کا مطلق العنان حکمران بن گیا۔ دستور کو معطل کیا گیا۔ ملک میں ایمرجنسی کا نفاذ کر کے عوام کو بنیادی انسانی حقوق سے محروم کیا۔ اگلے روز پروویژنل کانسٹیٹیوشنل آرڈر (PCO) نافذ کیا اور ملک کی اعلیٰ عدالت کے ججوں کو PCO کے تحت حلف لینے کا حکم دیا گیا۔ کچھ جج صاحبان نے PCO کے تحت حلف لینے سے انکار کیا تو انہیں برخواست کیا گیا جبکہ جج صاحبان کی اکثریت نے PCO کے تحت حلف لیا۔ ان ججز نے فوجی بغاوت کو درست اقدام قرار دیا اور جنرل پرویز مشرف کو پابند کیا کہ وہ 12 اکتوبر 2002ء تک انتخاب کروا کر دستور بحال کریں۔ ملک کی اعلیٰ عدالت سے تین سال کے لیے مطلق العنان آمر کی حیثیت سے حکمرانی کرنے کا قانونی اور اخلاقی جواز حاصل کرنے کے بعد جنرل پرویز مشرف نے ملک کی قسمت کے ساتھ کھیلنے کا عمل شروع کیا۔

ستمبر 1999ء تک پاکستان کے وزیراعظم محمد نواز شریف کی قیادت میں نیوکلیئر کمانڈ اینڈ کنٹرول کے متعلق قانون سازی کی۔ ایٹمی میزائل کو استعمال کرنے والی فوجی یونٹیں بھی کھڑی ہوئیں اور ایٹمی اثاثہ جات کی حفاظت کے متعلق بھی مکمل انتظامات کر لیے گئے۔ 280 کلومیٹر سے 3500 کلومیٹر تک ایٹمی وار ہیڈ سے لیس ہو کر مار کرنے والے میزائل بھی تیار ہو چکے تھے۔ مغرب میں اسرائیل اور مشرق میں پورا انڈیا ہمارے میزائلوں کی رینج میں تھے۔ پاکستان کے پاس اتنی قوت تھی کہ وہ انڈیا پر چند منٹوں میں ٹھیک نشانے پر ایٹم بم گرانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ 2000ء میں نئی میلینئم کی آمد کے ساتھ نئی امیدیں بندھی رہیں۔ امریکا کے ہاتھی کے کھانے کے دانت باہر نکل کر نمایاں ہوئے اور وہ تیسری دنیا کے وسائل کو چھینے اور کاٹ کھانے کے لیے بے تاب ہوئے۔ نئی دنیا کے نظام کے اہداف حاصل کرنے کے لیے جنوبی ایشیا کے ایک غریب، نہتے اور بیسیوں برسوں سے جنگ کی وجہ سے برباد ہوئے اسلامی ملک پر لشکر کشی کی تیاریاں ہوئیں۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکا کے شہر نیویارک کی دو بلند وبالا عمارتیں فنا ہوئیں۔ کیمرا ٹرک کے ذریعے فلمیں بنائی گئیں۔ سعودی عرب کے باشندوں کو ملوث دکھایا گیا۔ ان باشندوں کا سربراہ اسامہ بن لادن کو بنایا گیا جو ان دنوں افغانستان میں تھے۔ افغانستان کی حکومت نے امریکا کو کہا کہ وہ اسامہ بن لادن کو بین الاقوامی ٹریبونل کے سامنے پیش

کرنے کو تیار ہیں مگر امریکا کی ایک ہی رٹ تھی کہ بس اب تو افغانستان پر حملہ ہی کریں گے۔ امریکی تحقیق کاروں کے مطابق یہ دونوں عمارتیں ایک یہودی کی ملکیت تھیں اور ان کا بیمہ ہو چکا تھا جبکہ حادثے والے دن کوئی بھی یہودی عمارت میں موجود نہ تھا۔ سارے یہودی جو اس عمارت میں کام کرتے تھے انہوں نے 11 ستمبر 2001ء کو چھٹی کر لی ہوئی تھی۔ ہوائی جہاز عمارت کے ایک کونے سے ٹکرائے تو عمارت کا ایک حصہ تباہ ہونا چاہیے تھا۔ عمارت کا عمودی گر کر ڈھیر ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے سارے ستونوں کو بیک وقت بارود سے اڑایا گیا جس کی وجہ سے پوری عمارت عمودی زمین دوز ہوئی۔ اکثر امریکیوں کی رائے ہے کہ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت دونوں عمارتوں کو تباہ کر کے امریکا نے واردات بنا لی اور اپنے ملک کو دنیا کے سامنے مظلوم ظاہر کر کے دنیا کی ہمدردیاں حاصل کر لیں۔

افغانستان پر حملہ کرنے کے لیے پاکستان میں امریکا کی مرضی کی قیادت موجود تھی۔ بقول صدر جنرل پرویز مشرف امریکا نے انہیں دھمکی دی کہ تم میرا ساتھ دو ورنہ امریکا سمجھے گا کہ پاکستان ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہے اور اگر پاکستان نے ساتھ نہ دیا تو پاکستان کو پتھر کے زمانے میں پہنچا دیں گے وغیرہ۔ پھر جنرل پرویز مشرف اعتراف کرتا ہے کہ انہوں نے اس معاملے پر وارگیمنگ کی تو پتا چلا کہ پاکستان کے پاس اتنی قوت ہی نہیں جو امریکا کو جواب دے کہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ ان سب باتوں کا اعتراف جنرل پرویز مشرف نے اپنی تصنیف In the Line of Fire میں کیا۔ لازماً جنرل پرویز مشرف نے وارگیمنگ ان جنرلز کے ساتھ کی جو اس کے ہم نوا اور ہم خیال تھے اور وہ تو اقتدار میں موجود اس گروپ کا حصہ تھے جن کو امریکا اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا تھا۔ اس وارگیمنگ میں جنرل طارق پرویز یا اس جیسے دیگر جنرلز بھی نہ تھے جو اپنے ملک کو غیروں کے مفاد کے لیے کبھی استعمال ہونے نہیں دیتے۔ مجھے یاد ہے کہ 1991ء میں جنرل جہانگیر کرامت ملتان میں ٹو کور کے کور کمانڈر تھے۔ میں نے ان کے ساتھ تبوک سعودی عرب میں سٹاف آفیسر کی حیثیت سے کام کیا تھا تو میں بہاول پور سے انہیں ملتان ملنے گیا۔ اب میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے پر تھا۔ میں نے ملاقات کے دوران

جنرل جہانگیر کرامت کو کہا کہ ''سر میں نے آپ کو دو مبارک بادیں دینی ہیں۔ ایک تو آپ میجر جنرل کے عہدہ سے ترقی پا کر لیفٹیننٹ جنرل کے عہدہ پر کور کمانڈر تعینات ہوئے۔ دوسرے آپ نے ڈیتھ پلین سے اتر کر نئی زندگی حاصل کی'' تو کہنے لگے کہ'' یہ سب تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔'' جنرل جہانگیر کرامت بہاول پور ہوائی اڈے پر جنرل ضیاالحق کے جہاز کی سیڑھیاں چڑھ رہے تھے کہ CGS جنرل افضال احمد نے انہیں کہا کہ آپ جنرل مرزا اسلم بیگ کے ہیلی کاپٹر پر جائیں، مجھے (جنرل افضال احمد کو) دوران سفر جنرل ضیاالحق کے ساتھ کچھ معاملات کے متعلق گفتگو کرنا ہے۔ یوں جنرل جہانگیر کرامت کو C130 سے اتر کر جنرل مرزا اسلم بیگ کے ہیلی کاپٹر پر سفر کرنا پڑا۔ C130 تو کریش ہوگیا اور سارے مسافر فوت ہوگئے مگر جنرل جہانگیر کرامت صحیح سلامت رہے۔ اس ملاقات کے دوران میں نے جنرل جہانگیر کرامت کو کہا کہ: ''سر آپ مزید ترقی کریں گے'' تو کہنے لگے کہ'' میری باری نہیں آنی میں پہلے ہی ریٹائر ہو جاؤں گا۔'' میں نے ان سے کہا'' سر اللہ نے آپ کو معجزانہ طور پر نئی زندگی دی ہے۔ اللہ آپ سے پاکستان کے لیے ایک بہت بڑا کام کروائے گا۔ یہ میرا ایمان ہے۔'' انسان کچھ دیکھتا ہے مگر اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور ہو کچھ اور جاتا ہے۔ پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل آصف نواز جنجوعہ اچانک وفات پا گئے تو جنرل وحید کاکڑ پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف بنے۔ ان کی مدت پوری ہونے کے بعد جنرل جہانگیر کرامت سب سے سینئر جنرل تھے۔ اس لیے جنرل وحید کاکڑ کی ریٹائرمنٹ کے بعد جنرل جہانگیر کرامت چیف آف آرمی سٹاف مقرر ہوئے۔ مئی 1998ء میں پاکستان کو ایٹمی دھماکے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنا تھا۔ اگر کوئی اور چیف آف آرمی سٹاف ہوتے تو شاید یہ دھماکے نہ ہو سکتے مگر جنرل جہانگیر کرامت کی شخصیت ہی ہے جس کا پریشر حکومت پر بہت بھاری تھا حالانکہ وزیر خزانہ سرتاج عزیز نے نہایت مایوس کن منظر پیش کیا تھا اور ایٹمی دھماکا کرنے سے احتراز کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ پاکستان کے میزائل پروگرام کو سرعت سے آگے بڑھانے میں بھی جنرل جہانگیر کرامت کا بڑا کردار ہے۔ 1997ء کے سیاسی بحران میں بھی جنرل جہانگیر کرامت کا ایسا مثبت کردار ہے جس کی وجہ سے

جمہوریت کی فتح ہوئی۔ جنرل جہانگیر کرامت کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک نہایت دانش مند اور بہت پڑھے لکھے جنرل ہیں تو بالکل درست ہے۔ 1998ء میں پاکستان کی دفاعی اور جارحی صلاحیت 2001ء کے مقابلے میں محدود اور کم تھی۔غوری ون میزائل کو ٹیسٹ کیے ہوئے آٹھ ماہ گزرے تھے۔مئی 1998ء میں پاکستان شدید اقتصادی بحران سے گزر رہا تھا۔ پاکستان کے پاس ایٹم بم کافی تھے مگر ڈیلوری سسٹم 280 کلومیٹر سے 1500 کلومیٹر تک تھا۔شاید قلیل تعداد میں غوری ون میزائل تھے۔ویسے بھی دشمن پر ایک یا دو ایٹم بم گرانے کی صلاحیت ہو تو ان کے حوصلے پست کرنے کے لیے کافی ہوتا ہے۔ قریبی دشمن کے لیے 280 کلومیٹر اور 350 کلومیٹر تک مار کرنے والے ایٹمی میزائل کثیر تعداد میں موجود تھے۔ 700 کلومیٹر تک مار کرنے والے شاہین میزائل بھی تھے۔ 1998ء میں وزیراعظم محمد نواز شریف نے امریکی صدر بل کلنٹن کو پاکستان سے افغانستان پر جنگ کرنے کے لیے تعاون سے انکار کیا کہ وہ اپنا ملک پڑوسی اسلامی ملک افغانستان کے خلاف جنگ کرنے کے لیے استعمال ہونے نہیں دیں گے تو امریکا بے بس ہو گیا۔ پاکستان کے وزیراعظم کا امریکی صدر کو ایسا جواب دینے کی پشت پر پاکستان کے چیف آف آرمی سٹاف جنرل جہانگیر کرامت اور عسکری قوت ہی کارفرما تھی۔

ستمبر 2001ء میں پاکستان کی دفاعی اور جارحی صلاحیت کہیں زیادہ بہتر تھی۔مگر اب کی بار صدر بھی جنرل پرویز مشرف تھے تو چیف آف آرمی سٹاف بھی وہی تھے۔ان کے ساتھی بھی اکثریت ہاں میں ہاں ملانے والے تھے۔ ملک کے جلیل القدر سیاسی رہنما ملک بدر تھے۔ 1500 کلومیٹر رینج کے غوری ون میزائل کو ٹیسٹ کیے ساڑھے تین سال گزر چکے تھے۔غوری ون میزائل پاک فوج کی یونٹوں کو مہیا کیا جا چکا تھا۔شارٹ رینج میزائلوں سے مسلح یونٹیں بھی کھڑی کی جا چکی تھیں۔ دو ہزار کلومیٹر تک مار کرنے والے غوری ٹو میزائل ٹیسٹ کیے ہوئے ڈھائی سال گزر چکے تھے۔اگر غوری ٹو میزائل پر 1000 کلوگرام کا ایٹمی وار ہیڈ استعمال کیا جائے تو یہ زیادہ دور تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

امریکی افغان جنگ میں ملوث ہونے کا کوئی جواز نہیں:

14 اپریل 1999ء کے بعد پاکستان کے سائنس دان غوری تھری میزائل تیار کرنے میں مصروف ہوئے۔ ستمبر 2001 تک غوری تھری میزائل پر کام کو بھی اڑھائی سال گزر چکے تھے۔ جبکہ 29 ستمبر 1999ء کو غوری تھری میزائل کا کامیاب Static Engine Test بھی کیا جا چکا تھا۔ غوری تھری میزائل 2200 کلوگرام ایٹمی وار ہیڈ کے ساتھ 3000 سے 3500 کلومیٹر تک مار کر سکتا ہے۔ اس میں بھی اگر وار ہیڈ کا وزن کم کیا جائے تو اس سے بھی زیادہ فاصلہ تک مار کر سکتا ہے۔ پاکستان کے میزائل پروگرام کو آگے بڑھانے میں (NESCOM) کے اسی (80) ہزار کے لگ بھگ انجینئر، سائنس دان اور ٹیکنیشن مصروف کار تھے۔ ملٹی سٹیج راکٹ موٹر بنانے پر دست رس حاصل ہو چکی تھی۔ لہٰذا ICBM میزائل بنانے کی بنیادی صلاحیت حاصل ہو چکی تھی۔ پاکستان کا میزائل پروگرام کس حد تک پہنچ چکا ہے، اس کی خبر بھی امریکا کو تھی۔ پاکستان کا ہاتھ اتنا لمبا ہو چکا تھا کہ وہ دشمن کی گردن تک پہنچ سکتا تھا۔ امریکا کی طرف سے پاکستان کو تباہ کرنے کی دھمکی دینا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ امریکی نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹج نے بیان دیا کہ ان سے منسوب یہ بیان کہ ''امریکا پاکستان کو تباہ کر دے گا اور پتھر کے زمانے میں پہنچا دے گا سراسر غلط ہے۔''

اس مختصر تجزیے کے بعد یہ بات یقینی ہے کہ پاکستان کی دفاعی اور جارحانہ صلاحیت ستمبر 2001ء میں بہت مضبوط تھی۔ اگر حکومت اپنے 80,000 سے بھی زیادہ سائنس دانوں، انجینئر اور ٹیکنیشین کی ٹیم کی صلاحیتوں کو استعمال کرنے کی نیت رکھتی تو قلیل عرصے میں اپنی دفاعی اور جارحانہ صلاحیت کو بڑھا سکتی تھی مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں یہ طے ہے کہ پاکستان نہ تو افغانستان کی طرح لٹا پٹا اور نہتا ملک ہے اور نہ ہی عراق کی طرح عسکری طاقت کے لحاظ سے پس ماندہ ہے اور نہ ہی سفارتی سطح پر ان دو مظلوم ممالک کی طرح بے یار و مددگار ہے۔ پاکستان کی خطے میں ایک خاص اہمیت ہے۔ پاکستان کی کوکھ میں اگر انڈیا جیسا ملک ہے تو اس کے لیے چند ایٹمی میزائل کافی ہیں۔

انڈیا میں پاکستان پر حملہ کرنے کی جرأت اس دن سے ختم ہوئی تھی جس دن پاکستان نے ایٹمی دھماکے کیے تھے۔ پاکستان کے سفارتی سطح پر چین کے ساتھ برادرانہ تعلقات ہیں۔ چین نے اپنے ملک کے معاشی مفاد کی خاطر گوادر کی بندرگاہ کی تعمیر اور ترقی پر اربوں ڈالر خرچ کیے ہوئے ہیں۔ چین شاہراہ ریشم کی توسیع اوز اس راستے کو ریل کے ذریعے پاکستان کے روڈ اور ریل نیٹ ورک کے ساتھ جوڑنے کے کام میں مصروف عمل ہے۔ چین خطے میں ایک عظیم طاقت ہے۔ ہمیں چین کی پوری حمایت حاصل ہے۔

روس بھی خطے کی بڑی طاقت ہے۔ روس کے پاکستان کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں۔ روس پاکستان کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری میں دل چسپی رکھتا ہے۔ ان سارے عوامل کے علاوہ پاکستان کی فوجی حکومت کو چاہیے تھا کہ امریکا کے مفاد کی جنگ کی آگ میں پاکستان کو ملوث کرنے سے پہلے تاریخ میں جھانک کر دیکھ لیتے اور تاریخ سے سبق لیتے۔

1- انیسویں صدی عیسوی میں آسٹرو جرمنی (Prussia) کے چانسلر بسمارک (Bismark) نے جنگ سے گریز کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ بسمارک کی اس حکمت عملی کی بدولت یورپ میں صد سالہ آپسی جنگ کے بعد ایک عرصہ کے لیے امن اور استحکام رہا حالانکہ بلقان کے علاقے (بوسنیا، کروشیا وغیرہ) کے متعلق ان کی روس کے ساتھ سخت کشیدگی تھی اور وہ جنگ کے دہانے تک پہنچ گئے تھے مگر بسمارک نے واضح کیا کہ ان کا ملک جنگ نہیں کرے گا۔ بسمارک کا کہنا تھا کہ:

"Balkan is not worth the bones of a single pomernian grandier."

"بلقان کی حیثیت ایک اکیلے جرمن سپاہی کی ہڈیوں سے بھی کمتر ہے۔"

اپنے پورے دورِ حکومت میں بسمارک نے جنگ سے گریز کیے رکھا۔ یوں اس نے قوم کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھا مگر بسمارک کے حکومت سے ہٹائے جانے کے بعد قیصر ولیم دوم نے قوم کو جنگ میں دھکیل دیا۔ یوں جنگ عظیم اول (1918ء-1914ء) کا آغاز ہوا۔ اس جنگ میں سلطنت عثمانیہ ترکی کے کود جانے کا کوئی سیاسی، معاشی یا

نوآبادیاتی فائدہ نہ تھا مگر سلطنت عثمانیہ کی قیادت نے جرمنی کی حمایت میں قوم کو اس جنگ میں جھونک دیا۔ اس طرح وہ فرانس اور برطانیہ کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئی۔ اس جنگ کے نتیجے میں سلطنت عثمانیہ ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے۔ شام، اردن، عراق، عرب امارات، فلسطین، لبنان، سعودی عرب کا وسیع علاقہ ان سے علیحدہ ہوگیا۔ ترکی کی عظمت اور طاقت پارہ پارہ ہوگئی۔

2- دوسری جنگ عظیم (1945ء-1939ء) کے خاتمے کے بعد فرانس اور برطانیہ کمزور ہوئے۔ امریکا نے ان پر زور دیا کہ نوآبادیاتی نظام ختم کیا جائے۔ چونکہ ہندوستان میں آزادی کی تحریک عروج پر تھی اس لیے جنگ عظیم کے بعد انڈیا اور پاکستان آزاد ہوئے۔ فرانس نے ہند چینی (Indo China) کو اپنی نوآبادی بنا رکھا تھا۔ یہ علاقہ ویت نام، لاؤس، سائیگان اور کمبوڈیا وغیرہ پر مشتمل ہے۔ یہاں پر بھی تحریک آزادی کی جدوجہد کامریڈ ہوچی منھ کی قیادت میں گوریلا جنگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ چنانچہ فرانس نے امریکا سے فوجی دستے بھیجنے کی درخواست کی تاکہ ان کی مدد سے گوریلا جنگ کا مقابلہ کر کے اس نوآبادی (کالونی) سے باوقار طریقہ سے نکلا جا سکے۔ ہند چینی میں آزادی کی تحریک زور پکڑتی گئی۔ گوریلا جنگ ہر آنے والے دن شدید ہوتی گئی۔ 1950ء میں امریکی صدر ٹرومین نے امریکی افواج کے دستے ہند چینی میں فرانس کی مدد کے لیے بھجوا دیئے۔ 1952ء تک ہند چینی جنگ کے دو تہائی اخراجات امریکی عوام کو برداشت کرنے پڑے۔ 13 مارچ 1953ء کو ویت نام کے گوریلوں نے ڈائین بائین پھو (Dien Bien Phoo) کے مقام پر زوردار حملہ کر کے فرانس کی عسکری قوت کی کمر توڑ دی۔ بعدازاں آہستہ آہستہ فرانس ہند چینی کے علاقہ سے اخراج کر گیا مگر امریکی فوج کی افرادی قوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ امریکی صدر ہیری ٹرومین سے لے کر صدر جان ایف کینیڈی اور صدر جانسن کے دور تک امریکا اس جنگ میں اپنے افرادی اور معاشی وسائل جھونکتا رہا۔ تب تک تقریباً پانچ لاکھ تینتالیس ہزار 5,43000 امریکی فوج ویت نام میں پہنچ چکی تھی۔ امریکا نے ہر شہری کے لیے ویت نام میں فوجی خدمات سرانجام دینا لازمی قرار دیا تھا لہٰذا امریکا کے بیش تر نوجوانوں کو ویت نام کی جنگ میں شامل ہونا پڑا۔ آخر کار امریکی صدر

نکسن کے فیصلے کی بدولت 1975ء میں اربوں ڈالر خرچ کر کے پچاس ہزار سے زیادہ امریکی فوجی قتل اور ایک لاکھ سے زیادہ امریکی فوجی شدید زخمی ہو جانے کے بعد اس طویل جنگ کا خاتمہ ہوا۔ امریکہ کے ہر شہر اور قصبے میں سے کوئی نہ کوئی نوجوان ویت نام کی جنگ میں اجل کا شکار ہوا۔ لاکھوں خاندان اپنے پیاروں کے لیے ماتم کناں ہوئے۔ امریکا کو ویت نام میں جنگی مہم جوئی کی بہت بھاری قیمت ادا کرنی پڑی۔ یہ امریکا کی عظیم غلطی تھی جو فرانس کی جنگ میں کود پڑا اور اس بے مقصد جنگ کو طول دیا۔

3۔ عوامی انقلاب کے بعد چین کے عظیم رہنما چیئرمین ماؤزے تنگ کی حکمت عملی بسمارک سے مختلف نہ تھی۔ پچھلے ساٹھ سالوں میں چین نے کسی قوم کے ساتھ براہ راست جنگ نہیں کی حالانکہ چین کے تائیوان، ہانگ کانگ، مکاؤ کے تنازعات کے علاوہ انڈیا کے ساتھ میکموہن لائن سے متعلق سرحدی تنازعات قابل تصفیہ ہیں۔ ہانگ کانگ کا پرامن طور پر برطانوی تسلط سے آزاد ہو کر چین میں شامل ہونا عظیم چین کی بڑی فتح ہے۔ 1962/ 63ء میں امریکا کی ایما پر اور امریکی اسلحہ کی مدد سے انڈیا نے نیفا (NEFA) اور لداخ کے سرحدی علاقے میں جنگ چھیڑ دی۔ چین نے صرف نیفا کے علاقے میں جوابی کارروائی کی تو انڈیا کے فوجی کمانڈر جنرل کاؤل (General Kaul) اپنی فوجیں لے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ بعدازاں چین نے اپنی فوج متنازع سرحدی علاقے سے واپس بلا لی اور جنگ بند ہوئی۔ چینی قیادت کی جنگ سے گریز کی حکمت عملی کی بنا پر آج چین دنیا کی عظیم اقتصادی، عسکری اور سیاسی طاقت بن گیا۔ 1979-1988ء کے دوران عراق کے صدر صدام حسین نے امریکا کی ایما پر امریکی معاشی اور عسکری سازوسامان کی مدد سے امریکا کے مفادات کی پاس داری کے لیے ایران کے ساتھ جنگ جاری رکھی۔ اس دس سالہ بے مقصد جنگ میں طرفین کے لاکھوں نوجوان شہید ہوئے۔ غیروں کے مقاصد کے حصول کی خاطر جنگ لڑنے کی جزا صدام حسین اور ان کے شریک قیادت کو سولی پر لٹکائے جانے کے علاوہ ملک عراق کو امریکا کی غلامی میں دینے کی صورت میں ملی۔

1980ء ہی کے عشرے میں پاکستان کے صدر ضیاالحق نے افغانستان میں روس کے خلاف امریکی مفاد کی جنگ لڑی۔ اس جنگ کے سارے اخراجات پاکستانی عوام نے

برداشت کیے۔ پاکستانی قوم کے نوجوانوں کو اس جنگ کا ایندھن بنا پڑا۔ بدلے میں پاکستان اربوں ڈالر قرضے کے بوجھ تلے دب گیا۔ روس کی یک طرفہ جنگ بندی اور انخلاء کے بعد اس جنگ کے لڑنے والے پاکستانی قیادت کے اہم کردار پراسرار ہوائی حادثہ میں فوت ہوئے۔ یوں پاکستان کے لیڈر بھی شہید کیے گئے اور ملک بیرونی قرض خواہوں کا معاشی غلام بن گیا۔ پاکستان ایسا غیر مستحکم ہوا کہ دس سال تک کوئی بھی جمہوری حکومت مدت پوری نہ کر سکی۔ ملک معاشی دیوالیہ پن کے دہانے پر پہنچ گیا۔

ماضی کی یہ تمام مثالیں اس اَمر کی متقاضی ہیں کہ پاکستان کو امریکی مفاد کی جنگ میں شامل نہیں ہونا چاہیے تھا۔

2001ء میں پاکستان کے لیے ایک بار پھر امریکا کے مفاد کی جنگ میں کود جانے کا بہرحال کوئی جواز نہ تھا۔ یہ کہنا کہ امریکا نے ایسا خوف زدہ کیا کہ ان کے ساتھ شامل ہونے کے لیے مجبور ہوئے، کافی جواز نہیں۔ وقت نے ثابت کیا کہ امریکا اور مشرق و مغرب میں تمام امریکی اتحادی ممالک کی مشترکہ طاقت اور جدید ٹیکنالوجی وار فیئر کے اسلحہ کے باوجود نہتے افغان قوم کی قوت ایمانی، حریت اور جذبۂ حب الوطنی کے سامنے بے بس ہوئے۔ دس سال تک تباہ کن جنگ لڑنے کے باوجود امریکا اور اس کے اتحادی جنگ ہار رہے ہیں۔ اس وقت کے پاکستان کے حکمران ذرہ بھر بھی حب الوطنی اور قوت ایمانی رکھتے تو بے پناہ طاقت اور ایٹمی قوت کے ہوتے ہوئے اپنا ملک امریکا کے تصرف میں نہ دیتے۔ امریکا کو پاکستان کے حکمران جنرل پرویز مشرف نے جو تعاون دیا اس کے خدوخال وقت کے ساتھ ساتھ کچھ یوں نمایاں ہوئے:

1- افغانستان پر امریکی حملے کے لیے پاکستان کو سٹیجنگ گراؤنڈ کے طور پر استعمال ہونے دینا۔
2- افغانستان پر امریکی قبضہ حاصل کرنے کے لیے امریکا کی اعانت اور مدد کرنا۔
3- بلوچستان کی ساحلی بندرگاہ پسنی میں امریکی بحری اڈہ قائم کرنے کی اجازت دینا۔
4- امریکی ہوائی اڈہ قائم کرنے کے لیے جیکب آباد کا ہوائی اڈہ کلی طور پر امریکا کے تصرف میں دینا۔

5- کراچی اور پورٹ قاسم کی بندرگاہوں میں امریکا کے لیے گودیاں مختص کرنا جہاں سے امریکی ٹینک، توپیں، اسلحہ، گولا بارود اور دیگر لاجسٹک سامان افغانستان میں جنگ لڑنے کی غرض سے بلا روک ٹوک روانہ کیا جائے۔

6- کراچی ایئرپورٹ پر امریکی جنگی لاجسٹک کے جہازوں کا بلا روک ٹوک ٹریفک کی اجازت دینا۔

7- کراچی سے طورخم اور چمن تک پاکستان کی شاہرات کو مفت اور آزادانہ استعمال کرنے کی اجازت دینا۔ جہاں پر امریکا چاہے وہاں پر لاجسٹک ٹرمینل کے لیے جگہ مخصوص کرنا۔

8- پاکستان کے اندر امریکی میرین فوجی، سی آئی اے اور دیگر امریکی سرکاری اور پرائیویٹ جاسوسی ادارہ جات کے افراد کو پاکستان کے قانون سے بالاتر حیثیت میں آزادانہ طور پر کام کرنے کی اجازت دینا۔

9- صوبہ خیبر پختونخوا کے زیرِ انتظام علاقہ (P.A.T.A) اور وفاق کے زیرِ انتظام علاقہ (F.A.T.A) یعنی مالاکنڈ ڈویژن وزیرستان وغیرہ میں امریکی جاسوس ادارے سی آئی اے (CIA) اور دیگر امریکی جاسوس ادارہ جات کو کام کرنے کی کھلی اجازت دینا اور پاکستان کے حساس اداروں کو منع کرنا کہ وہ ان علاقہ جات میں نہ جائیں اور امریکی جاسوسوں کے کام میں مخل نہ ہوں۔

امریکا کی افغانستان پر جنگ کی مختصر روداد:

امریکا نے پاکستان کو کلی طور پر اپنے تصرف میں لینے کے بعد دوسری سمت یعنی شمال سے افغانستان میں شمالی اتحاد کی فورسز کی مدد کے لیے ازبکستان میں امریکی بیس بنا لیا جہاں سے فوج اور جنگی سازوسامان پہنچا کر شمال سے افغانستان میں داخل ہونے کا بندوبست کیا۔ 7 اکتوبر 2001ء کو امریکا اور اس کے اتحادی ممالک کی فضائیہ نے بحر ہند میں موجود ایئرکرافٹ کیریئر سے افغانستان کے شہر کابل، قندھار، کندوز اور مزار شریف کے علاقہ پر شدید فضائی بم باری کر کے افغانستان میں جنگ کا آغاز کیا۔ مہینہ بھر

افغانستان پر فضائی بم باری ہوتی رہی اور کروز میزائل داغے گئے۔ سب سے پہلا زمینی حملہ نومبر 2001ء کو کیا گیا۔ 9 نومبر 2001ء کو رشید دوستم نے ازبک جنگ جوؤں اور عطا محمد نور نے تاجک جنگ جوؤں کے ساتھ حملہ کر کے مزار شریف کے مضافات میں ملٹری بیس اور ایئر پورٹ پر قبضہ کیا جس کے بعد امریکی سپیشل آپریشنز فورس، سی آئی اے کی پیرا ملٹری فورس، اور ایئر فورس کامبیٹ سپورٹ ٹیم بھی شمالی اتحاد کی فورس میں شامل ہوئی۔ ایئر فورس کامبیٹ سپورٹ ٹیم دوران جنگ طالبان کے خلاف ہوائی حملہ کے لیے طالبان کے ٹھکانوں کی نشان دہی کر کے ٹھیک نشانوں پر ہوائی بم باری کرواتی رہی۔ 90 منٹ کی شدید لڑائی کے بعد طالبان پسپا ہو گئے اور شمالی اتحاد کا مزار شریف پر قبضہ ہو گیا۔ ازبک جنرل رشید دوستم اور تاجک جنرل عطا محمد نور نے شہر کی سول آبادی کا طالبان کی حمایت کرنے کی پاداش میں قتل عام کیا۔ اس قتل عام کا مقصد دہشت پھیلانا ہے تا کہ آنے والی مہمات میں عوام طالبان کا ساتھ دینا چھوڑ دیں۔ ملاداد اللہ کے جوابی حملہ کے پیش نظر امریکا نے ازبکستان کے ملٹری بیس سے ایک ہزار فوجی ایئر لفٹ کر کے مزار شریف میں پہنچا دیئے تا کہ ملاداد اللہ کے حملے کا مقابلہ کیا جا سکے مگر ملا داد اللہ نے حملہ نہیں کیا۔ اب شمالی اتحاد کی فوجوں نے امریکی فوجوں کی مدد سے کابل کی طرف پیش قدمی کی۔ 13 نومبر 2001ء کو طالبان کابل شہر خالی کر کے چلے گئے اور کابل شہر اور ہوائی اڈہ پر شمالی اتحاد اور امریکی فورسز کی مشترکہ فوج نے قبضہ کر لیا۔ امریکا نے کابل کے ہوائی اڈہ پر اپنے بیس کو مستحکم کرنے کے لیے بحر ہند میں موجود بحری بیڑے میں سے مزید فوجیں اور جنگی سازوسامان ایئر لفٹ کر کے اتارنے شروع کیے۔ 26 نومبر 2001ء کو شمالی اتحاد اور امریکی فوجوں نے کندوز پر قبضہ کیا۔ 25 نومبر 2001ء کو حامد کرزئی کے زیر کمان قبائلی لشکر اور گل آغا شیرزئی کے قبائلی لشکر جن کی تعداد تقریباً تین ہزار تھی، انہوں نے قندھار کے شمال سے حملہ کیا۔ امریکا نے بھی ایک ہزار میرین فورس کو جنگی سازوسامان کے ساتھ قندھار کے جنوب میں اتار دیا اور جنوب سے قندھار پر حملہ شروع کیا۔ 7 دسمبر 2001ء کو امریکی اور حامد کرزئی کے زیر کمان مشترکہ لشکر نے قندھار پر قبضہ کر لیا۔ ملا عمر اپنے ساتھیوں سمیت قندھار سے فرار ہو گئے۔ عینی گواہوں کے مطابق ملا عمر اپنے ساتھیوں

سمیت موٹر سائیکلوں پر سوار ہو کر ارزگان کے پہاڑوں میں غائب ہو گئے۔ افغانستان پر طالبان حکومت ختم ہونے کے بعد حامد کرزئی کو وقتی طور پر صدر بنایا گیا۔ یوں امریکا نے اپنی مرضی کی حکومت بنا ڈالی۔ طالبان منتشر ہو گئے۔ کچھ افغانستان کے مغرب میں بکھر گئے اور کچھ افغانستان کے مشرقی پہاڑی علاقے میں پاکستان کی سرحدوں کے قریب روپوش ہو گئے۔ اور افغانستان پر یلغار کرنے کی تیاریاں کر کے مناسب وقت کا انتظار کرتے رہے۔ اب تک پاکستان کلی طور پر امریکا کی حمایت میں جنگ میں ملوث ہو چکا تھا۔ امریکا نے اپنی لغت میں افغانستان پر قبضہ کرنے کی غرض سے افغانستان میں جنگ کو دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا۔ ماضی میں جس طرح برطانیہ نے 1857ء کی جنگ آزادی کو غدر کا نام دیا اور آزادی کی جنگ لڑنے والے ہندوستانیوں کو Mutineers یعنی بلوائی کا نام دیا۔ 7 اکتوبر سے 7 دسمبر 2001ء تک افغانستان میں شدید جنگ ہوئی جس کے مختصراً واقعات لکھے گئے ہیں۔ ان دو مہینوں کے دوران امریکا اور اتحادیوں نے افغانستان کے شہری اور دیہی علاقے پر تاریخ کی بدترین بم باری کی اور بڑی تباہی مچائی۔ جب افغان جنگ عروج پر تھی تو نومبر 2001ء میں ایک پریس بریفنگ کے دوران صحافیوں نے امریکی سیکریٹری دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ سے سوال کیا کہ امریکا کو افغانستان میں کامیابی نہیں ہو رہی اور امریکیوں کا جانی نقصان ہو رہا ہے۔ جس پر ڈونلڈ رمزفیلڈ نے کہا کہ انہوں نے ایسا بندوبست کیا کہ افغانستان کے لوگ ایک دوسرے کا گلا کاٹنے میں مصروف ہیں اور امریکی فوجوں کا کوئی نقصان نہیں ہو رہا عنقریب طالبان کی حکومت ختم ہو گی۔ امریکا اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان کے چند کلیدی شہروں پر قبضہ کر کے پورے افغانستان پر قابض ہونے کا دعویٰ کیا جو غلط ہے۔ جنوری 2002ء کے بعد امریکا نے NATO فوجیں افغانستان میں شامل کرنے پر غور کیا۔ نیٹو کے دستور کے مطابق وہ صرف امریکا اور یورپی ممالک کے دفاع کے لیے ان ملکوں کی سرحدوں میں رہتے ہوئے دشمن کے ساتھ جنگ کریں گے۔ کسی بھی معیار سے NATO ممالک افغانستان میں نہیں لائے جا سکتے تھے۔ کوریائی جنگ میں امریکا کی مدد کے لیے NATO کی فوجیں استعمال نہیں کی گئیں اور نہ ہی ویت نام کی جنگ میں امریکا نے اپنی مدد کے لیے نیٹو فورس کو

استعمال کیا حالانکہ نیٹو کی عسکری قوت کا ادارہ 1949ء میں بن چکا تھا۔ کسی بھی بین الاقوامی قانون کے تحت نیٹو کی آرمی نیٹو کے رکن ممالک سے باہر۔سمندر پار کسی ملک پر استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ نہ ہی اقوام متحدہ کی اجازت سے نیٹو فورس کو افغانستان میں لایا گیا مگر نیٹو ممالک کی فوجیں افغانستان میں پہنچ گئیں اور دنیا کو خبر نہ ہوئی۔ بعدازاں نیٹو آرمی کو ISAF یعنی International Security Assitance Force کا نام دے کر تقریباً ایک لاکھ سے بھی زیادہ نیٹو آرمی کو افغانستان میں پہنچایا گیا۔ مغربی ممالک کی طرف سے ایک مسلمان ملک پر حملے کو دنیا نے تہذیبوں کے آپس میں ٹکراؤ سے تعبیر کیا۔ شروع میں یورپ اور امریکا نے اس معاملے کو نظر انداز کیا مگر جب محسوس کیا کہ تہذیبوں کے ٹکراؤ کا احساس یورپ اور امریکا میں مقیم مسلمان آبادی میں بے چینی کا سبب بن رہا ہے۔ تو یورپ اور امریکا کی انتظامیہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اگر ان کے اپنے ملک میں مسلمان آبادی خلاف ہوگئی تو بہت مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ امریکا اور مغرب نے اپنے میڈیا کو متحرک کیا۔ میڈیا میں تہذیبوں کے ٹکراؤ کی نفی کی گئی اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا تاکہ مغربی ممالک اور امریکا میں مقیم مسلمان پرسکون رہیں۔

جنوری 2002ء کے بعد امریکا نے NATO کے رکن ممالک کی مزید فوجیں افغانستان میں لانے پر غور کیا۔ 2003ء تک ایک لاکھ سے زیادہ NATO فوجیں افغانستان میں پہنچ چکی تھیں۔ اس ساری صورت حال کے باوجود 2002ء سے لے کر 2004ء تک طالبان نے افغانستان کی مشرقی سرحدی پٹی اور صوبہ ہلمند کے سارے علاقے پر دوبارہ قبضہ کیا۔ امریکا اپنے دیگر اہداف کو حاصل کرنے میں مصروف ہوگیا۔ جس کی بنا پر ان کو طالبان کی Resurgence کا ادراک نہیں ہوا۔ مغربی ممالک اور امریکا کو معاملے کا تب احساس ہوا جب طالبان نے ان علاقہ جات میں دوبارہ طاقت پکڑ لی۔ ہلمند کا سارا علاقہ اور پاکستان کی سرحد کے ساتھ کابل تک کا علاقہ طالبان کے زیر اثر آ گیا۔ 2002ء میں امریکا اور مغرب یہ سمجھ بیٹھے کہ افغانستان فتح ہوگیا، نئی حکومت حامد کرزئی کی قیادت میں قائم ہو چکی اور طالبان کی حکومت کو ہمیشہ کے لیے اکھاڑ پھینکا گیا۔

افغانستان پر قبضہ کرنے کے معاملے میں مطمئن ہونے کے بعد پاکستان کو شکنجے میں لے کر نیو ورلڈ آرڈر کو کامیاب کرنے اور پاکستان کے علاقائی سائز کو کم کرنے، بلوچستان کو پاکستان سے علیحدہ کر کے افغانستان کے بلوچستان اور اگلے مرحلے میں ایران کے بلوچستان کو بھی الگ کر کے گریٹر بلوچستان کے نام سے نیا ملک بنانے، فاٹا اور صوبہ خیبر پختونخوا کے وہ علاقے جن میں سے شاہراہ ریشم گزرتی ہے۔ ان علاقہ جات کو بھی پاکستان سے علیحدہ کر کے افغانستان میں شامل کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا۔ یہ سارے کام انڈیا کے تعاون سے قلیل عرصے میں یعنی 2006ء تک مکمل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ براہ راست مشرق، مغرب اور جنوب سے پاکستان پر یلغار کر کے مذکورہ مقاصد حاصل کرنے تھے تو افغانستان میں مزید NATO فوجیں اور اتحادی فوجوں کو جمع کیا جانے لگا۔

پاکستان پر حملے کی انڈو امریکی تیاریاں:

بحیرۂ عرب میں امریکی، برطانوی اور فرانسیسی بحری بیڑے لنگر انداز ہوئے۔ انڈیا نے اپنی پارلیمان پر حملے کا ڈراما رچایا اور پھر 30 دسمبر 2001ء کو اپنی فوجیں اور میزائل بردار یونٹوں کو پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر جمع کیا۔ انڈیا کے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے کشمیر میں فوجی کمانڈروں کو کہا کہ پاکستان کے ساتھ جنگ (یدھ) کے لیے تیار ہو جائیں۔ پاکستان نے بھی اپنی فوجیں 30 دسمبر 2001ء کو مشرقی سرحدوں پر انڈیا کے مقابل پہنچا دیں۔ پاکستان تینوں سمتوں سے گھیرے میں آ گیا۔ جنوب مغرب میں ایران اور شمال میں چین کے سوا باقی ساری سرحدوں پر دشمن کی عسکری قوت پاکستان کے ساتھ جنگ کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہوئی۔ مارچ 2002ء سے نومبر 2002ء تک پاکستان کے دفتر خارجہ کی طرف سے ڈپلومیسی عروج پر تھی۔ چین، روس اور برادر اسلامی ممالک کے ساتھ مسلسل روابط جاری رکھے گئے۔ پاکستان کی اعلیٰ قیادت نے بھی چین کے کئی دورے کیے اور چین کی اعلیٰ قیادت کے ساتھ رابطے میں رہے۔ چین سے ہوائی اور سمندری راستے سے جدید مہلک ہتھیاروں کی پاکستان کو ترسیل کے لیے ٹریفک

تیز ہوگئی۔ انڈیا نے واویلا ضرور کیا مگر وہ پاکستان کو چین سے ہتھیاروں کی ترسیل روک نہیں سکتا تھا نہ ہی امریکا اور یورپی ممالک روک سکتے تھے۔ نومبر 2002ء میں امریکا میں مقیم پاکستان کے سفیر کو حکومت کی طرف سے احکام جاری ہوئے کہ وہ دنیا پر واضح کر دے کہ پاکستان اپنے ایٹمی میزائلوں کے ذریعے دشمن پر First Strike Option کو استعمال کرے گا یعنی پاکستان پر کسی ملک کے حملے کے خطرے کی صورت میں اس ملک پر ایٹم بم گرائے گا۔ پاکستان کی طرف سے ایٹمی حملے کی دھمکی کی وجہ سے نومبر 2002ء میں انڈیا نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحد سے ہٹا لیں۔ امریکا اور مغربی ممالک بھی ٹھنڈے ہوگئے۔ وقتی طور پر پاکستان کی بقا کو خطرہ ٹل گیا مگر پاکستان پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہے۔ 2003ء سے 2004ء تک پاکستان نے اپنی دفاعی اور جارحانہ صلاحیت میں تیزی سے اضافہ کیا۔ حکومت نے اعلان کیا کہ جون 2004ء کو غوری تھری میزائل کا ٹیسٹ کرے گا مگر نامعلوم وجوہات کی بنا پر اس کا ٹیسٹ تاوقت حال نہیں کیا گیا۔ غوری تھری میزائل 1800 کلوگرام وزنی ایٹمی وار ہیڈ کے ساتھ تین ہزار سے ساڑھے تین ہزار کلومیٹر تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ پاکستان کے NESCOM کے انجینئروں اور سائنس دانوں نے شاہین تھری میزائل بھی 2002ء کے دوران تیار کرلیا ہے۔ اس میزائل میں ملٹی سٹیج سالڈ پراپلینٹ راکٹ موٹر ٹیکنالوجی استعمال کی گئی ہے۔ شاہین تھری 2200 کلوگرام وزنی ایٹمی وار ہیڈ سے لیس ہوکر چار ہزار کلومیٹر سے چار ہزار پانچ سو کلومیٹر تک مار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا نومبر 2002ء میں پاکستان کی طرف سے ایٹمی حملے میں پہل کرنے کی حکمت عملی کے پیش نظر دشمنوں نے پاکستان پر براہ راست حملہ کرنے سے گریز کیا کیونکہ ان کی نظر میں پاکستان پر براہ راست حملہ کرنے کی صورت میں ان کے اپنے ممالک میں بھی خطرناک حد تک تباہی ہوسکتی تھی۔ اس لیے مستقبل میں پاکستان کو توڑنے کے لیے دیگر طریقے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔

2003ء میں انڈیا کو اجازت دی گئی کہ وہ پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ ہر قابل ذکر افغان شہر میں اپنے قونصل خانے کھولے۔ یوں انڈیا نے ایک درجن سے بھی زیادہ قونصل خانے کھول لیے جہاں پر RAW کے ایجنٹ پہنچ گئے۔ انڈیا نے پاکستان کے

صوبہ بلوچستان اور فاٹا میں اپنی سرگرمیاں شروع کیں۔ افغانستان کے علاقے جبل السراج میں ایک محفوظ مقام پر امریکا اور اس کے اتحادیوں نے نہایت جدید مواصلاتی نظام سے لیس ایک جاسوسی اڈہ بنایا جس میں امریکی CIA، برٹش MI-6، اسرائیلی موساد MOSAD، انڈین RAW اور جرمنی کے جاسوس ادارے متعین کیے گئے۔ یہ سارے جاسوس مل کر سر جوڑ کر پاکستان کے خلاف سازشیں تیار کرنے میں مصروف ہیں۔ امریکا نے اپنے جاسوسی نیٹ ورک کے لیے جبل السراج کے علاقہ کا اس لیے انتخاب کیا کہ چین اور روس کے Under Belly میں رہ کر چین اور روس کے خلاف اپنی سرگرمیاں پر اثر طریقے سے جاری رکھ سکے۔ چین اور روس بھی امریکا اور ان کے اتحادیوں کی سرگرمیوں سے باخبر ہیں۔ امریکا نے انڈیا سے مل کر پاکستان اور چین کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوششیں تیز کر دیں تا کہ پاکستان کو چین کی مدد سے محروم رکھا جا سکے۔ انڈیا نے اپنے RAW کے جاسوسوں کا ایک گروہ چین کے صوبہ سنکیانگ بھیجا تا کہ وہاں جا کر گڑ بڑ پھیلائیں۔ انڈین جاسوسوں نے پاکستانی شہریوں کا حلیہ بنایا، داڑھیاں رکھیں اور پاکستانی مذہبی لوگوں کی طرح کا لباس پہنا اور چین میں اپنے آپ کو پاکستانی شہریوں کے طور پر متعارف کرایا تا کہ حکومت چین کو پیغام ملے کہ پاکستان کے مذہبی لوگ چین میں گڑ بڑ پھیلا رہے ہیں۔ ان میں سے اکثر جاسوس چین نے پکڑ لیے۔ تفتیش کے دوران ان کا جھوٹ ظاہر ہوا۔ چین پاکستان دوستی کا کچھ نہیں بگڑا مگر چین انڈیا کی کارستانیوں سے چوکنا ہوا۔ یہ بھی چین کو معلوم ہوا کہ جبل السراج میں موجود امریکی جاسوسی نیٹ ورک سیٹلائٹ کے ذریعے جاسوسی کر رہے ہیں اور چین میں گڑ بڑ پھیلانے کی منصوبہ بندی کر رہے ہیں لہٰذا چین نے بھی اپنی منصوبہ بندی کر لی۔ چین چاہتا ہے کہ امریکا جلد از جلد افغانستان سے نکل جائے تا کہ اس کی موجودگی کی وجہ سے چین کے خلاف ریشہ دوانیاں بند ہوں۔ چین میں گڑ بڑ پھیلانے کے منصوبے کی ناکامی کے بعد انڈیا نے اپنا پورا زور پاکستان کے سرحدی علاقوں اور بلوچستان میں دہشت گردی کی منصوبہ بندی پر لگا دیا۔

انڈیا نے صوبہ خیبر پختون خوا کے علاقے PATA اور بلوچستان کے عوام کو ورغلا کر اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ صوبہ خیبر پختون خوا

کے انگریز دور کے سابق گورنر سر اولف کیروئی (Sir Olaf Caroe) نے اپریل 1949ء میں لندن میں اپنی تقریر میں کہا تھا کہ: ''پاکستان کے بحری اور بری راستے کراچی سے کوئٹہ کے ذریعے قندھار اور پشاور کے ذریعے کابل کی جانب کھلتے ہیں۔ یہ بحر ہند کے اہم تھیٹر کے راستے ہیں۔ اس بات کا قوی امکان ہے کہ ان بری راستوں کی وجہ سے پاکستان کے لیے جلد ہی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اگر پٹھانوں کو ہوشیاری کے ساتھ گمراہ کیا جائے تو وہ پاکستان اور اس کے عقبی مغربی علاقوں میں بہت نقصان پہنچا سکتے ہیں۔'' انڈیا، برطانیہ، امریکا اور اسرائیل کی ایجنسیوں نے پاکستان کے مغربی پہاڑی علاقوں میں اپنے اڈے بنائے۔ یہاں پر لوگوں کو بڑی بڑی اجرتوں پر بھرتی کیا، ان کو ہوشیاری سے ورغلایا اور پاکستان کے اندر دہشت گردی کے لیے تیار کیا۔ ان لوگوں میں اسلام پسند لوگوں کو شامل کیا اور انہیں یقین دلایا گیا کہ اگر وہ حوصلہ سے کام لیں اور مسلح جدوجہد کریں تو اپنے علاقہ میں اسلامی قوانین نافذ کر کے افغان طالبان کی طرح پاور کے مزوں سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ یہاں پر موجود بے روزگار افراد کو خطیر رقم، گاڑیاں اور ہتھیار دیئے۔ ان کے ساتھ انڈین کمانڈوز بھی شامل کیے گئے جنہوں نے ہندو ہوتے ہوئے اسلامی حلیہ اختیار کیا اور ان کے ساتھ نماز پڑھتے اور دوسرے اسلامی طریقوں کے ساتھ پارسائی کی زندگی گزارنے کا مظاہرہ کیا۔ انڈین کمانڈوز، طالبان کے ساتھ مل کر علاقے میں دہشت پھیلاتے، کشت و خون کرتے دیگر جرائم کرتے اور علاقے سے پاکستانی پولیس اور دیگر حکومتی انتظامی عملے کو مار بھگاتے رہتے۔ چونکہ پاکستان کی طرف سے غیر ملکی جاسوس ایجنسیوں کو ان علاقہ جات میں Operate کرنے (مصروف عمل رہنے) کی کھلی اجازت دی گئی تھی اور ملک کی اپنی ایجنسیوں کو غیر ملکی ایجنسیوں کے کام میں مخل ہونے سے منع کیا گیا تھا اس لیے پاکستان کے علاقے مالاکنڈ ڈویژن، سوات، وانا اور وزیرستان میں ایک مسلح گروہ تیار ہوا جس کی اس وقت تک حکومت پاکستان کو خبر نہ ہوئی جب تک کہ یہ گروہ مکمل طاقت پکڑ گئے اور علاقہ میں اپنی عمل داری قائم کر چکے۔

2004ء میں امریکی CIA نے جنرل پرویز مشرف کو ڈرا دھمکا کر ڈاکٹر عبدالقدیر

خان کو ان کے عہدے سے ہٹا کر گھر میں نظر بند کرنے پر راضی کیا۔ یہ پاکستان کے میزائل پروگرام کو بریک لگانے کا انتہائی مؤثر امریکی عمل تھا۔ پاکستان پیپلز پارٹی کی اعلیٰ قیادت اور مسلم لیگ (ن) کی اعلیٰ قیادت کو ملک بدر کیا جا چکا تھا۔ ملک میں موجود سیاسی قیادت کی حیثیت برائے نام تھی۔ ان پارٹیوں کے نمائندے اسمبلیوں میں بھی تھے، وزیر اور وزیراعظم بھی تھے مگر قومی مفاد کے معاملات میں وزیراعظم، وزراء اور اسمبلیاں بے وقعت اور بے بس تھے۔ سارے فیصلے صدر صاحب خود ہی کر لیتے تھے۔ صدر مملکت نے پاکستان کے قومی ہیرو کو اپنے امراء اور وزراء کے ذریعے پاکستان کی بقا کے صدقے قربانی دینے پر راضی کیا۔ عظیم قومی ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان ملک کی خاطر اپنی ناموس کو داؤ پر لگانے کے لیے تیار ہوئے۔ الیکٹرانک میڈیا پر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے اپنے اوپر CIA کی طرف سے لگائے گئے الزامات کے متعلق قوم سے معافی مانگی۔ اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے پوچھ گچھ کا لامتناہی سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران انہیں اپنے گھر میں نظر بند رکھا گیا۔

کیا حکومت پاکستان کو معلوم نہیں تھا کہ پاکستان پر شدید پابندیاں تھیں۔ کھلے عام پاکستان دنیا کے کسی بھی ملک سے ایٹمی پروگرام کے لیے ساز و سامان نہیں خرید سکتا تھا۔ یہ ساری شاپنگ خفیہ اور مہنگے داموں ہوتی تھی۔ اس کے باوجود ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی قیادت میں کم خرچ کر کے قلیل عرصہ میں ایٹمی استعداد حاصل کی گئی اور میزائل بنائے گئے۔ پھر کیوں ڈاکٹر عبدالقدیر خاں کو رسوا کیا گیا؟ امریکا کا ہدف تو بہرحال پاکستان کا میزائل پروگرام روکنا تھا تاکہ افغانستان کی جنگ میں پاکستان کے وسائل استعمال کرتے رہیں اور وقت آنے پر پاکستان کو ایٹمی طاقت سے بھی محروم کریں اور پاکستان کے مغربی حصہ کو الگ کر کے دنیا میں پاکستان کی حیثیت کو بے وقعت کریں۔ امریکا پاکستان کے ایٹمی میزائل پروگرام کو روکنے میں کس حد تک کامیاب ہوا یا ناکام ہوا یہ ایک الگ موضوع ہے مگر پاکستان کو Disintegrate یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنے اور ایٹمی قوت سے محروم کرنے کے لیے انہوں نے بہت سازشیں تیار کیں اور ان پر عمل بھی کرتے رہے۔ افغانستان پر امریکی حملہ کے دوران امریکی انتظامیہ کا پاکستانی قیادت کے ساتھ طے تھا کہ امریکا نہ تو

انڈیا کو نہ ہی اسرائیل کو افغانستان میں کوئی کردار دے گا۔ امریکا نے پاکستانی قیادت کو یقین دہانی کرا دی کہ انڈیا اور اسرائیل کو افغانستان میں نہیں آنے دیا جائے گا اور ان کو افغانستان میں کوئی کردار نہیں دیا جائے گا مگر امریکا نے اپنے اس وعدے اور یقین دہانی کو پس پشت ڈال دیا۔ افغانستان میں آنے کے بعد امریکا کی پاکستان کی سلامتی کے معاملے میں نیت بدل گئی۔

باب نہم

پاکستان کی بقا کی جنگ

7 مئی 2009ء کو وزیراعظم یوسف رضا گیلانی نے ٹی وی پر قوم سے خطاب میں فرمایا کہ:

''میں نے پاک آرمی کو پاکستان کے شمال مغربی علاقہ جات مالاکنڈ ڈویژن میں فوجی آپریشن کا حکم دیا ہے۔ پاکستان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔''

پاکستان کے حالات اس نہج پر کیوں کر پہنچ گئے؟ آیئے دیکھتے ہیں کہ پاکستان میں دہشت گردی کو کیسے اور کب فروغ ملا۔

1979ء میں مغرب کی طرف سے پاکستان کے لیے ایک نیا کردار وضع کیا گیا۔ ملک میں صدر جنرل محمد ضیاالحق کی فوجی حکومت تھی۔ امریکا میں پینٹاگون (امریکی عسکری ہیڈکوارٹر) نے نفسیاتی جنگ کے صلاح کار پاکستان پہنچ چکے تھے۔ پاکستان میں بھی ایک ادارے میں نفسیاتی جنگ کے لیے Psychological Operations Cell قائم کیا گیا۔ امریکا ہی سے اسلامی جہاد کا لٹریچر پاکستان میں پہنچا دیا گیا۔ پاکستان میں مذہبی جماعتوں کو فنڈنگ کی جانے لگی۔ دینی مدارس کو فروغ دیا گیا۔ نوجوان نسل پاکستانی شہری جو کہ ان مدارس میں دینی تعلیم حاصل کر رہے تھے انہیں قرآن مجید میں سورۃ توبہ اور اس سورۃ میں جہاد کے متعلق آیات کو خاص طور پر ذہن نشین کرایا جاتا رہا۔ یوں نوجوانوں کو جہاد کے لیے تیار کیا جانے لگا۔ پھر انہیں ہتھیار استعمال کرنے اور جدید حرفت جنگ کی تربیت دی جانے لگی۔ جب یہ نوجوان مکمل طور پر فوجی تربیت حاصل کر چکے اور مر مٹنے

کے لیے تیار ہوئے تو انہیں اسلحے سے مسلح کر کے افغانستان میں داخل کیا جانے لگا۔ خاص کوشش یہ کی گئی کہ یہ لوگ پشتو زبان بولتے ہوں۔ افغان شہریوں کی طرح کا لباس پہنے ہوئے ہوں تاکہ ثابت کیا جا سکے کہ یہ سارے جنگ جُو افغانستان کے شہری ہیں اور روس کے تسلط سے افغانستان کی آزادی کے لیے جہاد کر رہے ہیں۔

آٹھ سال تک افغانستان میں جنگ کی آگ بھڑکتی رہی۔ آخر 1987ء میں روس نے یک طرفہ طور پر افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلا لیں۔ افغانستان میں برہان الدین ربانی، گلبدین حکمت یار اور افغانستان کے دیگر رہنماؤں کی حکومت بن گئی۔ روس اپنی بقا اور نظام حکومت اور معیشت کی تنظیم نو میں مصروف ہوا۔ امریکا نے افغانستان میں دل چسپی ختم کر دی۔ پاکستان کی فوجی قیادت امریکا کے لیے غیر ضروری بن کر رہ گئی۔ پھر 17 اگست 1988ء کی شام کو ایک فضائی حادثہ ہوا۔ ایک دھماکا ہوا۔ شہید ذوالفقار علی بھٹو کا وہ جملہ درست ثابت ہوا جو انہوں نے پھانسی کی کال کوٹھڑی میں موت کا انتظار کرتے ہوئے لکھی گئی ان کی کتاب If I am Assassinated ''اگر مجھے قتل کیا گیا'' کے آخری صفحے کا آخری جملہ تھا۔ جناب بھٹو لکھتے ہیں کہ: ''انسانی تاریخ میں ایک چیز انتقام کی طرح ہوتی ہے اور اسی تاریخی انتقام کا یہ اصول ہے کہ اس کا شکار ہمیشہ ظالم ہی ہوتے ہیں۔ مظلوم نہیں۔'' صدر جنرل محمد ضیاالحق اپنے رفقاء کے ساتھ C-130 جہاز کے حادثے میں بہاول پور کے نزدیک جاں بحق ہوئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ جنرل محمد ضیاالحق اپنے پیچھے پاکستان کی بقا کے لیے کئی چیلنجز چھوڑ گئے۔ جہاد کرنے والے جنگ جُو فارغ نہیں بیٹھ سکتے۔ انہوں نے کچھ نہ کچھ ضرور کرنا ہوتا ہے۔ روس کے افغانستان سے چلے جانے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے کسی تعمیری سمت کا تعین کیا جاتا مگر ایسا کچھ نہیں کیا گیا۔ لبنان میں جب فلسطینی مجاہدین کو کیمپوں میں محصور رکھنے کی کوشش کی گئی تو لبنان میں تاریخ کی بدترین خانہ جنگی ہوئی۔ یاد رہے کہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ تاریخ کا پہیہ چلتا رہتا ہے۔ اس کو کوئی نہیں روک سکتا البتہ رہنماؤں کے تدبر اور جدوجہد سے تاریخ کو اپنے فائدے کے دھارے میں ضرور ڈھالا جا سکتا ہے۔ مجاہدین کے معاملے میں نہ تو امریکا نے کوئی لائحہ عمل تیار کیا نہ ہی پاکستان کی قیادت

نے کچھ کیا۔ تاریخ کی اس غفلت کا منطقی نتیجہ خانہ جنگی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ افغانستان میں بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ انگلستان میں عسکری تربیت کے دوران میں نے تربیت دینے والے اپنے استاد Warrant Officer SGW Madden سے پوچھا کہ یورپ کا معاشرہ کس قدر برائیوں میں گھرا ہوا ہے، عورت کی مردوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، جب جی چاہا رکھ لیا جب جی چاہا چھوڑ دیا، شادی کی یا نہ کی کوئی خاص فرق نہیں، آخر آپ لوگ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کرتے ہیں۔ آپ کے دین میں اس قسم کی مادر پدر آزاد معاشرے کی ہرگز اجازت نہیں پھر ایسا کیوں ہے؟ وارنٹ آفیسر میڈن ایک باعمل مسیحی تھے، انہوں نے کہا ''عبدالرزاق، یورپ میں جنگ عظیم اول اور جنگ عظیم دوم کے دوران لاکھوں مرد اجل کا شکار ہوئے۔ مرد آبادی کم ہونے کی وجہ سے معاشرہ برائیوں میں گھر گیا۔ یورپ نے معاشی ترقی کر لی مگر معاشرے کی تشکیل پر توجہ نہ دی۔ اس لیے معاشرہ برائیوں میں گھر گیا۔ اب یہ معاشرہ برائیوں میں بہت آگے جا چکا ہے اور انسانیت کے لیے ناسور بن گیا ہے۔ کوئی معجزہ ہی اس معاشرے کو درست کر سکتا ہے۔ پولینڈ کے شہری جو یہودیت ترک کر کے مسلمان ہوئے اور ان کا اسلامی نام محمد اسد ہے انہوں نے اپنی تصنیف Road to Mecca میں لکھا ہے کہ " مغرب بتدریج مسیحیت سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ میں نے ان میں مذہب کے خلاف بغاوت محسوس کی اور وہ حضرت عیسیٰ مسیح کی تعلیمات سے دور ہوتے گئے۔ پھر دین کے بغیر (دو عظیم جنگوں) کی بربادیوں کے بعد کے معاشرتی تباہی سے کیسے بچ سکتے ہیں" ۔1989 میں روس کے انخلا کے بعد افغانستان میں بھی لاکھوں مرد قتل ہوئے اور عورتیں بیوہ ہوئیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں تھا۔ ملک میں خانہ جنگی اور افراتفری کا عالم تھا ۔1994 میں قندھار میں اوباش لوگوں نے لڑکیوں کو اغوا کر کے ان کی اجتماعی عصمت دری کی تو درس و تدریس میں مصروف عالم دین افغان جنگ کے مجاہد ملا محمد عمر نے اپنے طلبا کو ساتھ لیکر ان بے سہارا لڑکیوں کو چھڑا لیا اور مجرموں کو سزا دی تو عوام میں ملا محمد عمر کے اس عمل کو پذیرائی ملی۔ اس سے حوصلہ پا کر انہوں نے پہلے صوبہ ہلمند میں اپنی بالا دستی قائم کی اور بعد میں 1996 میں کابل پر قبضہ کیا۔ اسی برس ہی ملا محمد عمر کی سربراہی میں طالبان نے

رشید دوستم اور احمد شاہ مسعود کی مشترکہ فوج کو مزارشریف میں شکست دی؛ احمد شاہ مسعود کو بھی مار دیا اور یوں وہ افغانستان کے حکمران بن گئے ۔ روس کے خلاف جہاد میں مجاہدین (طالبان) کو پاکستان کی تائید اور مدد حاصل رہی اور افغانستان میں انہیں پاکستان ہی آگے لایا تھا اس لیے طالبان نے پاکستان کے ساتھ برادرانہ تعلقات بنائے رکھے۔ طالبان نے افغانستان میں اسلامی قوانین نافذ کیے تو اس وقت ان کے سامنے ایران کے حالات اور انہیں سدھارنے کے لیے اسلامی قوانین کے نفاذ کی مثال موجود تھی ۔ افغانستان میں جنگ نے اٹھارہ برس تک تباہی پھیلا دی تھی۔ اس جنگ کے نتیجے میں لاکھوں مجاہدین شہید ہوئے۔ مردوں کی آبادی کم ہوئی اور عورتیں زیادہ رہ گئیں۔ اکثر بیوہ عورتیں نہ صرف اپنے شوہروں کو کھو بیٹھیں بلکہ انہوں نے اپنے جوان بیٹوں کی شہادت کا صدمہ بھی برداشت کیا۔ یوں ان کی کفالت کے لیے کوئی نہ رہا۔ یہ عورتیں بالکل بے سہارا ہو گئیں۔ جنگ کی وجہ سے ایسی بے سہارا عورتوں کی بہتات ہوئی۔ افغانستان کے لیے اس صورت میں دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ یورپ کی طرح مادر پدر آزاد معاشرہ رہنے دیتے یا پھر پاکیزہ اسلامی معاشرتی نظام کے تحت افغانستان کے معاشرہ کو ترتیب دیا جاتا۔ افغانستان میں بھی جنگ کی وجہ سے معاشرتی برائیوں نے سر اٹھایا۔ اگر اس پر توجہ نہ دی جاتی تو یہ لوگ بھی برائیوں میں کئی حدود پار کر چکے ہوتے اور واپسی کا کوئی راستہ نہ ملتا۔ جیسا کہ آجکل یورپی معاشرہ ہے جس میں برائیاں اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہیں ۔افغانستان مین معاشرتی برائیوں کا راستہ روکنا ہے تو پھر اسلامی قوانین کو سختی کے ساتھ نافذ کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ ایران میں بھی کچھ ایسی ہی صورت حال بنی تھی جس کو اسلامی قوانین کے نفاذ سے درست کیا گیا۔ افغانستان میں بھی حکومت نے ایران کا ماڈل اپنایا اور معاشرتی برائیوں کا سد باب کیا۔ افغانستان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کو مغربی میڈیا سے غلط انداز میں پیش کیا جاتا رہا۔ سعودی عرب کے بعد ایران میں اسلامی معاشرہ تشکیل دیا گیا۔ ایران کے بعد افغانستان میں اسلامی معاشرے کی تشکیل ہوئی اور پاکستان میں دستور میں پندرہویں ترمیم کر کے اسلامی معاشرے کی تشکیل کی راہ ہموار ہوئی تو مغربی میڈیا نے آسمان سر پر اٹھایا۔ اسلامی معاشرے کو غیر جمہوری اور بنیادی

انسانی حقوق کی خلاف ورزی تصور کر کے پروپیگنڈا کیا جاتا رہا۔

جون 1979ء میں ایران کے حکمران محمد رضا شاہ پہلوی ایران چھوڑ کر چلے گئے۔ فروری 1980ء میں علامہ آیت اللہ خمینی ایران تشریف لائے۔ اپریل 1980ء تک علامہ آیت اللہ خمینی نے ایران پر مکمل کنٹرول حاصل کیا اور ایران میں اسلامی جمہوری حکومت قائم ہوئی اور اسلامی معاشرہ تشکیل دیا گیا تو مغرب نے انقلاب اسلامی اور اسلامی معاشرے کی تشکیل کا راستہ روکنے کے لیے ایران پر عراق کی طرف سے جنگ مسلط کر دی۔ آٹھ سالہ جنگ میں ایران مستحکم رہا اور اسلامی انقلاب ثابت قدم رہا۔ 2000ء تک ایران میں انقلاب اسلامی کو بیس برس گزر چکے ہیں۔ ایران میں اندرونی استحکام ہے۔ اسلامی شرعی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے بنیادی انسانی حقوق کو یقینی بنایا گیا۔ مرد اور عورتیں مقررہ معاشرتی حدود میں رہ کر امور ریاست، امور معیشت اور امور معاشرت میں بھرپور حصہ لیتے رہتے ہیں۔ عورتیں گھروں میں محصور نہیں۔ وہ جدید اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں۔ عورتیں مردوں کے مقابل ملک اور معاشرے کی ترقی میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ اسلامی قوانین کی وجہ سے ملک میں جرائم میں کمی واقع ہوئی ہے۔

میں نے سعودی عرب میں تین برس سے زیادہ عسکری زندگی گزاری۔ میں نے سعودی معاشرت، نظام حکومت اور نظام عدل کا بغور جائزہ لیا۔ میں نے سعودی عرب کے طول و عرض میں سفر کیا۔ پورے ملک میں قانون کی عمل داری ہے۔ جرائم برائے نام ہیں اور معاشرے میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ وہاں پر یورپی گورے بھی ہیں جو اسلامی معاشرے اور اسلامی قوانین کی برکتوں کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کے لیے اپنے دین کی پیروی کرتے ہوئے اسلامی معاشرت تشکیل دیں تو اس پر یورپ اور امریکا کو اعتراض کرنے کا جواز نہیں ہے۔

ایران میں انقلاب اسلامی کے بعد اسلامی شرعی قوانین نافذ ہوئے اور اسلامی جمہوری حکومت قائم ہوئی۔ افغانستان میں بھی طالبان نے شرعی قوانین نافذ کیے اور اسلامی مملکت قائم کی۔ پاکستان نے بھی 1998ء میں دستور میں ترمیم کر کے اسلامی شرعی نظام کی بنیاد ڈالی تو مغربی دنیا اور امریکا نے اسے خطرے کی گھنٹی سمجھ لیا۔ مغرب نے اس

نئی صورت حال کو اسلامی قوت کے احیاء سے تعبیر کیا اور اسے اپنے لیے، اپنی طرز حیات اور طرز حکمرانی کے لیے اشتراکیت سے بھی بڑا چیلنج تصور کیا۔ مغرب میں عوام اسلامی شریعت کے مطابق زندگی بسر کرنے والوں کو اسلامسٹ اور اسلامک فنڈامینٹلسٹ سمجھنے لگے اور ان کو اکثر انہی ناموں سے پکارا جانے لگا۔ مغربی میڈیا نے دنیا میں اودھم مچا دیا۔ اسلامی طرز زندگی کو درندگی کی صورت دے کر مشتہر کیا جانے لگا۔ قرآن پاک میں وضع کی گئی سزاؤں کو بنیادی انسانی حقوق کے منافی کہا جانے لگا۔ مغربی الیکٹرانک میڈیا نے مغرب کے عوام کو اسلام کے خلاف متعصب کرنے میں اپنی ساری قوتیں صرف کیں۔ یورپ میں یہ تصور پیش کیا گیا کہ طالبان برے ہیں۔ جو مسلمان اپنے دین کے مطابق زندگی گزارتے ہیں وہ اسلامی بنیاد پرست ہیں اس لیے وہ بھی برے ہیں اور یہ سارے لوگ مغربی معاشرے کے لیے نہایت خطرناک ہیں۔ اس لیے امریکا نے طے کیا کہ مسلمانوں کے معاشرے کو تبدیل کیا جائے اور وہاں پر مغربی معاشرتی طرز زندگی کو فروغ دیا جائے تا آں کہ اسلامی طرز زندگی کو یک سر بدل دیا جائے۔ وہاں پر مغربی طرز کی جمہوریتیں قائم کی جائیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے امریکا نے ایک منصوبہ تیار کیا جسے ''نیو ورلڈ آرڈر'' کا نام دیا گیا۔ یورپ اور دیگر اپنے اتحادی ممالک کو اعتماد میں لے کر 1998ء میں اسے نافذ کرنے کی منصوبہ بندی کی گئی۔ اکیلا امریکا دنیا کو بدلنے کی استعداد نہیں رکھتا تھا اس لیے اس نے مغرب اور مشرق بشمول آسٹریلیا کے تمام اتحادی ممالک کی طاقت کے ساتھ دنیا کو بدل کر اپنی مرضی کی دنیا وضع کرنا چاہی۔ جنوبی ایشیا میں اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے پاکستان میں 12 اکتوبر 1999ء کو فوجی انقلاب لایا گیا۔ اس طرح اپنی مرضی کا حکمران لا کر پاکستان کو کلی طور پر استعمال کرنے کے لیے سٹیج تیار کیا۔ یہ منصوبہ بھی بنایا کہ آگے چل کر پاکستان ہی کو نیو ورلڈ آرڈر کے مطابق ڈھالنا ہے اور اس کے علاقے کو بھی علیحدہ کر کے اتنا سکیڑنا ہے کہ پاکستان کی اہمیت ہی ختم ہو جائے۔ پھر حیلے بہانے سے پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات کو چھین کر لے جانا ہے۔ امریکا کے شہر نیو یارک میں 2001ء میں 9/11 کی واردات کر کے نیو ورلڈ آرڈر کا آغاز کیا گیا۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے یہ بھی اعلان کیا کہ ''جن ملکوں میں دہشت گردوں

کے لیے پناہ گاہیں بنی ہوئی ہیں، دہشت گردی کو ان ممالک کے اندر لے جایا جائے گا تا کہ وہ خود دہشت گردی کے ساتھ برسرِ پیکار رہیں۔'' یہ اشارہ پاکستان کے لیے تھا۔

پاکستان کے شمالی اور شمال مغربی علاقہ جات

پاکستان کے شمالی اور شمال مغربی علاقہ جات کے چار قسم کے درجات ہیں:

1- FANA فیڈرلی ایڈمنسٹرڈ ناردرن ایریاز:

اگست 2009ء میں گلگت، بلتستان اور ملحقہ علاقہ جو ماضی میں FANA فیڈرلی ایڈمنسٹرڈ ناردرن ایریا کہلاتا تھا اسے صوبے کا درجہ دیا گیا۔ صوبہ گلگت بلتستان میں پاکستان کے دوسرے صوبوں کی طرح گورنر، صوبائی اسمبلی، وزیراعلیٰ، صوبائی وزارتیں اور دیگر انتظامیہ کام کر رہی ہیں۔ صوبہ گلگت بلتستان میں ہائی کورٹ اور عدالتی نظام بھی پاکستان کے دوسرے صوبوں کی طرح ہے۔ اس صوبے کے شمال میں چین اور افغانستان، مغرب میں مالاکنڈ ڈویژن، (PATA)، جنوب میں صوبہ خیبر پختون خوا اور مشرق میں مقبوضہ کشمیر ہے۔ امن وامان کے لحاظ سے یہ صوبہ زیادہ پرامن ہے۔

Geostrategic KKH شاہراہ قراقرم چین کے شہر کاشغر سے پاکستان کے صوبہ گلگت بلتستان میں خنجراب کے مقام سے داخل ہوتی ہے اور مالاکنڈ ڈویژن کے ضلع کوہستان اور شانگلہ سے گزرتی ہوئی صوبہ خیبر پختون خوا کے ضلع مانسہرہ، ایبٹ آباد سے حویلیاں اور پھر وہاں سے آ کر حسن ابدال کے مقام پر قومی شاہراہ سے ملتی ہے۔ صوبہ گلگت بلتستان کی اکثر آبادی اہل تشیع مسلک کی مسلمان ہے۔ چونکہ مالاکنڈ ڈویژن اور (FATA) کے طالبان خالصتاً اہل سنت مسلک کے مسلمان ہیں اس لیے صوبہ گلگت بلتستان میں طالبان کا اثر ونفوذ نہیں ہے۔

PATA-2 پراونشلی ایڈمنسٹرڈ ٹرائیبل ایریاز:

اسے مالاکنڈ ڈویژن کہتے ہیں۔ اس میں ضلع سوات مع کالام، اپر دیر، لوئر دیر، چترال، شانگلہ، بونیر، ہزارہ ڈویژن کا ضلع کوہستان، ہزارہ ڈویژن کے ضلع مانسہرہ کا علاقہ

کالا ڈھاکہ (نوٹ: ابھی کالا ڈھاکا کو صوبہ خیبر پختون خوا کے ضلع مانسہرہ میں شامل کر کے بندوبستی علاقہ بنایا گیا ہے۔ 12-03-2011) شامل ہیں۔ انتظامی طور پر PATA مالا کنڈ ڈویژن صوبہ خیبر پختون خوا کے زیر انتظام ہے۔ PATA کے شمال میں صوبہ گلگت بلتستان ہے، مغرب میں افغانستان، جنوب میں FATA اور صوبہ خیبر پختون خوا اور مشرق میں بھی صوبہ خیبر پختون خوا واقع ہے۔ اس علاقے میں ملا فضل اللہ کے زیر قیادت TTP تحریک طالبان پاکستان اور مولانا صوفی محمد کی زیر قیادت تحریک نفاذ شریعت محمدی (TNSM) کے عمل دخل کی وجہ سے کافی بدامنی رہی تا آں کہ حکومت کی رٹ ختم ہوگئی۔ اس سارے معاملے کا ذکر آگے آئے گا۔ مالا کنڈ ڈویژن کے ضلع چترال میں انڈو آرین نسل کے قدیم قبائل آباد ہیں جو دراوڑی زبان بولتے ہیں اور اہل تشیع مسلک کے مسلمان ہیں۔ بقیہ تمام اضلاع میں یوسف زئی قبائل آباد ہیں جو سنی ہیں اور پشتو بولتے ہیں۔

FATA-3 فیڈرلی ایڈمنسٹرڈ ٹرائبل ایریاز:

یہ علاقہ مرکزی حکومت کے زیر انتظام ہے۔ ان علاقہ جات کا انتظامی طریقہ کار دیگر علاقوں سے مختلف ہے۔ مرکزی حکومت کی طرف سے پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہیں۔ دیگر نظم و نسق فرنٹیئر کانسٹیبلری اور خاصہ دار وغیرہ کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔ FATA میں جنوبی وزیرستان، شمالی وزیرستان، کرم ایجنسی، اورکزئی ایجنسی، خیبر ایجنسی، مہمند ایجنسی اور باجوڑ ایجنسی شامل ہیں۔ یہاں پر طالبان کی مداخلت رہی اور امن و امان کی صورت حال مخدوش ہوگئی تھی جس کا تفصیلی ذکر آگے آئے گا۔ FATA کے شمال میں مالا کنڈ ڈویژن، مغرب میں افغانستان، جنوب میں بلوچستان اور مشرق میں صوبہ خیبر پختون خوا واقع ہیں۔

4۔ صوبہ خیبر پختون خوا:

یہ صوبہ اپنے صوبائی نظم و نسق کے علاوہ PATA یعنی مالا کنڈ ڈویژن اور کوہستان کے تمام علاقہ کے نظم و نسق اور امن و امان کے لیے ذمہ دار ہے۔ صوبہ خیبر پختون خوا کے مغرب میں PATA اور FATA کے ٹرائبل علاقہ جات ہیں۔ شمال میں صوبہ گلگت بلتستان

ہے، مشرق میں آزاد کشمیر اور صوبہ پنجاب واقع ہیں اور جنوب میں صوبہ بلوچستان واقع ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے روس، افغان جنگ، طالبان اور افغان حکومت کی اندرونی کشمکش اور خلفشار اور دور حاضر میں امریکی، افغان جنگ کی بدولت صوبہ خیبر پختون خوا کو سب سے زیادہ مشکلات پیش آئیں اور سب سے زیادہ تباہی اور انسانی جانوں کا نقصان بھی اسی صوبے کو برداشت کرنا پڑا۔

مالاکنڈ ڈویژن اور فاٹا میں انتظامیہ کی غفلت اور بیرونی مداخلت:

مالاکنڈ ڈویژن کے ضلع چترال کی طبعی کیفیت کچھ ایسی ہے کہ گلگت بلتستان شاہراہ قراقرم کے ذریعے پاکستان کے دیگر حصے سے مربوط ہے جبکہ ضلع چترال بھی اونچے پہاڑوں میں گھرا ہوا ہے اور زمینی رابطہ لواری پاس اور لواری ٹنل کے ذریعے ہے۔ ان کے مغرب میں افغانستان کا صوبہ واخان واقع ہے جو پامیر کے سلسلۂ کوہ کی چوٹیوں پر مشتمل ہونے کی وجہ سے انسانی آبادی سے کافی خالی ہے اور اس سے گزرنے کے راستے نہایت دشوار گزار ہیں۔ لہٰذا افغانستان میں سے صوبہ گلگت بلتستان اور چترال میں جنگ جوؤں کی ٹریفک نہیں ہو سکی۔ کچھ موسمی حالات بھی ایسے ہیں کہ افغانستان میں سے پاکستان کے ان علاقہ جات میں کراس بارڈر آنا جانا اگر ناممکن نہیں تو بے حد دشوار ضرور ہے۔ گزشتہ تیس سال سے افغانستان میں ہونے والی تباہی اور گڑبڑ کے اثرات سے یہ علاقہ جات محفوظ رہے۔ یہاں سے شاہراہ قراقرم گزرتی ہے جس کی توسیع کا کام چین کے انجینئرز نے جاری رکھا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ بجلی پیدا کرنے کے کئی منصوبے زیر تعمیر ہیں۔ اس علاقے میں معدنیات کے علاوہ قدرتی آبی وسائل کچھ اس طرح کے ہیں کہ سینکڑوں پن بجلی کے پروجیکٹ کم اخراجات سے تیار کیے جا سکتے ہیں اور ایک اندازے کے مطابق بیس ہزار میگاواٹ سے بھی زیادہ بجلی پیدا کی جا سکتی ہے۔

PATA کے مسائل کی شروعات 1975ء سے ہوئی جب صوبہ خیبر پختون خوا (سابق صوبہ سرحد NWFP) نے اس علاقے پر PATA Regulations نافذ کیے۔ اس سے پہلے یہ علاقہ پاکستان کے نظام عدل کے دائرۂ کار میں تھا۔ یہاں پر ڈسٹرکٹ اینڈ

سیشن کورٹ تھیں جن کے فیصلوں پر اپلیں پشاور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں سنی جاتی تھیں۔ دیگر انتظامی امور ڈپٹی کمشنر اور سپرنٹنڈنٹ آف پولیس کے محکمے سرانجام دیتے تھے۔ PATA Regulations کے تحت ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن کورٹ کو ختم کیا گیا۔ عدالتی اختیارات ڈپٹی کمشنر کو دیئے گئے۔ نچلی سطح پر جرگہ بنایا گیا۔ جرگہ کے ممبر مقرر کرنے کا اختیار ڈپٹی کمشنر کے پاس تھا۔ ڈپٹی کمشنر اپنے خاص منظور نظر زمیندار، جاگیردار، باا‌ثر افراد Notables یعنی قبائلی سرداروں کو جرگہ کے ممبر مقرر کرتا تھا۔ جرگہ کے فیصلہ پر اپیل کے اختیارات ڈپٹی کمشنر کے پاس تھے۔ ڈپٹی کمشنر کے فیصلے کے خلاف اپیل سیکریٹری داخلہ صوبہ سرحد سنتا تھا۔ یوں PATA میں الگ اور آزاد عدلیہ نہیں تھی۔ بیوروکریسی ہی عدلیہ کا انتظام چلاتی تھی۔ وہ ہی انتظامیہ اور وہ ہی عدلیہ تھی۔

1980ء میں علاقے کے درمیانے طبقے کے تعلیم یافتہ شہریوں اور چند سیاسی لوگوں نے مل کر پشاور ہائی کورٹ میں PATA Regulations کے خلاف اپیل دائر کی۔ فروری 1990ء میں پشاور ہائی کورٹ نے عوام کے حق میں فیصلہ دیا اور PATA Regulations کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیا۔ وفاقی حکومت نے پشاور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی۔ یہ کیس پانچ برس تک چلتا رہا۔ اور پاٹا ریگولیشنز کی بدولت عوام میں بے چینی شدید سے شدید تر ہوگئی۔ 1995ء میں سپریم کورٹ نے پاٹا ریگولیشنز کو غیر آئینی اور غیر قانونی قرار دیا۔ 1975ء سے 1995ء تک پاٹا ریگولیشنز کے مطابق نظام عدل چلایا جاتا رہا۔ جرگہ کے فرسودہ نظام، ڈپٹی کمشنر کے لامحدود اختیارات اور آزاد عدلیہ کے نہ ہونے کی وجہ سے معاشرتی ناانصافیوں نے جنم لیا جس کی وجہ سے علاقے کے عوام میں سخت بے چینی پائی گئی۔ اس ماحول کو دینی عالموں نے استعمال کیا اور تحریک نفاذ شریعت محمدی کے نام سے جدوجہد شروع کی۔ یہ تحریک 1994ء تک اتنی طاقت پکڑ گئی کہ مالاکنڈ ڈویژن کا انتظام درہم برہم ہوکر رہ گیا۔ TNSM کے رہنماؤں نے وادی سوات اور مالاکنڈ ڈویژن کے دیگر ضلعوں میں شریعت کے نفاذ کا مطالبہ کیا۔ صوبائی حکومت نے پاکستان کے دیگر ضلعوں کی طرح کا قانون نافذ کرنے کی بجائے حکومت صوبہ سرحد نے شریعت کا نظام عدل آرڈیننس 1994ء جاری کیا۔

صوبائی بیوروکریسی نے اپنی پوری کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح ڈپٹی کمشنر کے لامحدود اختیارات محفوظ رہیں تاکہ وہ عوام پر اپنی طاقت کو برقرار رکھ سکے۔ اس آرڈی ننس کے تحت سول کورٹس کی معاونت کے لیے معاون قاضی اور معاون وکیل رکھنا لازمی قرار دیا گیا۔ TNSM نے اسے نامنظور کیا۔ وہ چاہتے تھے کہ علاقے میں نظام عدل کلی طور پر مدرسوں سے فارغ التحصیل عالموں کے پاس آجائے۔ انہی کو قاضی مقرر کیا جائے اور یہ ہی عالم وکیل بن جائیں۔ اس منزل کو حاصل کرنے کے لیے TNSM نے اپنی تحریک جاری رکھی اور نظام حکومت کو مفلوج کیا۔ 1999ء میں مرکزی حکومت نے Sharia Nizame Adl Regulation 1999 نافذ کیا جس کے تحت علماء کا عدلیہ پر اثرونفوذ بڑھ گیا۔ اسے بھی TNSM نے نامنظور کیا تو حکومت پاکستان نے نظام عدل کے لیے نیا قانون نافذ کیا۔ Sharia Nizame Adl Regulation 2008 کے تحت کورٹس کو علماء کے ماتحت کیا گیا مگر اس کو بھی مولانا صوفی محمد نے نامنظور کیا اور اپنی تحریک جاری رکھی تاآں کہ صدر آصف علی زرداری کے دستخط کے تحت Sharia Nizame Adl Regulation 2009 نافذ کیا گیا۔ جس میں عدالتی اختیارات کلی طور پر قاضی کو تفویض کیے گئے اور سول کورٹس کو ختم کیا گیا۔ مولانا صوفی محمد اس قانون کو جلدازجلد نافذ العمل دیکھنا چاہتے تھے مگر اس مسئلے میں امریکا نے ٹانگ اڑادی۔

14 اپریل 2009ء کو صدر آصف علی زرداری نے Sharia Nizame Adl Regulation 2009 پر دستخط کر کے اسے قانون کی شکل دی۔ اس سے پہلے اس قانون پر قومی اسمبلی میں مکمل بحث ہوئی اور اسے اسمبلی نے منظور کر لیا تھا۔ اس لحاظ سے بھی یہ قانون ایک مکمل نظام عدل کا قانون تھا۔ 14 اپریل 2009ء ہی کو امریکا کے نمائندے رابرٹ گبس نے وائٹ ہاؤس سے بیان دیا کہ:

> ''صدر بارک اوباما کی انتظامیہ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ پاکستان کی سلامتی کے معاملات کے حل کا مطلب یہ نہیں ہونا چاہیے کہ ملک کے کسی بھی حصے میں کم جمہوریت ہو اور بنیادی انسانی حقوق میں بھی کمی کر دی جائے۔ وادیٔ سوات میں اسلامی قوانین کا نفاذ کرنے کا

مطلب ہے کہ نہ وہاں جمہوریت ہوگی اور نہ ہی وہاں پوری طرح بنیادی انسانی حقوق عوام کو ملیں گے۔"

حالات اور واقعات کے سلسلے میں آگے بڑھنے سے پہلے مالاکنڈ ڈویژن کے متعلق معاملات کے سلسلے میں پوری باتیں لکھی جائیں تاکہ تسلسل رہے۔ مالاکنڈ ڈویژن کے ضلع چترال میں اکثر آبادی انڈو آرین لوگوں کی ہے۔ یہ لوگ قدیم دراوڑی زبان بولتے ہیں۔ چترال میں قدیم قبائل خووار اور کالاش آباد ہیں۔ یہاں کی اکثر آبادی اہل تشیع مسلک سے وابستہ مسلمان ہے۔ چترال بقیہ مالاکنڈ ڈویژن سے اونچے پہاڑوں کے سلسلے کی وجہ سے علیحدہ ہے۔ لواری پاس کے ذریعے چترال مالاکنڈ ڈویژن سے روڈ کے راستے ملا ہوا ہے۔ لواری پاس سردیوں میں برف کی وجہ سے اکثر بند ہو جاتا ہے۔ چترال سے افغانستان میں کراس بارڈر آنا جانا اگر ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ضرور ہے۔ یہ چند وجوہات ہیں جن کی بنا پر چترال ضلع طالبان کے اثر و رسوخ سے باہر رہا ہے۔

چترال کے سوا مالاکنڈ ڈویژن کے دیگر تمام اضلاع میں اکثر آبادی پشتو بولنے والے یوسف زئی قبائل کی ہے۔ یہ لوگ اہل سنت مسلک سے وابستہ مسلمان ہیں۔ مالاکنڈ ڈویژن میں TNSM کے رہنما اور دیگر افراد اور TTP کے رہنما اور جنگ جوؤں کی اکثریت بھی چترال کے سوا مالاکنڈ کے دیگر اضلاع کے باسیوں کی ہے اور یوسف زئی قبیلہ سے ان کا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ یہاں پر گوجر برادری آباد ہے جو گوجری زبان بولتے ہیں۔ 1975ء سے 1994ء تک مالاکنڈ ڈویژن میں تحریک نفاذ شریعت کے ذریعے شرعی نظام کے نفاذ کے لیے جدوجہد ہوتی رہی جو اکثر پرامن ہوتی تھی۔ اس تحریک کے دوران کئی مرتبہ شاہراہ قراقرم کو بند کر کے اپنے مطالبات منوائے جاتے رہے۔ 2003ء سے 2008ء کے درمیان انڈیا نے اپنی پوری توجہ مالاکنڈ ڈویژن پر مرکوز کی۔ پاکستان کے خلاف ایک نئی گہری سازش تیار کی جا رہی تھی۔ ایک گریٹ گیم جس کے ذریعے پاکستان کے خلاف امریکا، برطانیہ، NATO اور انڈیا ایک خاص دشوار گزار خطے پر حملہ کرنے کے لیے جواز بنانے کی تیاریاں کرتے رہے تاکہ اقوام متحدہ سے مینڈیٹ لے کر

پاکستان پر اٹڈ پڑیں۔ پاکستان کے Geostrategic خطۂ زمین کو پاکستان سے چھین لینا چاہتے تھے تاکہ صوبہ گلگت بلتستان کو تھالی میں ڈال کر انڈیا کو دے دیں اور شاہراہ قراقرم کو بھی انڈیا کے قبضے میں دے چھوڑیں۔ پاکستان کی حیثیت کو بے وقعت کرنے کا یہ منصوبہ نہایت خطرناک تھا۔

مالاکنڈ ڈویژن میں انڈو امریکی ایجنٹوں نے افرادی قوت کو بھرتی کیا، انہیں عسکری تربیت دی، جدید امریکی اور دیگر ہتھیاروں سے لیس کیا، جدید مواصلاتی نظام بھی وافر دے دیا، پروپیگنڈا کے طریقے بھی سکھا دیئے اور TNSM کی تحریک کی تائید کے بہانے عوام میں اور سرکاری انتظامیہ کے امور میں مداخلت کرنے کی ترغیب دی۔ انڈیا اپنے قونصل خانوں کے ذریعے ان کے تاروں کو جنبش دیتا اور جیسا RAW کے ایجنٹ ان جنگ جوؤں کو کہتے ویسا ہی یہ لوگ کر گزرتے۔ انڈین فوجی بھی ان کے ساتھ رہتے اور مختلف آپریشن مشترکہ طور پر کرتے۔ رفتہ رفتہ مالاکنڈ ڈویژن کے یہ جنگ جو خطرناک بنتے گئے۔ PATA مالاکنڈ ڈویژن میں TNSM کی تحریک زوروں پر تھی اس لیے یہ جنگ جو ان کی حمایت کے نام پر اکثر و بیشتر دہشت گردی کے واقعات کرتے رہتے مگر حکومت پاکستان نے ان کی طرف توجہ نہیں دی۔ جنرل پرویز مشرف کی حکومت صرف وہاں پر ایکشن کرتی جہاں پر امریکی صدر جارج ڈبلیو بش چاہتے۔ مالاکنڈ ڈویژن کی طرف توجہ دینا شاید ان کے مینڈیٹ میں نہیں تھا۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر یہ ان کی حکومت کی مجرمانہ غفلت سمجھی جاتی ہے۔ جمہوری حکومت کے دور میں رہنماؤں کی سوچ کچھ مختلف تھی۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ جب TNSM کے نفاذ اسلام کے متعلق مطالبات مانے جائیں گے اور نفاذ اسلام کے معاملات طے ہو جائیں گے تو ان کی مسلح جدوجہد کا کوئی جواز نہیں رہے گا اس لیے انہوں نے بھی اس نئے اٹڈنے والے خطرے کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔ دسمبر 2008ء تک مالاکنڈ ڈویژن میں پاکستان کے خلاف شکنجہ تیار ہو چکا تھا۔ اب ضرورت یہ تھی کہ کب پاکستان کو پھانسا جائے۔

2001ء سے لے کر 2007ء تک صدر جنرل پرویز مشرف امریکا کی طرف سے دیئے گئے مینڈیٹ کے مطابق FATA میں ان مجاہدوں کے ساتھ فوجی آپریشن کے

ذریعے الجھتے رہے جو افغانستان میں امریکا کے خلاف جنگ کرتے تھے۔ پاکستان FATA کے علاقے میں افغانستان اور پاکستان کی سرحدیں بند کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اسی (80) ہزار سکیورٹی فورسز کو صرف FATA کے علاقے میں سرحدوں پر متعین کیا مگر سرحدیں سیل نہ ہوسکیں۔

دسمبر 2001ء سے نومبر 2002ء تک پاکستان کا گھیراؤ کیا گیا تھا اور پاکستان کی طرف سے ایٹمی حملے کی دھمکی کی وجہ سے دشمن نے اپنی فوجیں پاکستان کی سرحدوں سے ہٹا لیں۔ اب دشمن نے دوسرے داؤ کی تیاری کرنی شروع کی۔ اپنے بنائے ہوئے منصوبے کے مطابق پاکستان کو ملوث کیا جانے لگا۔ فروری 2003ء میں حکومت پاکستان کو امریکی CIA کی طرف سے مطلوبہ افراد کی لسٹیں دی جاتیں۔ حکومت پاکستان ان کو ڈھونڈنے کے لیے FATA کے علاقہ وزیرستان میں سرگرداں رہتی۔ اس ضمن میں پاک فوج گھر گھر تلاشی کی مہم چلاتی رہتی یا پھر FATA کے قبائل پر پولیٹیکل ایجنٹ کے ذریعے روایتی برٹش راج کی اجتماعی سزاؤں کا ڈراوا دے کر علاقے کے قبائل پر دباؤ ڈالتے۔ کچھ افراد ان کو مل جاتے تو ان کو امریکا کے حوالے کر دیتے جو نہ ملتے ان کے متعلق امریکی صدر کی طرف سے حکومت پاکستان کو ڈانٹ پڑتی رہتی اور Do More کا مطالبہ کیا جاتا۔ امریکا نے محسوس کیا کہ حکومت پاکستان دوغلا پن کر کے انہیں ٹرخا رہی ہے لہٰذا منصوبے کے مطابق پاکستان کو ملوث کرنے کے لیے امریکی CIA اور انڈیا کی RAW نے مل کر FATA میں بھی مالاکنڈ ڈویژن کے ماڈل پر افرادی قوت بھرتی کی اور انہیں جنگی سازوسامان سے لیس کیا اور مکمل جنگی تربیت دی۔ ساتھ میں انڈیا نے اپنی فوج کو طالبان کے روپ میں شامل کیا تاکہ ان کے اعمال مانیٹر بھی کرے اور میدان جنگ میں انہیں لڑ کر مکمل تربیت بھی دے۔ مالاکنڈ ڈویژن میں انڈیا اور امریکا نے TNSM تحریک کی آڑ میں TTP کو منظم اور مسلح کیا جبکہ FATA میں قبائل کے ساتھ حکومت کی روز افزوں دست درازیوں کو Exploit کر کے لوگوں کو ورغلایا اور اپنے مفاد میں استعمال کرنا چاہا۔

FATA کے لوگ برسوں سے افغان جنگ میں امریکا کی مدد میں ملوث رہے۔ اب جب امریکا افغانستان میں پہنچا تو ایک بار پھر انہیں ایک ایسے مقصد کے حصول کے

لیے حکومت تنگ کرنے لگی جس سے ان سارے قبائل کو کوئی سروکار نہ تھا۔ امریکا اگر افغانستان میں جنگ لڑتا ہے تو لڑے۔ اگر کوئی شخص گھر چھوڑ کر افغانستان میں جاتا ہے اور وہاں فرنگیوں کے ساتھ لڑ رہا ہے تو لڑے۔ اس میں پاکستان کا کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں جا کر فوج کے ساتھ یا کسی اور کے ساتھ تو نہیں لڑ رہے۔ FATA کے قبائل کی قدرتی طور پر یہ ہی سوچ ہو سکتی ہے۔ جب انہیں افراد کی حوالگی کا کہا جانے لگا تو یقیناً انہوں نے سوچا کہ ان لوگوں نے پاکستان میں تو جرم نہیں کیا۔ FCR تو صرف پاکستان میں کیے ہوئے جرائم پر لاگو ہے۔ دنیا جہاں میں وہ جو بھی کرتے پھریں انہیں سزا تو وہ ممالک دیں۔ یقیناً مجاہدین نے اپنے قبیلے کے سرداروں کو ایسے یا اس سے ملتے جلتے دلائل دیے ہوں گے۔ ناراضگی (Grievance) ایک ننھی سی چنگاری کی طرح ہوتی ہے جو کسی کی زیادتی اور ناحق تنگ کرنے اور نقصان پہنچانے کی وجہ سے بن پڑتی ہے۔ اس کا اگر بروقت تدارک کیا جائے تو کچھ زیادہ نقصان نہیں ہوتا مگر جب اس سے لاپروائی برتی جائے تو یہ چنگاری بھڑک کر آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ تب بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔ ناراضگی کی معمولی چنگاری شعلہ بن کر سب کچھ جلا کر ناس کر دیتی ہے۔ مشرقی پاکستان میں کچھ ایسی کیفیت رہی۔ بلوچستان میں ایسی کیفیت ہے اور FATA میں بھی ایسی کیفیت بن گئی۔ FATA میں عوام کے ساتھ حکومتی کشمکش کی خطرناک صورت حال بن گئی۔ پاکستان میں پشاور، راول پنڈی، لاہور اور اسلام آباد میں خونیں واقعات تسلسل کے ساتھ ہوتے رہے۔ ہزاروں بے گناہ شہری اجل کا شکار ہوئے۔ پاکستان کی ہردل عزیز لیڈر محترمہ بے نظیر بھٹو کو دردناک طریقے سے شہید کیا گیا تو پورا ملک آگ کی لپیٹ میں آ گیا۔ فروری 2008ء کے انتخابات کے بعد پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت بنی۔ حکومت اور حزب اختلاف کی جماعتوں نے عہد کیا کہ وہ پاکستان کی بقا کی خاطر ہر خطرے کا مقابلہ کریں گے۔ اس عزم کے ساتھ سیاسی عمل، افہام و تفہیم اور نیلسن منڈیلا کے ماڈل کے مطابق امن کو آگے بڑھانے کے لیے TNSM اور TTP کے ساتھ مذاکرات کے عمل کی شروعات کی گئی تا کہ مالاکنڈ ڈویژن کے یوسف زئی قبائل اور دیگر عوام سکھ کا سانس لے سکیں۔

حکومت نے مولانا صوفی محمد کے ساتھ مزید مذاکرات کیے اور جس طرح کا مکمل نظام عدل وہ چاہتے تھے اس طرح کا نظام عدل کا قانون بنایا۔ اس قانون کو پارلیمان میں بل کی صورت میں پیش کیا جسے پارلیمان کے دونوں ایوانوں نے بحث کے بعد پاس کیا۔ بالآخر ایک ایسا نظام عدل کا قانون بنایا گیا جسے مولانا صوفی محمد اور تحریک نفاذ شریعت TNSM کے دیگر علماء نے منظور کیا۔ 14 اپریل 2009ء کو صدر آصف علی زرداری نے دستخط کر کے Sharia Nizame Adl Regulation 2009 کو قانون کے طور پر منظور کیا۔ 14 اپریل 2009ء ہی کو امریکا کی انتظامیہ کی طرف سے اس قانون پر شدید ردِعمل اور دباؤ کا عمل شروع ہوا۔ جیسا کہ پیچھے صفحوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ امریکا نے پاکستان کے مالاکنڈ ڈویژن میں شریعہ نظام عدل ریگولیشن 2009ء کو غیر جمہوری اور بنیادی انسانی حقوق کے منافی قرار دیا۔ امریکا نہیں چاہتا کہ پاکستان میں کسی بھی حصے میں عوام اپنی مرضی سے اسلامی اقدار کے مطابق زندگی گزار سکیں۔

Shariah Nizam-e-Adl Regulation 2009 دستور کے مطابق قومی اسمبلی اور سینیٹ میں پاس ہونے کے بعد صدرِ پاکستان کے دستخط کے بعد قانون بن گیا ہے۔ یوں پاکستان کے دستور 1973ء کے عین مطابق پاکستان کے عوام کی خواہشوں کے مطابق ملک کے ایک حصے میں نظام شریعت کی عدلیہ کا نفاذ کیا جانا تھا۔ اسلام پاکستان کی آبادی کی اکثریت کا مذہب ہے۔ اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنا ہر انسان کا بنیادی حق ہے۔ یوں پاکستان میں عوام کا بنیادی انسانی حق ہے کہ وہ اپنے دین اسلام کے مطابق اور اسلام کے قوانین کے دائرہ کار میں رہ کر زندگی بسر کریں۔ کسی بھی بین الاقوامی قانون کے تحت یہ صورت حال بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں بنتی نہ ہی اس سے بنیادی انسانی حقوق محدود ہوتے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، پیر غلام مجدد سرہندی (ٹمیاری سندھ)، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور شری شنکر اچاریہ پر کراچی کے خالقدنہ ہال میں اس بات پر مقدمۂ بغاوت قائم کیا گیا کہ مذکورہ مسلمان رہنماؤں نے تحریک خلافت کے دوران مسلمانوں کا ترکی اور عراق کے مسلمانوں کے ساتھ لڑنا اسلام

میں حرام قرار دیا جس کے نتیجے میں انگریز فوج میں مسلمان فوجیوں نے وہاں پر جا کر لڑنے سے معذرت کی جبکہ شری شنکر اچاریہ نے بھی ہندوؤں کے متعلق اپنے دھرم کے مطابق اعلان کیا کہ ہندو اہنسا کے پرچارک ہیں ان کے لیے کسی غیر قوم کے ساتھ اس صورت میں جنگ حرام ہے کہ اس قوم نے کسی بھی طرح ہندوؤں سے جنگ نہیں کی ہوئی ہے۔ دوران مقدمہ مولانا محمد علی جوہر نے جج سے کہا کہ ملکہ وکٹوریہ کے اعلان کے مطابق ہندوستان میں ہر مذہب کو اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کی آزادی ہے۔ ہمارے دین اسلام میں کسی بھی مسلمان کے ہاتھوں دوسرے مسلمان کا قتل گناہ عظیم ہے اور اس کی سزا ہماری کتاب قرآن کریم میں جہنم کی آگ ہے۔ سارے مسلمان رہنماؤں نے اپنی وکالت کے لیے علماء کی مدد حاصل کی اور قانونی پیروی کے لیے قرآن پاک کو قانون کے طور پر بحث کے لیے پیش کیا اور قرآنی قوانین کے مطابق مقدمہ لڑا۔ انگریز حکومت نے مسلمانان ہند کا اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کا بنیادی انسانی حق تسلیم کیا لہٰذا ان پر بغاوت ثابت نہ ہو سکی۔ اسی طرح مولانا حسرت موہانی پر احمد آباد میں مقدمۂ بغاوت قائم ہوا۔ انہوں نے بھی قرآن کے قوانین کے ذریعے اپنی پیروی کی، جیوری نے انہیں بری کیا مگر انگریز جج نے انہیں دو سال قید کی سزا دی جبکہ انگریزی قوانین کے مطابق بغاوت کی سزا موت ہے۔

آج سے اسی (80) برس قبل اسی خطے میں فرنگی کے راج میں مسلمانوں کے لیے قرآنی قوانین کے مطابق زندگی بسر کرنے کو تسلیم کیا گیا تو آج مغربی دنیا اپنے آپ کو مہذب کہلاتی ہے اور پھر ایک آزاد اسلامی مملکت اپنے ملک کے عوام کے لیے اپنے دین کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لیے قانون بناتی ہے تو اس سے مغرب اور امریکا کو اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں بنتا۔

انڈو امریکی اور مغربی کروسیڈیوں کی پاکستان سے جنگ کی منصوبہ بندی:

حکومت پاکستان نے شریعہ نظام عدل ریگولیشن 2009ء پاس کیا تو TNSM کے علماء نے اس قانون کو نافذ العمل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جبکہ مغرب اور امریکا نے اس

قانون کو نافذ نہ کرنے پر زور لگایا۔ TNSM کے علماء نے مطالبہ کیا کہ دس دن کے اندر یعنی 24 اپریل 2009ء تک شریعہ نظام عدل ریگولیشن کو نافذ کیا جائے۔ مارچ 2009ء سے 15 اپریل 2009ء تک TTP تحریک طالبان پاکستان مالاکنڈ ڈویژن کی طرف سے قیام امن اور مسلح جدوجہد کو ترک کرنے میں بھی پیش رفت ہوئی مگر انڈین ایجنسی اور انڈیا کے فوجی کمانڈوز کی طرف سے پاک فوج اور انتظامیہ کے ساتھ جھڑپیں اور چھیڑ چھاڑ ہوتی رہی جنہیں TTP کے کھاتے میں ڈالا جاتا رہا۔ مغرب نے طالبان کے بھیس میں لوگوں کی کچھ ایسی فلمیں بھی بنائیں جن کا مقصد تھا کہ ماحول کو خراب کیا جائے۔

24 اور 25 اپریل کے روز وشب حکومت پاکستان کے لیے نہایت پریشان کن تھے۔ پاکستان کی انتظامیہ شدید دباؤ اور ہیجان میں مبتلا رہی۔ اب کی بار بھی پاکستان کو نیوکلیائی بلیک میل کا شکار کیا گیا۔ امریکا کی طرف سے دھمکی دی گئی کہ اسلامی قوانین کا نفاذ کرنے کی صورت میں اور TTP کے ساتھ مصالحت کرنے کی صورت میں امریکا خود PATA یعنی مالاکنڈ ڈویژن میں فوجی ایکشن کر لے گا۔ امریکا کا مؤقف تھا کہ اسلامی قوانین کے نفاذ کی وجہ سے اسلام آباد پر طالبان قبضہ کریں گے اور طالبان پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات پر دسترس حاصل کریں گے جس کی وجہ سے امریکا اور مغربی ممالک کی بقا کو شدید خطرہ لاحق ہوگا لہٰذا اپنے ملک کو ایٹمی حملے کے خطرے سے بچانے کی خاطر امریکا خود مالاکنڈ ڈویژن میں ایکشن کرے گا۔ PATA میں ڈپلیٹیڈ یورینیم بم گرانے کی دھمکی دی گئی، اسلام آباد سے بیرونی ممالک کے سفارتخانوں نے اپنے عملے کو واپس اپنے ممالک میں بھیجنے کی افواہ پھیلا دی۔ یہ وہ صورت حال ہے جو کسی ملک پر جنگ کرنے کے لیے بن جاتی ہے۔ یوں دیدہ دلیری سے پاکستان پر حملہ کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد کرنے کے لیے کمربستہ ہوئے۔

27 اپریل 2009ء کو حکومت نے پاک فوج کو مالاکنڈ ڈویژن میں آپریشن کرنے کا حکم دیا اور نفاذ شریعت کو مؤخر کیا گیا۔

29 اپریل کے واشنگٹن پوسٹ میں یہ خبر آئی کہ برطانیہ کے وزیراعظم گورڈن براؤن نے برٹش پارلیمان میں کہا کہ:

''افغانستان جنگ کی توسیع کے طور پر ہمیں ایٹمی پاکستان کے اندر جا کر جنگ لڑنی پڑ رہی ہے۔ یہ ایک دلدل اور ایک دیت نام ہے مگر اپنے ملک کو دہشت گردی سے محفوظ کرنے کے لیے ہمیں یہ جنگ لڑنی پڑے گی۔''

امریکی صدر بارک اوباما نے پہلے ہی سے منصوبہ بنایا اور حکم دیا کہ جولائی 2009ء تک مزید سترہ ہزار امریکی فوج افغانستان میں پہنچائی جائے گی۔ یہ فوج فاٹا (FATA) کے علاقے کے قریب پاک افغان سرحد پر تعینات کی جائے گی۔ انڈیا کی پہلے ہی سے دس ہزار فوج افغانستان میں موجود ہے۔ انڈیا کے وسط ایشیا کے فوجی اڈے میں بھی انڈین فوج موجود ہے جس کو پاکستان کی مغربی سرحدوں پر جنگ کے لیے استعمال کیا جانا ہے۔ پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر انڈیا نے اپنی پوری فوج جمع کر رکھی ہے۔ بحر ہند میں امریکی اور اس کے اتحادیوں کا بحری بیڑہ موجود ہے۔ امریکا، انڈیا، اسرائیل اور برطانیہ کو یقین ہے کہ پاک فوج مالاکنڈ ڈویژن میں عوام کے ساتھ الجھ پڑے گی۔ مالاکنڈ ڈویژن کے قبائلی جنگجو اور اس علاقے کے دشوار گزار پہاڑی علاقے اور جنگلات یہ سب عوامل مل کر پاکستان کی فوج کو شدید مزاحمت دیں گے اور یہ جنگ طول پکڑ جائے گی، یہاں پر خانہ جنگی ہو جائے گی۔ ایک ایٹمی قوت ملک جب افراتفری اور خانہ جنگی میں مبتلا ہو تو پھر اقوام عالم کی ذمہ داری ہے کہ وہ سب مل کر ایٹمی اثاثہ جات پر قبضہ کر کے لے جائیں۔ جب ایٹمی ملک میں خانہ جنگی کی صورت حال بنے گی تو پھر اقوام عالم اپنی ذمہ داریاں سنبھال لے گی۔ اقوام متحدہ سے مینڈیٹ آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ پھر NATO کی فوج، انڈین فوج، امریکی اور برطانوی فوج مشترکہ قوت کے ساتھ پاکستان کی مغربی سرحدوں پر یلغار کر کے پاکستان کے اس Geostrategic اہمیت کے خطے کو اپنے قبضے میں لے لیں گے۔ اس جنگ میں پاک فوج کو کمزور کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اس ضمن میں امریکی عساکر کے جنرل ہیڈکوارٹر پینٹاگون Pentagon میں مشقیں بھی کی گئیں۔ امریکی فوج کے جنرلز نے امریکی انتظامیہ کو بریفنگ دیتے ہوئے بتایا کہ پاکستان کے ایٹمی سرمائے کو لے جانا انتہائی مشکل ہے مگر امریکی فوج یہ کام کرنے

کے لیے تیار ہے۔ ایسی خبریں بھی آتی رہیں کہ جب پاک فوج مالاکنڈ ڈویژن میں مکمل طور پر خانہ جنگی میں الجھ جائے گی تو امریکا اپنی چھاتا بردار فوج پاکستان کے مرکزی دارالحکومت اسلام آباد اور چاروں صوبائی دارالحکومتوں لاہور، کوئٹہ، پشاور اور کراچی میں اتار دیں گے اور ان شہروں پر قبضہ کر کے پاکستان کی پوری حکومت اور انتظامیہ کو اپنے قبضے میں لے لے گا اور پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات کو طالبان کے ہاتھ میں آ جانے سے بچانے کے بہانے ان اثاثہ جات کو اٹھا کر امریکا میں ایری زونا میں محفوظ کیا جائے گا۔ البتہ کینیڈا کی حکومت نے امریکی انتظامیہ کو متنبہ کیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ کسی بھی مہم جوئی (Misadventure) سے باز رہے۔ امریکہ کی طرف سے کسی بھی ایسی کارروائی کے نہایت خطرناک نتائج ہوں گے۔

پاکستان کی انتظامیہ اور پاک فوج کو ان معاملات کی پوری خبر تھی۔ پاکستان کی انتظامیہ اور پاک فوج نے اس کا مؤثر سدباب کرنے کے لیے اپنی مکمل منصوبہ بندی کر لی تھی۔ پاک فوج نے پہلے سے بنائے منصوبے کے تحت اس بات کو یقینی کیا کہ مالاکنڈ ڈویژن میں ملٹری آپریشن کی صورت میں ایسی تدبیر کی جائے کہ عوام کے ساتھ الجھنے کی نوبت ہی نہ آئے جبکہ علاقے میں موجود انڈیا کے طالبان کے ساتھ ملے ہوئے فوجی اور دیگر طالبان جو پاک فوج کے ساتھ لڑ مرنے کو تیار ہیں ان کو چن لیا جائے گا اور چند مہینوں میں کام مکمل کیا جائے گا۔

امریکا نے حکومت پاکستان کو مجبور کرنے کی کوشش کی کہ امریکی فوج کو مالاکنڈ کے آپریشن میں پاک فوج کی مدد کے لیے شامل کیا جائے۔ امریکا کا دعویٰ تھا کہ پاک فوج شر پسندوں کے ساتھ نمٹنے کی استطاعت نہیں رکھتی اس لیے امریکی فوج کو پاکستان کے اندر مالاکنڈ ڈویژن میں فوجی کارروائی کرنے دی جائے تاکہ وہ شر پسندوں کو تباہ کر سکے۔ دراصل امریکی فوج کی صلاحیتیں پاک فوج کے مقابلے میں کہیں کمتر ہیں۔ صومالیہ کے شہر موغادیشو میں جب امریکی فوجی صومالوی جنگ جوؤں کے گھیرے میں آ گئے اور امریکی فوج کی تباہی یقینی تھی مگر اقوام متحدہ کی امن فوج میں متعین پاک فوج کے افسروں اور جوانوں نے مؤثر کارروائی کر کے ان امریکی فوج کے افسروں اور جوانوں کی جان

بچائی۔ امریکی فوج کو ہرگز شک نہیں کہ پاک فوج باصلاحیت اور دنیا کی بہترین فوج ہے مگر امریکی انتظامیہ کی نیت کچھ اور تھی۔ امریکی انتظامیہ چاہتی تھی کہ ان کی فوج پاک سرزمین کے اندر آپریشن کر کے ایسے عوامل پیدا کرے کہ یہاں پر خانہ جنگی کی صورت حال ہو پھر بہانہ بنا کر مزید فوجیں لا کر اپنے مکروہ عزائم میں کامیابی حاصل کرے۔ حکومت پاکستان نے امریکی انتظامیہ کو جواب دیا کہ امریکی فوج اور کسی بھی غیر ملکی فوج کو پاک سرزمین پر کسی قسم کے ایکشن کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی۔

انڈیا نے امریکی انتظامیہ کو یقین دلایا کہ انہوں نے سری لنکا کے تامل باغیوں کی طرح مالاکنڈ ڈویژن کے شرپسندوں کو بھی پوری طرح تیار کیا۔ انہیں جدید ترین امریکی اور انڈین اسلحہ سے مسلح کیا۔ جدید مواصلاتی نظام سے لیس کیا اور یہ جنگ جو کم از کم بیس برس تک برسرپیکار رہیں گے۔ جوں جوں پاک فوج نے روانگی (Movement) شروع کی تو شرپسندوں نے راستوں پر Improvised Explosive Devices (IED'S) بچھا دیئے۔ وہ شرپسند پاک فوج کے کانوائے روٹس پر Ambush کرنے کے لیے گھات لگا کر بیٹھ گئے۔ پاک فوج نے شرپسندوں کے ایسے اعمال کا کئی مرتبہ مقابلہ کیا اس لیے پاک فوج کو توقع تھی کہ یہاں پر بھی شرپسند ایسا کچھ ضرور کریں گے۔ شرپسندوں کو اپنی کارروائی پر ناز تھا اور پاک فوج کے ساتھ برسوں لڑنے کی باتیں اور دعوے کرتے رہے مگر پاک فوج نے اپنے ہدف (Objective) پر پہنچنے کے لیے کئی اور متبادل ذرائع استعمال کیے۔ پاک فوج کے ہیلی بورن (Hellborne) یونٹوں کے ذریعے فوج اور کمانڈوز کو مطلوبہ ہدف (Objective) پر پہنچا دیا گیا۔ دشمن کے ایسے ٹھکانے جو توپ خانے کی گولہ باری سے محفوظ تھے ان پر پاک فضائیہ کے شاہینوں نے Precision Guided Missiles کی بم باری کر کے شرپسندوں کو سر اٹھانے نہیں دیا تب پاک فوج کے کمانڈوز نے شرپسندوں کو ایسا دبوچ لیا کہ انہیں فرار کا راستہ بھی نہ مل سکا۔

27 اپریل 2009ء کو پاک فوج نے مینگورہ پر توپ خانے کے چند گولے فائر کیے تا کہ سول آبادی انخلا کر لے اور یوں آپریشن راہ راست کا آغاز کیا۔ جب سول آبادی اپنے گھر چھوڑ کے اہل و عیال کے ساتھ مینگورہ چھوڑ کر باہر آ گئی تو حکومت کی مدد

اور رہنمائی میں سلامتی کے ساتھ انہیں Internally Displaced Persons (I.D.P) کے کیمپوں میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں پر انتظامیہ نے ان لوگوں کو تمام ضروری سہولیات بہم پہنچائیں اور ان کی کفالت بھی حکومت کی طرف سے کی گئی۔ 7 مئی 2009ء کو وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی نے قوم کو اعتماد میں لینے کے لیے مزید فرمایا کہ:

''پاک فوج کو حکم دیا گیا ہے کہ مالاکنڈ ڈویژن میں شدت پسندوں کا قلع قمع کرے اور حکومت کی رٹ قائم کرے۔''

انہوں نے مزید فرمایا کہ:

''پاکستان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہا ہے۔''

آپریشن راہِ راست سوات، دیر، بونیر اور شانگلہ میں بیک وقت شروع کیا گیا۔ ان علاقوں سے بیس لاکھ سے زیادہ افراد نقل مکانی کر کے IDP کیمپوں میں پناہ گزین ہوئے۔ پاک فوج نے شرپسندوں کے ٹھکانے تباہ کیے۔ کئی انڈین فوجی مارے گئے اور پکڑے گئے۔ انڈین آرمی اور امریکن آرمی کے وہ ہتھیار بھی پکڑے گئے جو انہوں نے طالبان کو دیئے تھے تاکہ پاکستان میں باغیانہ کارروائیاں کرتے رہیں اور پاک فوج کے ساتھ جنگ کرتے رہیں۔ پاک فوج کے جوانوں آرمرڈ کور پاک فوج کے توپ خانہ اور پاک فضائیہ کی مؤثر کارروائی کی بدولت چند مہینوں میں شدت پسندوں کی کمر ٹوٹ گئی۔ ان کے کئی کمانڈر مارے گئے اور پکڑے گئے۔ ان کے سربراہ ملا فضل اللہ کو زخمی حالت میں افغانستان میں انڈین قونصل خانے میں پہنچایا گیا۔ مالاکنڈ ڈویژن میں تحریک طالبان پاکستان (TTP) کا زور ٹوٹ گیا۔ 2 ستمبر 2009ء کو آپریشن راہ راست مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد IDP's کی واپسی کا بندوبست کیا گیا۔ اب تک سارے لوگ اپنے گھروں میں واپس چلے گئے۔ پاک فوج نے مالاکنڈ ڈویژن میں تعمیرِ نو کے کام میں حکومت کا ہاتھ بٹانا شروع کیا ہے۔

فیڈرلی ایڈمنسٹرڈ ٹرائبل ایریاز (FATA) میں بیرونی مداخلت:

یہ علاقہ صوبہ خیبر پختون خوا کا مغربی سرحدی علاقہ ہے۔ فاٹا کی سرحدیں

افغانستان سے ملتی ہیں۔ ان علاقوں پر حکومت خیبر پختون خوا کو کسی قسم کا انتظامی اختیار نہیں مگر یہاں پر ہونے والے واقعات اور تباہی کا اثر براہ راست صوبہ خیبر پختون خوا کے عوام پر پڑتا ہے۔ فاٹا میں جنوب سے شمال کی طرف شمار کریں تو جنوبی وزیرستان، شمالی وزیرستان، کرم ایجنسی، خیبر ایجنسی، مہمند ایجنسی اور باجوڑ ایجنسی آتے ہیں، ان تمام علاقوں کی مغربی سرحدیں افغانستان کے ساتھ ملتی ہیں جبکہ اورکزئی ایجنسی کی سرحدیں خیبر ایجنسی اور کرم ایجنسی سے ملتی ہیں۔ اورکزئی ایجنسی کی سرحدیں افغانستان کے ساتھ براہ راست نہیں ملتیں۔ باجوڑ ایجنسی کے شمال میں مالاکنڈ ڈویژن کا ضلع دیر آتا ہے جبکہ FATA کے تمام علاقوں کی سرحدیں مشرق میں صوبہ خیبر پختون خوا کے ساتھ ملتی ہیں۔

FATA میں کئی قبائل آباد ہیں جن میں کچھ اہل سنت مسلک کے مسلمان ہیں تو کچھ اہل تشیع مسلک سے وابستہ ہیں جبکہ اہل تشیع کے لوگ کسی بھی عسکریت پسند تنظیم سے وابستہ نہیں۔ یہ لوگ اکثر طالبان کے ٹارگٹ رہے ہیں۔ انہوں نے پاک فوج کی مدد کی ہے اور اپنی مدد کے لیے پاک فوج کو درخواست کرتے ہوتے تھے۔ پاک فوج نے بھی مؤثر طریقے سے ان کی مدد کی ہے اور شرپسندوں کی دہشت گردی سے ان کی حفاظت کی ہے۔

FATA میں ہندو اور سکھ اور عیسائی مذہب کے پیروکار بھی رہتے ہیں جو پاکستان کے وفادار شہری ہیں۔ فاٹا میں آباد قابل ذکر قبائل مہمند، اتمان خیل، ترکان، صافی، آفریدی، اورکزئی، توری، بنگش، داوڑ، شلیمانی، شنواری، ملاگوری، پارچنار، موسیٰ زئی، سعیدگائی، محسود، وزیر، بھٹانی، خراسین، گرباز، استرانہ، اتمانزئی، احمدزئی اور شیرانی ہیں۔ مالاکنڈ ڈویژن کے مقابلے میں فاٹا کی صورت حال مختلف ہے۔ یہاں پر کئی قبائل آباد ہیں جبکہ مالاکنڈ میں اکثر یوسف زئی قبیلہ ہے۔ وہاں پر گوجر برادری کے لوگ بھی آباد ہیں مگر یہ لوگ زیادہ تر بھیڑ بکریوں کی گلہ بانی اور زراعت کے پیشے سے منسلک ہیں اور پرامن رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ مالاکنڈ میں بھی ہندو، سکھ اور عیسائی آبادی ہے جو پاکستان سے وابستہ پرامن شہری ہیں۔ جیسے کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ فاٹا میں سنی اور شیعہ مسلک کے لوگ آباد ہیں اور ان کی آپس میں خونریز لڑائیاں بھی ہوتی ہیں اس لیے مقامی آبادی طالبان کے خلاف مسلح اور منظم ہے اور طالبان کے خلاف مقامی آبادی کی طرف سے

مدافعت موجود ہے۔

جنوبی وزیرستان میں اعظم ورسک کے علاقے میں کچھ ازبک آ کر آباد ہوئے۔ یہ لوگ 1980ء کی دہائی میں جنرل ضیاالحق کے دور حکومت میں آباد ہوئے۔ اس وقت جنرل ضیاالحق حکومت کی انہیں تائید حاصل تھی تا کہ یہ گروہ وسط ایشیائی ممالک ازبکستان میں تحریک چلا کر گڑبڑ کر کے روس سے علیحدہ کر دیں۔ جنوبی وزیرستان میں ان لوگوں نے زور پکڑا اور Islamic Movement of Uzbekistan (IMU) کے نام سے منظم تھے۔ ان کا کمانڈر طاہر یلدوف ہے۔ انہوں نے جنوبی وزیرستان میں اپنی الگ حکومت قائم کر رکھی تھی اور اپنی جیلیں اور عقوبت خانے بنا رکھے تھے۔ یہ لوگ مقامی وزیر قبائل کے دیہات اور بستیوں اور دیگر آبادیوں میں گھس کر وہاں پر سوشل جرائم میں ملوث رہتے۔ مقامی وزیر قبائل کی آبادی ان جنگ جوؤں کی کارروائیوں سے نالاں تھی اور انہیں اپنے علاقے سے نکالنا چاہتی تھی مگر ازبکوں کی طاقت کے آگے بے بس تھی۔ مقامی وزیر قبائل نے طالبان سے مل کر IMU کے سربراہ طاہر یلدوف کو اپنے جنگجوؤں کو غیر مسلح کرنے کا مطالبہ کیا تا کہ وہاں پر امن قائم ہو مگر ازبک سربراہ اور اس کے جنگ جوؤں نے انکار کیا۔ ازبک جنگ جو افغانستان میں امریکیوں کے خلاف جنگ میں ملوث نہیں ہوتے تھے بس ڈالر وصول کرتے تھے اور مزے سے جنوبی وزیرستان میں رہتے اور اکثر و بیشتر یہیں پر خرمستیاں کرتے پھرتے۔ مقامی وزیر قبائل اور پاکستان کے ساتھ وفادار طالبان نے مل کر اعظم ورسک میں آباد IMU تنظیم کے ازبکوں پر حملہ کر دیا۔ 29 مارچ 2007ء سے 2 اپریل 2007ء تک جنگ ہوتی رہی۔ آخر ازبکوں کو سرحد پار افغانستان میں دھکیل دیا گیا۔ اس کے بعد وزیر قبائل نے حکومت پاکستان کو علاقے کا کنٹرول سنبھالنے کو کہا اور پاک فوج کو وہاں پر تعینات کیا گیا۔ فاٹا میں جنرل ضیاالحق کے دور سے طالبان موجود تھے۔ اس وقت انہیں مجاہدین کہتے تھے اور یہ مجاہدین روس کے خلاف افغانستان میں جنگ لڑتے رہے۔ امریکا کا افغانستان پر قبضہ ہوا تو امریکا نے انہیں طالبان کا نام دیا اور پھر القاعدہ کے ساتھ بھی انہیں نتھی کرتے رہے۔ روس کے افغانستان سے انخلا کے بعد یہاں کے مجاہدین کچھ بے عمل رہے تو کچھ ایسے علاقے میں جا کر جنگ لڑتے رہے جہاں

پر مسلمان غیر مسلموں کے ظلم و بربریت کے شکار ہوتے ہیں۔ امریکی فوج نے افغانستان کو اپنے قبضہ میں کیا اور وہاں پر ملا عمر کی حکومت رخصت ہوئی تو امریکا نے اپنے وفادار حامد کرزئی کو صدر بنا کر ایک پختو حکومت قائم تو FATA میں مجاہدین بھی حرکت میں آ ئے۔ یہاں کے کچھ لوگوں کو ورغلا کر پاکستان مخالف بنایا گیا اور انہیں انڈین اور امریکی اسلحہ سے مسلح کیا گیا۔ ساتھ میں جدید مواصلاتی نظام بھی امریکی انتظامیہ نے ان طالبان کو بہم پہنچایا۔ دسمبر 2001ء سے نومبر 2002ء تک پاکستان کی سلامتی کے خلاف انڈو امریکی منصوبہ خاک میں مل گیا تو انڈیا اور امریکا نے پاکستان کی سلامتی کے خلاف دوسرے دور کا آغاز کیا۔ 2003ء میں فاٹا کے علاقے میں طالبان نے زور پکڑ لیا۔ 2004ء میں حکومت پاکستان نے طالبان کے کئی گروہوں سے معاہدات کیے جن کی بدولت سرکاری طور پر فاٹا میں طالبان کو ایک حیثیت اور اختیار (Recognition) مل گیا۔ 2004ء کے بعد جب طالبان نے زیادہ طاقت پکڑ لی تو حکومت کے ساتھ کیے معاہدے کو پس پشت ڈال دیا اور اپنی تخریبی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ پاک فوج اور طالبان کے درمیان خونریز جھڑپیں ہوئیں اور جب طالبان کی طاقت کمزور پڑ گئی تو پھر سے انہوں نے حکومت سے معاہدے کے لیے کوششیں تیز کر دیں۔ 21 جون 2006ء کو وزیرستان میں طالبان کے عسکری سربراہ (Military Head) سراج الدین حقانی نے طالبان میں احکامات جاری کیے جس میں ان کی پالیسی وضع کی گئی۔ سراج الدین حقانی کے جاری کردہ احکامات کے مطابق طالبان کی پالیسی یہ ہے کہ طالبان پاک فوج کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے۔ گویا یہ جناب سراج الدین حقانی کی طرف سے حکومت پاکستان اور طالبان کے درمیان ایک اعتماد سازی کا عنصر تھا۔ 5 ستمبر 2006ء کو میرانشاہ، شمالی وزیرستان میں حکومت پاکستان اور قبائلی رہنماؤں کے درمیان معاہدے پر دستخط ہوئے جسے معاہدہ وزیرستان (Waziristan Accord) کہا جاتا ہے۔ اس معاہدہ کے تحت قبائل اور پاک فوج کے درمیان اور قبائل کی آپس میں ہر قسم کی جنگ بندی ہوئی۔ تحریک طالبان کا حقانی گروپ جو کہ شمالی وزیرستان میں سے افغانستان میں قابض فوجوں کے خلاف جہاد میں برسرپیکار ہے وہ پاکستان کے ساتھ وفادار ہے اور معاہدۂ وزیرستان پر عمل پیرا ہے۔ اس لیے شمالی

وزیرستان میں امن ہے۔

جنوبی وزیرستان میں انڈو امریکی حمایت یافتہ بیت اللہ محسود نے اپنی قیادت میں 2007ء میں تحریک طالبان پاکستان (TTP) کی بنیاد ڈالی۔ یہ پاکستان مخالف طالبان کا گروہ ہے۔ اس کے بعد پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں خودکش حملوں اور دھماکوں میں اضافہ ہوا۔ 2008ء میں ان کے ساتھ بھی حکومت پاکستان نے امن معاہدہ کیا کہ یہ لوگ پاک فوج کے ساتھ جنگ نہیں کریں گے اور پاکستان کے اندر گڑبڑ اور خودکش حملے نہیں کریں گے مگر بیت اللہ محسود گروپ کا یہ شیوہ رہا ہے کہ جب بھی فوج کی کارروائی کی وجہ سے دباؤ میں آتے اور منتشر ہوتے تو امن معاہدہ کرتے اور جب Regroup ہوتے اور زور پکڑتے تو معاہدے کی خلاف ورزی کرتے۔ آخر کار حکومت پاکستان نے تحریک طالبان پاکستان پر پابندی عائد کی۔ یہ طالبان کے خلاف مستقبل میں آنے والے طوفان اور تباہی کا پیش خیمہ تھا۔ یوں وزیرستان اور مالاکنڈ ڈویژن میں TTP کے طالبان پر پابندی عائد ہوئی اور اس تنظیم کو غیر قانونی قرار دیا گیا۔ اب آنے والے وقتوں میں ان پر فوجی کارروائی جائز ہو چکی تھی مگر TTP کے جنگجوؤں کو اس کا ادراک نہیں ہو سکا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے تھا کہ حکومت مست ہاتھی (فیلِ مست) ہوتا ہے۔ حکومت کی طاقت کے آگے کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ پاک فوج ویسے بھی پروفیشنل اور تربیت یافتہ دنیا کی بہترین فوج ہے اور جدید ترین اسلحہ اور سازوسامان سے لیس ہے۔ اگر ماضی میں ان کے ساتھ معاہدات کرتے رہے تو اسے پاک فوج کی کمزوری تصور نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ مگر پاکستان مخالف طالبان کو انڈو امریکی پشت پناہی حاصل تھی۔ رقم کی ریل پیل تھی اور ایک طاقتور مستقبل کی امید تھی جس کی وجہ سے وہ پاک فوج کے مقابل لڑنے مرنے کو تیار رہتے تھے۔ یہ لوگ ایک خاص سوچے سمجھے منصوبے کے تحت پاکستان میں تخریب کاری کرتے اور اکثر ایسے مواقع پر پاکستان دھماکوں اور خودکش حملوں کی بدولت گونج اٹھتا اور سینکڑوں بے گناہ شہری جاں بحق ہوتے۔ جب امریکا کی طرف سے پاکستان کو اپنے مفاد میں جنگ لڑنے کے لیے مجبور کرنے کے لیے امریکی عہدیدار پاکستان میں وارد ہوتے تھے۔ جنوبی وزیرستان کے طالبان کا زور توڑنے اور وہاں پر حکومت کی رٹ بحال کرنے

کے لیے 6 جون 2009ء کو آپریشن راہ نجات کا آغاز ہوا۔ یہاں سے بھی مالاکنڈ ڈویژن کی طرح سول آبادی کا منظم طریقہ سے انخلا کیا گیا۔ ان کے لیے میدانی علاقوں میں IDP کیمپ بنائے گئے اور ان کیمپوں میں انہیں بسایا گیا۔ اگست 2009ء کو بیت اللہ محسود قتل ہوا اور حکیم اللہ محسود تحریک طالبان پاکستان جنوبی وزیرستان کا کمانڈر بن گیا۔ 12 دسمبر 2009ء کو پاک فوج نے اعلان کیا کہ جنوبی وزیرستان میں حکومت کی رٹ قائم ہوگئی اور طالبان کا زور ٹوٹ گیا۔ اس کے بعد آپریشن راہ نجات کو مکمل کیا گیا۔

دسمبر 2001ء سے نومبر 2002ء تک پاکستان کی بقا کے خلاف انڈو امریکی منصوبہ ناکام ہوا۔ یہ پاکستان کی سلامتی پر پہلے حملے کا دور سمجھا جاتا ہے۔ اس دور میں پاکستان نے اپنے ایٹم بموں کے First Stricke Option کے استعمال سے آگاہ کر کے دشمن کے ارادے خاک میں ملا دیئے۔ 2003ء سے 2009ء تک کے طویل عرصے میں پاکستان کی بقا کو کئی خطرات لاحق ہوئے مگر ڈپلومیسی اور جدوجہد کے ذریعے دشمن کے بنائے گئے منصوبے ناکام ہوگئے۔ یہ دور پاکستان کی بقا کی خاطر لڑی جانے والی جنگ کا دوسرا دور ہے۔ الحمدللہ اس میں بھی پاکستان سرخرو ہوا اور اپنی بقا پر آنچ نہیں آنے دی۔ دسمبر 2009ء کو دشمن ناکام ہوا تو اب سازشیں، دھونس، دھمکی اور لالچ کے طریقے استعمال کرنے شروع کر دیئے۔ امریکی سینیٹر جان مکین نے امریکی انتظامیہ سے مطالبہ کیا کہ پاکستان کو Carrot & Stick کی پالیسی کے ذریعے تابع کیا جائے۔ اس پالیسی کے علاوہ افواہ سازی، قوم کو ڈرانے دھمکانے اور حکومت پر دباؤ ڈالنے کے منصوبے پر دشمن نے عمل کرنا شروع کیا۔ اب پاکستان کی بقا کے خلاف تیسرا راؤنڈ شروع ہوا اس راؤنڈ میں ڈپلومیسی، چاپلوسی، دھمکی، لالچ، کشمیر جیسے حساس معاملے میں طفل تسلیاں اور وعدے وعید دیگر Dirty tricks اور تیکی تماشے شروع کیے گئے جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

باب دہم

پاکستان کی بقا کولاحق خطرات کا تیسرا دور

اکتوبر 1999ء سے نومبر 2002ء تک جنرل پرویز مشرف بلاشرکت غیرے پاکستان کے حکمران رہے۔ نومبر 2002ء میں قومی انتخابات کے لیے ایک نئی سیاسی جماعت پاکستان مسلم لیگ (قائداعظم) PML (Q) کے نام سے بنائی گئی۔ عام انتخابات کے نتیجے میں PML (Q) کی مخلوط حکومت بنی اور 21 نومبر 2002ء کو میر ظفر اللہ جمالی وزیراعظم بنے۔ 26 جون 2004ء کو صدر صاحب نے ان سے استعفیٰ طلب کیا۔ یوں وہ مستعفی ہو گئے۔ 28 اگست 2004ء کو جناب شوکت عزیز وزیراعظم مقرر ہوئے۔

جنرل پرویز مشرف کے زوال کا آغاز:

وزیراعظم شوکت عزیز کا منفرد کارنامہ یہ تھا کہ انہوں نے پاکستان سٹیل مل کو فروخت کیا۔ دنیا کی تاریخ میں پہلے بھی اس قسم کا ایک منفرد واقعہ ہوا تھا۔ ایک امریکی شہری الفرڈ مینظر نے فرانس کے شہر پیرس میں بنے ہوئے آئفل ٹاور کو دو مرتبہ کباڑیوں کو فروخت کیا۔ انہوں نے اصل قیمت بھی آپ وصول کی اور کباڑیوں سے اپنے لیے کمیشن بھی وصول کر لی تھی۔ 9 اگست 2006ء کے ڈان اخبار کی خبر کے مطابق پاکستان سٹیل مل کے متعلق تفصیلات کچھ اس طرح چھپی ہیں:

''حکومت نے پاکستان سٹیل مل کو عارف حبیب کے ہاتھ فروخت

کیا۔ عارف حبیب وہ شخص ہے جس پر عدالتوں میں کریمنل مقدمات چل رہے ہیں اس لیے قانون کے مطابق ایسا شخص قومی اثاثہ جات خریدنے کے لیے نااہل (Disqualify) ہے۔ حکومت نے پاکستان اسٹیل مل فقط 20.88 ارب روپے کے عوض عارف حبیب کو فروخت کی۔ کچھ مزید تفصیلات درج ذیل ہیں:

-1 قیمت فروخت: 20.88 ارب روپیہ

-2 حکومت پاکستان نے اپنے پاس سے 22.57 ارب روپیہ واجبات ادا کرنے ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

الف: قرضوں کی واپسی: 7.57 ارب روپیہ

ب: VSS والنٹری

سیپریشن فرام سروس کے ملازمین کو ادائیگی: 15-0 ارب روپیہ

-3 PSMC میں موجود اثاثہ جات: 21.65 ارب روپیہ

الف: مختلف مدارج میں موجود میٹریل: 12.65 ارب روپیہ

ب: ٹیکس ریفنڈ جو کہ PSMC کو وصول ہونا ہے: ایک ارب روپیہ

ت: کیش ان ہینڈ 8.00 ارب روپیہ

نوٹ: 21.65 ارب روپیہ خریدار کے حوالے ہونے ہیں۔

-4 PSMC کی ملکیتی صنعتی زمین جس میں فیکٹری بنی ہوئی ہے، وہ ہے 14457 ایکڑ اور شہری زمین 14,453 ایکڑ۔ کل 19000 (انیس ہزار) ایکڑ زمین۔

-5 PSMC کی ملکیتی دفاتر و عمارات جو دیگر شہروں میں موجود ہیں۔

اس طرح جناب شوکت عزیز صاحب وزیراعظم پاکستان نے پاکستان سٹیل مل کارپوریشن کے عظیم اثاثے کو فروخت کیا۔ اب آپ خود اندازہ کیجیے کہ انہوں نے کس حجم کے کمیشن (Kick Backs) وصول کیے۔ پاکستان کے چیف جسٹس جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری نے سوموٹو ایکشن لیا اور 24 جون 2006ء کو پاکستان اسٹیل مل کی فروخت کے سودے کو منسوخ کیا۔ وزیراعظم جناب شوکت عزیز نے صدر صاحب کو چیف جسٹس

جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف ریفرنس بھیجا تو صدر صاحب کے حکم سے 9 مارچ 2007ء کو جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کو نان فنکشنل (Non, Functional) کیا گیا اور سپریم جوڈیشل کونسل میں ان پر بدعنوانی اور دوست پروری اور مخصوص وکلا کے متعلق عناد کے الزامات عائد کر کے کیس چلانے کی ہدایت کی۔ یہ ہے الٹا چوز کو توال کو ڈانٹے کی ایک نئی مثال۔ جسٹس افتخار محمد چوہدری کے ساتھ اس طرح کا جاہلانہ حکومتی رویہ آخر کار حکومت کے زوال کا سبب بنا۔

پاکستان میں حکمران جنرل پرویز مشرف کی صدارت میں اپنے منفرد انداز سے حکمرانی کرتے رہے۔ اغیار ممالک کے احکام کی پیروی کرتے رہے اور ملک کو خطرناک حالات کی طرف دھکیلتے رہے۔ دوسری طرف ملک بدر ہوئے سیاسی رہنما ملک کو تباہی سے نجات دلانے میں متحرک ہوئے اور منصوبہ بندی میں مشغول ہوئے۔ یوں بھی پارلیمانی جمہوریت میں حزب اختلاف کو Shadow حکومت کہتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں حزب اختلاف اپنی شیڈو کابینہ بھی بنالیتی ہے۔ اس لیے پاکستان کی حزب اختلاف کا یہ جمہوری حق ہے کہ وہ بھی آنے والے وقتوں میں حکمرانی کرنے کے لیے اپنی منصوبہ بندی کریں۔

فروری 2005ء میں PML (N) کے رہنما جناب محمد نواز شریف اور PPP کی رہنما محترمہ بے نظیر بھٹو مل بیٹھے اور ایک ایسے عہد کے بارے میں غور وفکر کیا جس کی بدولت دونوں بڑی جماعتیں متفقہ جدوجہد کر کے پاکستان میں آمریت کو ختم کریں اور جب جمہوریت بحال ہو اور ان دو جماعتوں میں سے کسی کی حکومت آئے تو پھر دونوں جماعتیں مل کر دستور میں آمروں کی کی گئی ترمیموں کو ختم کرنے کے لیے نئی ترامیم اسمبلی سے پاس کریں۔ اس کے علاوہ دیگر کئی جمہوری اصلاحات کرنے کے لیے کام کرتے رہیں۔ فروری 2005ء سے مئی 2006ء تک آپسی غور وفکر کے بعد 14 مئی 2006ء کو ایک عہد نامے پر دونوں جماعتوں کے رہنماؤں نے دستخط کر دیئے۔ یہ عہد نامہ چارٹر آف ڈیموکریسی کہلایا اور 2 جولائی 2006ء سے نافذ العمل ہوا۔ ملک سے باہر رہتے ہوئے قومی سیاسی رہنما مستعد ہوئے تو قدرت نے انہیں اپنے مقاصد کے حصول کا موقع بھی

فراہم کیا۔ پاکستان کے وزیراعظم نے پاکستان سٹیل مل کارپوریشن کے سارے اثاثہ جات کچھ اس انداز سے فروخت کیے کہ اربوں روپیہ سالانہ منافع حاصل کرنے والا یہ قومی اثاثہ کوڑیوں کے بھاؤ بیچا اور پھر حکومت نے اپنے پاس سے بھی اربوں روپے خرچ کر کے Clear title یعنی قرضوں اور واجبات سے پاک کر کے اپنے چہیتے کے حوالے کیے۔ دن دیہاڑے سرعام قومی سرمائے کو لوٹا جا رہا تھا۔ ملک کے اندر تو عوام کو بے خبر رکھا گیا مگر جن ہستیوں نے اس ملک پر حکمرانی کی اور مختلف ادوار میں وزیراعظم بھی رہے، ان کو تو اعداد و شمار معلوم کرنے میں کوئی دشواری نہ تھی۔ جون 2006ء میں جب چیف جسٹس جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری نے پاکستان سٹیل مل کا سودا منسوخ کیا تو وزیراعظم شوکت عزیز چیف جسٹس صاحب پر ناراض ہوئے ان کی یہ ناراضگی چنگاری سے بڑھ کر شعلہ بن گئی جس کی لپیٹ میں بعدازاں حکومت خود آ گئی۔ اس کے علاوہ مساجد پر فوجی آپریشن جیسے واقعات ہوئے جس میں کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ کئی خاندانوں کے لخت جگر ان سے بچھڑ گئے۔ حکومت اور حکومت میں ذمہ داران اور حکمران سیاسی جماعت عوام کی نظروں میں گر گئی۔ حزب اختلاف کو حکومت کی جڑیں کھوکھلی ہوتی ہوئی نظر آئیں۔ مارچ 2007ء میں وزیراعظم شوکت عزیز نے صدر پاکستان کو چیف جسٹس جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کے خلاف کئی الزامات لگا کر ریفرنس بھیج دیا تا کہ چیف جسٹس صاحب کو سزا دی جائے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے 9 مارچ 2007ء کو جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کو نان فنکشنل کر کے ان کے خلاف سپریم جوڈیشل کونسل میں مقدمہ چلانے کا حکم دیا۔ عدالتی نظام میں صرف جج ہی نہیں ہوتے۔ عدالتی نظام کے دو ستون ہوتے ہیں۔ ایک بینچ یعنی جج صاحبان دوسرا بار یعنی وکلا، جو جج صاحبان کی معاونت کرتے ہیں تا کہ جج صاحبان درست فیصلے کے قریب پہنچ سکیں۔ حکومت کے اس اقدام کو نہ تو بینچ نے تسلیم کیا نہ ہی بار نے تسلیم کیا۔ عدلیہ کے ان دونوں ستونوں نے اس معاملے کو ملک کے نظام انصاف میں غیر آئینی مداخلت تصور کیا۔ سپریم کورٹ میں قانونی جنگ اپنی جگہ پر جاری رہی جبکہ بار نے بینچ (جج صاحبان) کو ساتھ لے کر حکومت کے خلاف پرامن تحریک چلائی۔ یہ ایک ایسی تحریک تھی جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ ملک کے ایک سرے سے لے کر

دوسرے سرے تک ایک ایسا لانگ مارچ کیا گیا جس میں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی اور دن رات مارچ کرتے چلے۔ اس صورت حال نے حزب اختلاف کی دونوں بڑی جماعتوں کے لیے اپنے مقاصد کی تکمیل کا سنہری موقع فراہم کیا۔

امریکی انتظامیہ کے پاکستان میں اپنے قومی مفادات وابستہ تھے۔ ملک میں شدید انارکی پھیلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے امریکا کو اپنے مفادات کے حصول میں دشواری پیش آ رہی تھی اور ان کو مطلوبہ مقاصد کا حصول تقریباً رک سا گیا تھا۔ پاکستان کی بگڑتی ہوئی اندرونی صورت حال پر امریکی انتظامیہ کو تشویش لاحق ہوئی لہٰذا اس نے اپنے مطلب کی ایک متبادل حکومت بنانے کی منصوبہ بندی کرنے پر غور کیا۔ پاکستان میں PPP یا PML (N) متبادل قیادت نظر آئی۔ PML (N) کے محترم محمد نواز شریف مغرب کے عتاب یافتہ تھے۔ انہوں نے پاکستان کے دستور میں پندرہویں آئینی ترمیم کی اور ملک میں قوم کے لیے اسلامی معاشرے کے قیام کی طرف پیش رفت کی۔ جناب محمد نواز شریف کا یہ عمل مغرب کے لیے نہایت ناپسندیدہ ہے۔ جناب محمد نواز شریف کی وزارت عظمیٰ کے دور میں پاکستان کی میزائل ٹیکنالوجی نے سرعت کے ساتھ ترقی کی۔ 6 اپریل 1999ء کو غوری ٹو اور پھر 29 ستمبر کو غوری تھری میزائل جو 3500 کلومیٹر فاصلہ تک ہدف پر ایٹم بم گرا سکتا ہے، کا لیبارٹری میں Static Engine Test بھی مغرب اور امریکا کو بے حد ناپسند تھا۔ اسرائیل کا دارالحکومت تل ابیب پاکستان سے تقریباً 3250 نائیکل کلومیٹر ہے۔ غوری تھری کی رینج 3500 کلومیٹر ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسرائیل پاکستان کے میزائل کی رینج میں آ چکا ہے۔ بھلا ایسا پاکستانی رہنما امریکا کو کیونکر پسند ہوگا جو ان کے چہیتے اسرائیل کو خطرے میں ڈال دے اور اسرائیل قوم کو ہیجانی اور ذرکی کیفیت میں ڈال دے۔ یاد رہے کہ غوری تھری میزائل کا رینج پر فائر کر کے ٹیسٹ نہیں کیا گیا۔ اس کے بعد آج تک اگر کوئی لانگ رینج میزائل بنے بھی ہیں تو ان کا بھی لیبارٹری میں Static Engine Test ہوا۔ سنہ 2008ء میں نوائے وقت کی ایک خبر کے مطابق پاکستان کے پاس 5000 کلومیٹر تک مار کرنے والے ایٹمی بیلسٹک میزائل موجود ہیں مگر آج تک نہ ہی غوری تھری میزائل کا رینج ٹیسٹ کیا گیا نہ ہی شاہین تھری کا رینج ٹیسٹ کیا گیا جبکہ پاکستان کا میزائل

ٹیکنالوجی پروگرام نہایت جدید ہے اور تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا کہ 2004ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو میزائل پروگرام سے علیحدہ کیا گیا تھا۔ امریکی CIA کا ڈائریکٹر بھی پاکستان میں آ کر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو سوالات کر کے ٹٹولتا رہا تا کہ معلوم کر سکے کہ پاکستان کا میزائل پروگرام کس حد تک پہنچ گیا مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے بجائے شٹ اپ سن کر نامراد ہو کر واپس لوٹ گیا۔

عراق نے جب اسرائیل کو Threaten کیا تو امریکا نے اسے تہس نہس کر دیا۔ پاکستان نے اسرائیل تک مار کرنے والے میزائل بنائے تو امریکا کیسے خاموش رہ سکتا ہے۔ یہ سب اس لیے بیان کیا جا رہا ہے تا کہ قارئین کو ملک کے متعلق حالات سے پوری آگاہی ہو سکے۔ PML (N) کے رہنما سے امریکا کو کچھ حاصل ہونے کی توقع نہ تھی اب صرف PPP کی قیادت تھی جو کہ مستقبل میں پاکستان میں حکومت بنانے کے قابل تھی مگر ان کے راستے میں کئی مقدمات کے کانٹے بکھرے پڑے تھے جن کے ہوتے ہوئے انہیں دلجمعی کے ساتھ سیاست کرنے کا موقع میسر نہیں ہوتا تھا۔ بڑی طاقتوں کے تیسری دنیا کے سیاستدانوں سے مذاکرات اور گفت و شنید ہوتی ہے تو بڑی چالاکی کے ساتھ اپنے مفادات کو لفظوں میں لپیٹ کر بیان کیا جاتا ہے اور ان کو حاصل کرنے کے لیے وعدے وعید لیے جاتے ہیں۔ سیاست شطرنج کے کھیل کی طرح ہوتی ہے۔ ایک کھلاڑی اپنے مہرے کو آگے بڑھاتا ہے تو اس کے اگلے داؤ کا دوسرے کھلاڑیوں کو اندازہ نہیں ہوتا۔ اپنے آپ کو کھیل میں شامل کیے رکھنے کے لیے اپنے مہروں کے ساتھ کئی داؤ پیچ لگائے جاتے ہیں۔ یہی کچھ محترمہ بے نظیر بھٹو نے بھی کیا۔ ان دنوں مجھے میرے ایک عزیز ڈاکٹر بندہ علی بگٹی نے لاڑکانہ سے فون کر کے کہا کہ بھائی جان محترمہ بی بی وزیراعظم بن رہی ہیں اور جنرل پرویز مشرف کو صدر رہنا ہے اور دونوں میں یہ معاملہ طے ہوا ہے۔ میں نے انہیں سندھی میں کہا ''کھوڑوئی نہ تھو لگے!'' یہ ایک کہاوت ہے جس کا مطلب ہے ناممکن! پھر میں نے کہا کہ اگر ایسا ہوا بھی تو کوئی سیاسی مجبوری ہوگی اور پہلی فرصت میں محترمہ نے جنرل پرویز مشرف کو فارغ کر دینا ہے۔

سیاسی داؤ پیچ کا سلسلہ چلتا رہا۔ 15 اکتوبر 2007ء کو صدر جنرل پرویز مشرف نے

Reconciliation Ordinance 5 Octobet 2007 جاری کیا۔ اس آرڈی نینس کی رو سے محترمہ بے نظیر بھٹو اور دیگر تمام سیاستدانوں پر سے مخصوص مقدمات ختم ہوئے۔ امریکا کی طرف سے جنرل پرویز مشرف کو یقین دلایا گیا کہ اگلے پانچ برس کے لیے انہیں صدر منتخب کرالیا جائے گا۔ محترمہ بے نظیر بھٹو 18 اکتوبر 2007ء کو دبئی سے کراچی پہنچیں تو ان کا والہانہ استقبال کیا گیا۔ کراچی میں عوام کا ایک سیلاب سا امڈ آیا۔ جس میں محترمہ بے نظیر بھٹو کو اپنے لیے عوام کی محبت بھی نظر آئی تو عوام کی آنکھوں میں بے بسی اور نجات کی تمنا بھی دکھائی دی۔ محترمہ نے محسوس کیا کہ قوم کا بدترین استحصال کیا گیا اور اب قوم محترمہ بے نظیر بھٹو کی ذات میں اپنے لیے ایک نجات دہندہ دیکھ رہی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو نے جنوبی پنجاب میں بہاول پور میں جلسہ کیا تو غریب سرائیکی عوام میں غربت سے نجات کے لیے ایک امید پیدا ہوئی۔ میری گھریلو ملازمہ بہاول پور کے علاقے لڈن کے قریب ایک گاؤں کی رہائشی ہے۔ محترمہ بے نظیر بھٹو کے بہاول پور کے جلسے کے بعد وہ بہت خوش نظر آتی تھی۔ میں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگی کہ: ''بی بی بے نظیر بھٹو وزیراعظم ہوسی تے اساں غریباں واسطے سستیائی کرے سیں۔''

صدر جنرل پرویز مشرف نے اپنے اقتدار کو محفوظ کرنے کے لیے فارغ ہونے والی قومی وصوبائی اسمبلیوں سے اپنے آپ کو مزید پانچ برس کے لیے صدر منتخب کروایا تو عدالت میں آئینی مقدمہ پیش ہوا۔ سپریم کورٹ کے فل بینچ میں تیرہ جج صاحبان مقدمے کی سماعت کرتے رہے۔ ملک کے نامور وکلا جج صاحبان کی معاونت کرتے رہے تا کہ اس آئینی درخواست کا درست فیصلہ کیا جا سکے۔ اب صدر کا حلف اٹھانا تعطل کا شکار ہوا۔ جنرل پرویز مشرف نے جلد بازی کر کے مارشل لاء لگایا۔ ایمرجنسی نافذ کی، آئین کو معطل کیا، بنیادی انسانی حقوق ختم کیے اور پھر انہوں نے 24 نومبر 2007ء کو اگلے پانچ برس کی مدت کے لیے صدر کے عہدے کا حلف اٹھالیا۔ چند دنوں بعد صدر نے دستور بحال کیا، ایمرجنسی ختم کی، بنیادی انسانی حقوق بحال ہوئے۔ عوام، عدلیہ، وکلاء تحریک اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے دباؤ کی وجہ سے جنرل پرویز مشرف نے چیف آف آرمی سٹاف (COAS) کے عہدہ سے اپنے آپ کو ریٹائر کیا۔ 28 نومبر 2007ء کو جنرل اشفاق پرویز

کیانی پاکستان فوج کے نئے چیف آف آرمی اسٹاف بنے۔ عوام کا موڈ دیکھ کر PML (N) کے رہنما جناب محمد نواز شریف اور شہباز شریف اپنی جلاوطنی ترک کر کے پاکستان تشریف لائے۔ ملک میں سیاسی ہلچل عروج پر تھی۔ 27 دسمبر 2007ء کو محترمہ بےنظیر بھٹو نے اپنے الیکشن کے سلسلے میں عوام سے رابطے کا آخری جلسہ راول پنڈی کے لیاقت باغ میں منعقد کیا۔ اس سے پہلے تمام جلسوں کے مقابلہ میں راول پنڈی میں عوام کا بہت بڑا اجتماع تھا۔ محترمہ بےنظیر بھٹو بہت خوش تھیں۔ لوگوں کی والہانہ محبت کو محسوس کر رہی تھیں اور اپنے عوام پر فخر کر رہی تھیں۔ ایک سحر انگیز ماحول تھا۔ عوام اور رہنما کے درمیان ربط کا ایک بے مثال ماحول بنا ہوا تھا۔ جلسہ ختم ہوا۔ محترمہ اپنی مخصوص گاڑی میں سوار ہو کر اسلام آباد کی طرف جانے کے لیے مری روڈ پر سے روانہ ہوئیں۔ ابھی کمیٹی چوک کے قریب ہی تھیں کہ سڑک کی دونوں اطراف موجود عوامی ہجوم نے ہاتھ ہلا ہلا کر نعرے لگانے شروع کیے۔ ایک ایسا ماحول بنا کہ محترمہ نے بے اختیار اپنی گاڑی کی سن روف سے باہر ہو کر عوام کے جذبات کا ہاتھ ہلا کر جواب دیا۔ اچانک ایک دھماکا ہوا۔ اگلے لمحے چند گولیاں چلنے کی آواز سنائی دی۔ محترمہ بےنظیر بھٹو شدید زخمی ہو کر گاڑی کی سیٹ پر آ گریں۔ بعد میں ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق محترمہ نیچے کی طرف اپنی سیٹ پر گرتے وقت وفات پا چکی تھیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ پاکستان میں جمہوریت کا آغاز بےنظیر بھٹو شہید کے لہو سے ہوا! پاکستانی قوم کے لیے ایک دردناک صدمہ تھا۔

جمہوریت کا احیاء اور آمریت کا خاتمہ:

18 فروری 2008ء کو پاکستان میں عام انتخابات ہوئے۔ PPP قومی اسمبلی میں اکثریتی پارٹی بنی مگر اسے واضح اکثریت نہ مل سکی۔ MQM, JUI (F), ANP, FATA کے ممبران اور کچھ آزاد پارلیمنٹیرین کے ساتھ مل کر PPP نے مخلوط حکومت بنائی۔ 22 مارچ 2008ء کو جناب سید یوسف رضا گیلانی پاکستان کے وزیراعظم بنے۔ ملک میں وکلاء کا احتجاج جاری رہا۔ تحریک کے دوران مشرف کے استعفیٰ کی مانگ کرنے کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جون اور جولائی 2008ء تک وکلا اور حزب اختلاف کے رہنماؤں کی طرف سے

مشرف کے استعفیٰ کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ آخر PPP اور PML (N) نے صدر پرویز مشرف کو عہدے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی مکمل کر لی۔ اب PPP اور PML (N) نے صدر سے استعفیٰ دینے کا مطالبہ کیا اور انتباہ کیا کہ اگر وہ استعفیٰ نہیں دیتے تو پھر مواخذہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ امریکی انتظامیہ کو بیچ میں لا کر ضمانتیں حاصل کرنے کے بعد صدر پرویز مشرف نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کیا۔ ٹیلی ویژن پر قوم سے صدر کے الوداعی خطاب کے آخری الفاظ تھے: ''پاکستان کا خدا ہی حافظ'' اور 18 اگست 2008ء کو صدر کے عہدے سے استعفیٰ دے کر رخصت ہوئے۔ موصوف نے پاکستان کے لیے کچھ ایسے حالات بنائے تھے کہ اب کی بار پاکستان کا خدا ہی حافظ تھا۔

پاکستان کی ڈولتی ہوئی کشتی کو حفاظت کے ساتھ کنارے تک پہنچانے کا ذمہ حکومت (PPP) اور حزب اختلاف (PML (N) نے لے لیا۔ حزب اختلاف نے چارٹر آف ڈیموکریسی پر عملدرآمد کا بیڑہ اٹھایا اور ملک کی بقا کی خاطر ہر خطرے کا مقابلہ کرنے کے لیے حکومت کا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ مارچ 2009ء میں PML (N) کے رہنما جناب محمد نواز شریف نے حکومت پر دباؤ ڈالا کہ وہ جناب جسٹس افتخار محمد چوہدری کو چیف جسٹس کے عہدے پر عزت و تکریم کے ساتھ بحال کرے۔ اپنے اس مطالبے کو منوانے کی خاطر انہوں نے اسلام آباد تک لانگ مارچ کی بذات خود قیادت کی۔ لانگ مارچ کرتے ہوئے جلوس گوجرانوالہ تک پہنچا تھا کہ حکومت نے ان کا مطالبہ مان لیا اور وزیر اعظم جناب سید یوسف رضا گیلانی نے چیف جسٹس افتخار محمد چوہدری اور معزول جج صاحبان کو ان کے عہدے پر بحال کرنے کا اعلان کیا۔ اب جمہوریت سیدھے راستے پر چل پڑی۔ اپریل 2009ء سے لے کر دسمبر 2009ء تک فوج کے آپریشن راہ راست اور آپریشن راہ نجات کے ذریعے پاکستان کے شمال مغربی علاقہ جات میں شرپسندوں کا قلع قمع کیا تو حکومت اور اپوزیشن نے دستور کو اپنی درست جمہوری حالت میں لانے کے لیے اٹھارویں ترمیم اور انیسویں ترمیم کیں۔ پاکستان کے دستور میں اٹھارویں ترمیم 19 اپریل 2010ء کو صدر پاکستان آصف علی زرداری کے دستخطوں کے بعد نافذ ہوئی۔ اس ترمیم کی خاص بات یہ ہے کہ پارلیمان تحلیل کرنے کا صدر کا اختیار (b) (2) 58 کو ختم کر دیا گیا

اور ملک کے اصل اختیارات وزیراعظم کو منتقل ہوئے۔ اس کے بعد 1 جنوری 2011ء کو انیسویں آئینی ترمیم نافذ العمل ہوئی۔ مدتوں جمہوریت کی پامالی کے بعد جب نئی جمہوریت آئی تو اس میں کئی خرابیاں بھی موجود تھیں یہ خرابیاں کچھ دانستہ برداشت کی گئیں تو کچھ Unnoticed رہیں۔ حزب اختلاف کی طرف سے ملک کے جمہوری نظام اور انتظامیہ کو درست کرنے کے لیے عملی کام کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ حکومت نے ایک بڑی کابینہ بنا رکھی تھی جس میں وزراء، نائب وزراء، وزرائے مملکت اور مشیروں کی ایک فوج تھی۔ 9 فروری 2011ء کو حکومت نے کابینہ برخواست کی اور 22 یا 25 وزرا کی کابینہ بنانے کا ارادہ کیا تاکہ جو حد آئین نے مقرر کی ہے اس سے تجاوز نہ کیا جائے۔ کنٹریکٹ ملازمین کی فوج بھی برخواست کی گئی اور یہ خبر بھی آئی کی ایک سو بڑے قرض خواہ جن کے قرضے موجودہ حکومت نے معاف کیے ان سے قرضوں کی وصولی کی جائے وغیرہ۔ یوں حزب اختلاف حکومت کے ساتھ بیٹھ کر اصلاحات لا رہی ہے جو کہ خوش آئند ہے۔ پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت کی آپس میں ہم آہنگی، قومی معاملات میں حزب اختلاف کا حکومت سے غیر متزلزل اور غیر مشروط تعاون، ملک کے سیاست دان، عوام، انتظامیہ اور عسکری قوت کے ذہنوں میں پاکستان کے مفاد کی حفاظت کے جذبے کی وجہ سے امریکی انتظامیہ کو نہایت تشویش لاحق ہوئی۔ امریکا جب بھی پاکستان سے اپنے مفاد کے لیے کچھ کرنے کو کہتا ہے تو پاکستان اسے جواب دیتا ہے کہ اپنے ملکی مفاد کو دیکھ کر پاکستان نے اپنے اہداف حاصل کرنے ہیں۔ ایسا کوئی کام نہیں کرنا جو امریکا کے مفاد میں ہو مگر پاکستان کی بقا کے لیے نہایت خطرناک ہو۔ اب امریکا نے پاکستان کے خلاف تیسرے راؤنڈ کے طور پر محاذ کھول لیا ہے۔ جس میں لالچ، دھمکی اور جنوبی ایشیا میں اپنے کاسہ لیس رہنماؤں کا پتلی تماشا شروع کیا تاکہ پاکستانی قیادت کو خوفزدہ کر کے یا بلیک میل کر کے اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کے لیے راضی کیا جائے۔ 2009ء میں امریکی اور اس کی اتحادی فوجیں، اس امید میں رہیں کہ پاکستان کے اندر حالات خراب کیے جا چکے ہیں۔ پاکستانی فوج سوات اور دیگر مغربی سرحدی علاقہ جات میں شرپسندوں کے ساتھ جنگ میں الجھ چکی ہے اور وہ اس کوشش میں رہے کہ کوئی ایسی صورت بنے تاکہ

انڈیا اور امریکی اتحادی فوجیں پاکستان کے اندر داخل کی جائیں اور پاکستان کو خدانخواستہ توڑ دیا جائے اور ان کے ایٹمی اثاثہ جات اٹھا لیے جائیں مگر ان کے ارادے خاک میں مل گئے۔ اب امریکا اپنی ساری مجتمع قوت کے ساتھ، اپنی ہر قسم کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو استعمال کرنے کے باوجود پاکستان سے ان کے ایٹمی اثاثہ جات بھی نہیں لے جا سکے گا اور نہ ہی پاکستان کو Disintegrate کر سکے گا تو افغانستان کی جنگ کو سمیٹنے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ امریکا افغانستان میں پہنچ کر پوری دنیا میں اپنے اتحادیوں کو جمع کر کے اور انڈیا کی پوری فوج کو پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر جنگ کرنے کے لیے تیار کرنے کے باوجود پاکستان کے خلاف اپنے اہداف حاصل کرنے میں ناکام ہوا۔ ادھر افغانستان میں بھی اسے شکست ہو چکی تھی۔ اب امریکی انتظامیہ نے افغانستان میں اپنی ناکامیوں کو کامیابی میں بدلنے کے لیے یا کم از کم دنیا کو دکھاوے کے لیے ہی کچھ نہ کچھ کرنے کا ارادہ کیا۔ امریکی نائب صدر نے افغانستان میں Counter Terrorism کے لیے آپریشن شروع کرنے کے لیے افغانستان میں اپنے کمانڈر جنرل میک کرسٹل کو احکامات جاری کروا دیئے۔ امریکا کو افغانستان کے صوبہ ہلمند میں شدید مزاحمت کا سامنا تھا۔ اس علاقے کو قابو میں رکھنے کے لیے امریکا نے برطانیہ کو کہا کہ وہ اپنی فوجیں مزار شریف سے نکال کر ہلمند میں لے آئے۔ مزار شریف میں برطانوی فوج بڑے امن و سکون کے ساتھ رہ رہی تھی۔ ہلمند میں آ کر ان کو شدید جنگ کرنی پڑی اور برطانوی جوان مارے جاتے رہے۔ برطانیہ نے امریکی انتظامیہ پر واضح کیا کہ ہلمند میں حالات درست کرنے کے لیے برطانوی فوج ناکافی ہے اس لیے امریکی اور نیٹو کی فوجیں بھی وہاں پر پہنچا دی جائیں۔

2010ء کے لیے امریکی جنرل میک کرسٹل کو ہلمند میں Counter Terrirism کے سلسلے میں فوجی آپریشن کرنے کے لیے منصوبہ بندی کر کے آپریشن شروع کرنے کے لیے احکامات ملے۔ فروری 2010ء میں مرجاہ میں افغان مجاہدین کے خلاف جنگ شروع ہوئی۔ ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ جنرل میک کرسٹل نے پیرس فرانس میں ایک کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں امریکی اور نیٹو افواج کے کمانڈر اور نیٹو ممالک کے رہنماؤں کے ساتھ

اس جنگ کے مستقبل کے بارے میں مشورہ کرنا مقصود تھا۔ 22 / جون 2010ء کو انہوں نے ایک ادارے Rolling Stone سے باتیں کرتے ہوئے مرجاہ میں جنگ کو بے سود قرار دیا۔

General Dismissed the counter terrorism being advocated by Joe Biden Vice president as short sighted, saying it would lead to a state of "Chaos istan".

''جب نائب صدر بائیڈن کا نام لیا گیا تو جنرل نے کہا کیا تم نے کہا "Bite me" جو بائیڈن امریکی نائب صدر کی طرف سے بنائی گئی کاؤنٹر ٹیررزم (دہشت گردوں کا مقابلہ کرنے) کی حکمت عملی کو جنرل (میک کرسٹل) نے کوتاہ نظری قرار دیا اور کہا کہ یہ ہمیں ''افراتفری استان'' کی حالت میں دھکیل دے گا۔''

امریکی انتظامیہ نے اس کا فوراً نوٹس لیا۔ افغانستان میں امریکی جنرل میک کرسٹل جو نیٹو فورس اور امریکی فوج کے کمانڈر ہیں ان کی طرف سے امریکی حکومت پر ایسی تنقید اور حکومت کی پالیسی احکامات کے متعلق مایوس کن باتیں کرنے کو حکومت نے نہایت ناپسند کیا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ حکومت کی طرف سے کمانڈر کو دیئے گئے ٹاسک کے متعلق کمانڈر کی رائے لی جاتی اور امریکی اور اتحادی فوج کے تحفظ کو مدنظر رکھتے ہوئے کاؤنٹر ٹیررزم کی جنگ کے معاملے کا ریویو (نظر ثانی) کرتے اور کمانڈر کے مشورے سے ہی کوئی حکمت عملی طے کی جاتی۔ جنرل کے اپنے نائب صدر جو بائیڈن کے متعلق الفاظ کہ "Bite me" یعنی ''مجھے کاٹو'' کو بھی ذاتی حملہ قرار دیا گیا اور نائب صدر بھی آگ بگولہ ہوئے۔ 24 جون 2010ء کو صدر بارک اوباما نے جنرل میک کرسٹل کو کمانڈ سے ہٹا دیا اور جنرل ڈیوڈ پیٹریاس کو امریکی فوج اور نیٹو افواج کا کمانڈر مقرر کیا اور کاؤنٹر ٹیررزم کی جنگ کو جاری رکھنے کا حکم دیا۔

جنوری 2010ء میں امریکا نے افغانستان سے اخراج کا فیصلہ کیا تھا۔ امریکی صدر بارک اوباما نے 27 جنوری 2010ء کو سالانہ قوم سے خطاب "State of the

"Union Address میں فرمایا:

"And in Afghanistan we are increasing our troops and training Afghan security forces so that they can begin taking on the lead in July 2011 and our troops can begin to come home.... There will be difficult days ahead but I am absolutaly confident we wil succeed."

''افغانستان میں ہم (امریکا) اپنی فوجوں کی تعداد میں اضافہ کر رہے ہیں اور افغان سیکورٹی فورسز کو بھی تربیت دے رہے ہیں تاکہ آگے ہو کر وہ انتظامات سنبھال لیں اور جولائی 2011ء سے ہماری فوجیں واپس وطن آنا شروع ہوں...... آنے والے دن مشکل ہیں مگر مجھے یقین ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے۔''

افغانستان سے اپنی فوجوں کے انخلاء کے لیے امریکا کو پاکستان کی معاونت کی اشد ضرورت ہے مگر پاکستان کے خلاف امریکی اعمال کی وجہ سے امریکا پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ امریکی انتظامیہ پورا زور لگاتی رہی کسی نہ کسی صورت پاکستان کو جنگ میں ملوث کر کے اپنی فوجوں کو باعزت طریقہ سے اور باحفاظت اپنے وطن واپس ہونے کو یقینی بنائے مگر اب امریکا کو وہ تعاون نہیں مل رہا جو ان کو پاکستان میں آمرانہ دور میں ملتا رہا۔ پاکستان کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنے کے لیے امریکی انتظامیہ کے سیکریٹری دفاع اور امریکی ایلچی رچرڈ ہالبروک جنوبی ایشیا میں تشریف لائے اور اپنی کٹھ پتلیوں کے ذریعے پاکستان کو ڈرانے کی کوشش بھی کرتے رہے تو پاکستان کو کشمیر کے معاملے میں مبہم مذاکرات کے بھی وعدے وعید دلاتے رہے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے 1990ء میں Gulf War شروع کرنے سے پہلے (عراق پر حملہ کرنے سے پہلے) عرب دنیا کو چپ کرانے کے لیے فلسطین کے مسئلے کے حل کا لالی پاپ دکھایا تھا۔ بیس برس گزرنے کے بعد بھی فلسطین کا مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید الجھ گیا۔ فروری 2010ء میں امریکی سیکریٹری دفاع رابرٹ گیٹس انڈیا آئے اور وہیں سے پاکستان کو انتباہ کیا کہ اگر پاکستان

نے ممبئی حملہ جیسے اور حملے کیے تو پاکستان کو اس کے سنگین نتائج بھگتنا پڑیں گے۔ اس کے علاوہ اچانک انڈیا کی طرف سے تعطل کا شکار مذاکرات کو دوبارہ جاری رکھنے کا لالی پاپ بھی دکھایا گیا۔ فروری 2010ء کے آخری ہفتے میں مذاکرات ہوئے مگر وہ ناکام ہوئے اور مزید آگے بڑھنے کی امید بھی مسدود ہوئی۔ بس امریکا کی طرف سے صرف ایک ڈراما کیا گیا۔ پاکستان کو مزید مطمئن کرنے کے لیے امریکا نے وعدہ بھی کیا کہ 2011ء میں پاکستان کو تین بلین ڈالر کی مزید امداد ملے گی۔ امریکی سینیٹر جان مکین نے برجستہ پالیسی بیان دیا کہ پاکستان کے ساتھ Carrot & Stick یعنی ''گاجر دکھاؤ اور چھڑی بھی مارو، اس طرح اپنا کام نکلواؤ'' کی پالیسی اپنائی جائے۔

اسلام آباد میں امریکا کے خصوصی ایلچی رچرڈ ہالبروک مرحوم نے اسلام آباد میں امریکی سفارت خانے میں ایک نیا پتلی تماشا شروع کیا۔ امریکی سفارت خانے میں پاکستان کے سیاسی رہنماؤں کو دعوتیں دے کر ان کو رام کرنے کی کوشش کرتے رہے اس کے علاوہ پاکستان کے رہنماؤں کے گھروں میں جا کر ان سے ملتے رہے مگر یہ سب کرنے کے باوجود امریکی انتظامیہ کو اپنے مخصوص مقاصد میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اب یہ سارے امریکی مدبر پاکستان اور امریکا کے باہمی اعتماد میں کمی کی دہائی کرتے رہے۔ رچرڈ ہالبروک (مرحوم) پر پاکستان کی انتظامیہ نے واضح کیا کہ پاکستان کی حکومت نے اعداد جمع کرنے کے بعد دیکھا کہ پاکستان کا امریکی مدد کے لیے جنگ کرنے میں گزشتہ آٹھ برسوں میں پچاس ارب ڈالر خرچ ہوئے۔ پاکستان کا جو معاشی نقصان ہوا وہ اس کے علاوہ ہے۔ رچرڈ ہالبروک مرحوم نے نہایت ایمانداری کے ساتھ اس موقف کو تسلیم کیا اور امریکی انتظامیہ پر واضح کیا کہ پاکستان کا اس جنگ میں یقینی طور پر پچاس ارب ڈالر خرچ ہوا اور جو امداد امریکا کی طرف سے دی جا رہی ہے وہ ناکافی ہے۔ جنوری اور فروری کے دوران امریکی ڈپلومیسی، دھمکیاں اور لالچ کے باوجود امریکا کو پاکستان سے مطلوبہ معاونت حاصل کرنے میں مایوسی ہوئی۔ افغانستان میں امریکا اور اتحادی فوجوں نے ہلمند صوبہ میں جنگ جاری رکھی۔ مرجاہ کے بعد 3 جولائی 2010ء کو سنگین میں محاذ کھولا تو وہاں پر انہیں شدید مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ 10 نومبر 2010ء کو قلعہ موسیٰ میں جنگ شروع

ہوئی تو پھر بھی امریکیوں کو کئی مشکلات پیش آئیں۔ امریکا کی کاؤنٹر ٹیررزم کی جنگ بھی ناکام ہوئی۔

جولائی 2010ء میں پاکستان میں تاریخ کا بدترین سیلاب آیا۔ ایک طرف پاکستان کی معیشت کو بہت بڑا نقصان پہنچا تو دوسری طرف مغرب نے پاکستان میں اپنے گماشتوں کو حکومت گرانے اور مارشل لاء نافذ کرنے کے لیے عسکری قیادت کو اکسانا شروع کیا۔ یہ مغرب کا عمل پاکستان کے خلاف تیسرا راؤنڈ ہے۔ ستمبر 2009ء میں کیری لوگر بل کے ذریعے پاکستان کو امداد دینے کا وعدہ کیا گیا مگر اس کے ساتھ بھی کئی شرائط لاگو کی گئیں۔ امریکی سیکریٹری خارجہ ہیلری کلنٹن نے برملا کہا کہ پاکستان اپنی معیشت کو سنبھالنے کے لیے امریکا سے کسی بھی امداد کی توقع نہ کرے۔ گویا جو پچاس ارب ڈالر پاکستان نے امریکی دہشت گردی کے خلاف جنگ لڑتے ہوئے خرچ کیے وہ گئے۔ اس مد میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔ نہ ہی سیلاب کی تباہی سے معیشت کو سنبھالا دینے کے لیے پاکستان کو قابل ذکر امداد ملے گی۔ پاکستان اپنے عوام پر ٹیکس لگا کر اپنے خرچے پورے کرے۔ یہ رویہ بھی امریکی مایوسی کا مظہر ہے گویا امریکا پاکستان کی طرف سے مطلق مایوس ہو چکا ہے۔

پاکستان پر منڈلاتے نئے خطرات:

29 ستمبر 2010ء کو امریکا نے پاکستان کے اعصاب کا امتحان لیا۔ اس دن امریکی اور نیٹو فوج کے ہیلی کاپٹر پاکستان کی فضائی سرحدوں کی خلاف ورزی کر کے پاکستان کے مغربی سرحدی علاقے کے اندر گھس آئے اور بے گناہ پاکستانی باشندوں پر بم باری کر کے کئی شہری شہید کیے۔ حکومت پاکستان نے احتجاج کیا تو اس پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔ 30 ستمبر 2010ء کو پھر پاکستان کے علاقہ پر ہیلی کاپٹروں سے حملہ کیا گیا۔ اب کی بار پاکستان رینجرز کی پوسٹ پر حملہ کر کے تین رینجر کے جوان شہید کیے اور کچھ جوان زخمی کر کے واپس افغانستان چلے گئے۔ اب پانی سر سے گزر چکا تھا۔ امریکا سے احتجاج کیا گیا تو امریکا نے لاپرواہی سے پاکستان کے احتجاج کو رد کیا اور دھمکی دی کہ پاکستان میں

سے افغانستان میں امریکی فوج پر دہشت گرد حملہ کرتے ہیں اس لیے پاکستان کے اندر کارروائی جاری رہے گی۔

حکومت پاکستان اور پاکستان کی سینیٹ میں عوامی نمائندوں کی طرف سے اس پر شدید ردعمل کیا گیا۔ پاکستان کی سینیٹ میں عوامی نمائندوں نے متفقہ قرارداد پاس کر لی جس میں حکومت پر زور دیا گیا کہ عساکر پاکستان امریکی حملوں کا مؤثر جواب دیں اور فوراً امریکی لاجسٹک کو روک لیا جائے۔ امریکی انتظامیہ نے بھی ڈھٹائی سے کام لیا اور کہا کہ وہ متبادل راستہ یعنی روس اور وسط ایشیائی ممالک میں سے اپنی رسد کا بندوبست کر لے گی۔ امریکی انتظامیہ کو توقع نہ تھی کہ پاکستان میں سے ایسا حکومتی اور عوامی ردعمل آئے گا۔ حکومت نے بروقت اور مؤثر ڈپلومیسی شروع کی۔ پاکستان کے وزیر خارجہ جناب شاہ محمود قریشی نیٹو کے ہیڈکوارٹر برسلز گئے اور حکومت پاکستان کی طرف سے مطالبہ کیا کہ نیٹو اور امریکی اتحادی اور امریکی حکومت کو اپنے اس عمل کی ذمہ داری لینا ہوگی اور پاکستانی قوم سے معافی مانگنا ہوگی۔ اب کی بار معاملہ روایتی احتجاج سے آگے نکل چکا۔ پاک فوج کے چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے ٹیلیفون کے ذریعے امریکی فوج اور نیٹو کے کمانڈر جنرل ڈیوڈ پیٹریاس اور امریکی جوائنٹ چیف آف سٹاف ایڈمرل مائیک مولن سے مطالبہ کیا کہ بم باری کرنے والوں کو سزا دی جائے۔ حکومت پاکستان نے افغانستان میں موجود امریکی افواج، ان کے اتحادی ممالک کی افواج اور نیٹو افواج کے لیے لاجسٹک (سامان رسد) لے جانے والی گاڑیوں کے قافلے طورخم اور دیگر مقامات پر روک لیے۔ عوامی ردعمل بھی شدید ہوا۔ شکارپور، سندھ، مکران، اسلام آباد، نوشہرہ اور بولان میں مٹھڑی کے قریب افغانستان میں غیر ملکی فوجوں کے لیے تیل اور دیگر سامان رسد لے جانے والے کانوائے پر حملے کیے گئے اور سینکڑوں گاڑیاں، آئل مینکر جلا کر راکھ کر دیئے گئے۔ 6 اکتوبر 2010ء کو امریکا کو پورا یقین ہوا کہ معاملہ بہت بگڑ گیا ہے۔ پاکستان اب آمریت کے دور کا ملک نہیں رہا۔ چھ دن کی مسلسل ڈپلومیسی اور لاجسٹک کی بندش کے دباؤ کے بعد نیٹو اور امریکی فوج کے کمانڈر نے اور پاکستان میں متعین امریکی سفیر این ڈبلیو پیٹرسن نے امریکی عوام کی طرف سے پاکستانی عوام سے

معافی مانگ لی۔ پاکستان کی جارحانہ سفارتی جنگ اور عوام کے شدید ردِعمل اور حکومتی اقدام کے ذریعے امریکی افواج کی لاجسٹک کی بندش نے ایک ایسی صورت حال پیدا کی کہ مغرب میں میڈیا نے برملا شور مچانا شروع کیا اور مغربی پریس اور الیکٹرانک میڈیا میں یہ باور کیا جانے لگا کہ افغانستان میں جنگ کے سلسلے میں پاکستان گویا ویٹو اختیار رکھتا ہے۔اب پاکستان پر Carrot & Stick ''لالچ اور مارنے'' کی پالیسی کارگر نہیں ہوگی۔

پاکستان میں PPP حکومت ختم کرنے کے لیے (F) JUI اور MQM نے حکومت سے علیحدہ ہوکر حزبِ اختلاف کے طور پر اسمبلی میں رہنے کا فیصلہ کیا تو ایک بحران پیدا ہوا۔ PPP کے رہنماؤں نے وقتی طور پر اس پر قابو پالیا اور MQM کے ساتھ مصالحت کر کے انہیں دوبارہ حکومت میں شامل کیا۔اس طرح یہ بحران بھی ٹل گیا۔حزبِ اختلاف کی پارٹی (N) PML کے سربراہ جناب محمد نواز شریف نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ ملک کی معیشت بہتر بنانے کے لیے وزیروں کی فوج کم کر کے دستور کے مطابق 44 وزرا کی حد تک لے آئے اور کنٹریکٹ ملازمین کو فارغ کرے تاکہ معیشت کو سنبھالا مل سکے۔ اس کے علاوہ کئی دیگر طریقے اپنانے کا بھی مشورہ دیا جن پر عمل کرنے کے لیے حکومت اور حزبِ اختلاف سرجوڑ کر کوشش کررہے ہیں تاکہ ملک کی معیشت اپنے پیروں پر کھڑی ہوسکے اور روز روز کی امریکی ترّیوں سے نجات پائی جاسکے۔امید ہے کہ حکومت اور حزبِ اختلاف کے رہنماؤں کی پرخلوص کوششوں سے پاکستان معاشی اور سیاسی بحرانوں سے نکلنے میں کامیاب ہوگا۔

جون/ جولائی 2010ء کے سیلاب کی تباہی:

پاکستان کئی مشکلوں میں گھرا ہوا تھا کہ تباہ کن سیلاب آیا اور پھر سے ملک افواہوں کی زد میں آ گیا۔ مجھے یقین تھا کہ دشمن جو افواہ پھیلا رہے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ میں نے ماضی میں بھی ایسی صورت حال دیکھی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ مون سون کی بارشیں برستی رہیں۔ یہ 1960ء سے پہلے کا واقعہ ہے۔کیا دن کیا رات بادل ہی بادل، بارش ہی بارش، آخر دھان کے لہلہاتے کھیت پانی میں ڈوب گئے۔بابا نے پانی کی نکاسی

کی بہت تدبیریں کیں مگر سب بیکار گئیں۔ جب بارشیں رک گئیں۔ پانی اتر گیا تو دھان کے کھیت بھی سڑ چکے تھے۔ گھر میں غلہ ختم ہونے کو آیا تو بابا شہر میں آڑھتی کے پاس گئے جس کے ساتھ حساب کتاب چلتا تھا۔ آڑھتی نارائن داس نے کچھ چاول پچھلے حساب میں سے دیئے مگر قیمت چار گنا لگائی۔ بڑی تنگ دستی سے گزارہ ہونے لگا۔ یہ صورت حال صرف ہمارے خاندان کی نہ تھی۔ جیکب آباد سے لے کر ضلع دادو تک دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر خریف میں صرف دھان کاشت ہوتی ہے۔ یہ صورت حال ان سب کاشتکاروں اور زمینداروں کی تھی۔ ان دنوں میں میڈیا برائے نام تھا، اس لیے ہمیں نہیں معلوم کہ بقیہ ملک میں کیا ہوا مگر اتنا معلوم ہوا تھا کہ دریائے سندھ کا سیلابی ریلا خیر سے گزر گیا۔ لاڑکانہ کا بچاؤ بند عاقل آگانی بند محفوظ رہا۔ کھیتوں کو بارشوں نے تباہ کر دیا تھا۔ یہ سب ہوگزرا مگر امداد کچھ نہیں ملی۔ ربیع کی فصل تیار ہوئی، کٹائی کے بعد پرنوں میں گندم کے دانے آئے تو کچھ آسانی ہوئی۔ اگلے سال خریف کی فصل کاشت ہوئی تو کاشتکاروں اور زمینداروں کی کچھ آس بندھی کہ اب کی فصل کے بعد حالات میں بہتری آئے گی مگر فصل کو ایک عجیب بیماری آ لگی۔ صبح جا کر دیکھو تو دھان کے پودوں پر سفید تتلی براجمان ہے اور حد نظر تک تتلیاں ہی تتلیاں ہیں، یہ لہ سٹہ نہیں نکل پاتا۔ اگر سٹہ نکلتا ہے تو دانہ نہیں لگتا۔ دھان کے اس گھاس کو جانور مویشی بھی منہ نہیں لگاتا۔ لاچار ایک دن بابا کھیتوں میں گئے اور ایک رقبہ کو آگ لگا کر جلا آئے۔ گھر آئے تو اماں نے پوچھا کہ کیوں افسردہ ہو تو بابا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی بندھ گئی اور ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔ بولے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنے کھیت جلا آیا ہوں۔ ایک دانے کی امید نہ تھی۔ سب پوپٹ (تتلی) نے تباہ کر دیا۔

اس سال منڈی سے چاول ناپید ہوا۔ آخر ابا جوار خرید لائے۔ یہ جوار جھٹ پٹ، نیل پٹ (ڈیرہ مراد جمالی) کے علاقہ سے لاڑکانہ کی منڈیوں میں آئی تھی۔ پھر ایک دن ابا کو خیال آیا کہ کیوں نہ خریف میں چاول کی بجائے جوار کاشت کی جائے۔ دانے تو آئیں گے پیٹ تو بھرا جا سکتا ہے۔ اس برس قحط کی سی صورت حال بنی۔ پھر بھی کوئی امداد نہیں آئی۔ کوئی لڑائی جھگڑے نہیں ہوئے نہ ہی خانہ جنگی ہوئی۔ بس لوگوں کو

اگلی خریف کی فصل سے امید بندھی رہی۔

تیسرے سال بابا نے اور اسی طرح دوسرے کاشتکاروں نے دھان کو خیر باد کہا اور خریف میں جوار کاشت کر لی۔ پورے علاقے میں سکون آیا۔ فصل بہت اچھی ہوئی۔ ہر گھر میں خوشحالی آئی لیکن کراچی میں نئی صورت حال پیدا ہوئی۔ سیٹھ ہر سال لاکھوں ٹن چاول ایکسپورٹ کرتا تھا۔ اب نہیں کر پا رہا۔ جب سیٹھ کی تجوری خالی ہوئی تو انہوں نے اقتدار کے ایوانوں کو ہلا دیا۔ حکومت نے محکمہ زراعت کو فعال کیا۔ WFO کی طرف سے پاکستان کو دیئے گئے چھوٹے ہوائی جہاز جن سے ٹڈی دل کو مارنے کے لیے ہوائی سپرے کیا جاتا تھا انہیں دھان کے کھیتوں پر ہوائی چھڑکاؤ کے لیے استعمال میں لایا گیا۔ دھان کی بوائی کو یقینی بنانے کے لیے جوار اور ہر طرح کی دیگر خریف کی فصل کی کاشت پر پابندی لگا دی گئی۔ دھان کی فصل پر دوائیوں کا ہوائی چھڑکاؤ ہونے لگا۔ کھیت کو بیماری سے بچاؤ کے لیے کاشتکاروں کو تربیت دی جانے لگی۔ یوں تب سے اب تک دریائے سندھ کے مغربی کنارے کی زمینوں پر جیکب آباد سے لے کر دادو تک اور بلوچستان میں سی ڈاڈھر ڈیرہ مراد جمالی تک دھان کے کھیت لہلہاتے ہیں جن کی بدولت لاکھوں ٹن چاول برآمد کیا جاتا ہے۔

2005ء میں شمالی علاقہ جات میں زلزلہ آیا تو متاثرہ خاندانوں کے لیے کراچی سے راولپنڈی تک ٹرینیں چلیں۔ یہ ساری ویگنیں لاہور پہنچنے سے پہلے ہی بھر چکی تھیں۔ یوں اپنے مصیبت زدہ بھائیوں کے لیے عوام کے متوسط طبقے نے امدادی سامان عطیہ کیا تھا تو وہی متوسط طبقہ ہے جو آج سیلاب کی آفت کے سبب برباد ہوا ہے، ان کی مدد کون کرے؟ امراء تو اپنی دولت گننے میں مصروف ہیں۔ عام آدمی سے لے کر امیر طبقہ اب کے حکومت کے سیلاب فنڈ میں رقم جمع کرانے سے ہچکچا رہا ہے۔ ان کو یقین نہیں کہ حکومت میں موجود نااہل اور بدعنوان عوامی نمائندے اس رقم کو مستحقین پر خرچ بھی کریں گے کہ خود اپنی جیبیں بھریں گے۔ البتہ ایک نئی رسم پڑی ہے اور یہ ایک مستحسن عمل ہے کہ ملک کے کارخانے دار، تاجر اور مخیّر لوگ آپس میں مل کر سامان خرید کر اپنی نگرانی میں مصیبت زدہ بھائیوں میں تقسیم کر رہے ہیں، جو کاشتکار غلہ اگا کر اٹھارہ کروڑ عوام کے لیے

راشن مہیا کرتے ہیں وہ اب مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ وہ پوری قوم سے اپنا حق مانگ رہے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کو یہ حق قوم کی طرف سے ملتا بھی ہے کہ نہیں۔ پاکستان دنیا کی تاریخ میں بدترین تباہی سے دوچار ہے، مگر دنیا کی قومیں اب بھی مدد کرنے سے لاچار نظر آتی ہیں جبکہ امریکا کو اپنی جان کی پڑی ہوئی ہے۔ ان کو افغانستان سے Safe Exit یعنی آبرومندانہ اخراج کی فکر پڑی ہوئی ہے۔ پاکستان کے وسائل کو اپنے مفاد کی خاطر استعمال کرتے رہنے اور ڈومور کا تقاضا کرنے والے مغربی ممالک اس مصیبت کی گھڑی میں پاکستان کی مدد کرنے سے کیوں معذور نظر آتے ہیں؟ اس وقت پاکستان کو کئی ارب ڈالروں کی ضرورت ہے مگر امداد چند کروڑ ڈالروں تک محدود ہے۔ پاکستان اس ناگہانی آفت کی بدولت ہراساں اور سوگوار ہے۔ پاکستان کو حوصلہ دینے کے بجائے الٹا عوام کو ایک نئے بحران کی نمود سے ہراساں کیا جا رہا ہے۔

لندن میں امریکی سفارت کار کی پاکستان کی سیاسی جماعت MQM کے قائد الطاف حسین سے ملاقات کے بعد پاکستان کے لیے مارشل لاء کی تجویز آئی ہے۔ کیا امریکا کو ایک ڈکٹیٹر ہی افغانستان سے Safe Exit دلا سکتا ہے جو پاکستان میں مارشل لاء کا شوشہ چھوڑا گیا ہے؟ موجودہ حکومت امریکا کی ہر ممکن مدد کر رہی ہے۔ اب بھی اگر امریکا چاہتا ہے کہ پاکستان میں ایک ڈکٹیٹر آ کر ان کی مدد کرے تو یہ افغانستان میں NATO قوت اور امریکی عسکری قوت کی حالت زار کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اگر مغربی جمہوریتوں کی مجموعی عسکری قوت کو شرمناک شکست کا سامنا ہے تو ان کے لیے بہتر ہے کہ مزید خواری سے بچنے کے لیے جلد از جلد یعنی طے شدہ شیڈول سے قبل افغانستان سے نکلنے کی کوشش کریں تاکہ پاکستان میں موجود جمہوریت کی وجہ سے ان کا انخلاء سلامت اور آبرومندانہ ہو۔ پاکستان میں کوئی بھی ڈکٹیٹر موجودہ صورت حال میں امریکا اور مغرب کے لیے ہرگز سودمند نہیں۔ جناب الطاف حسین سے میری درخواست ہے کہ مارشل لاء کی ترغیب دینے کے بجائے ان وڈیروں کی نشان دہی کریں جن کی کارستانیوں کی بدولت دریائے سندھ کے مغربی کنارے کے بچاؤ بند کو توڑ کر بلوچستان کے ڈیرہ مراد جمالی، صحبت پور اور سندھ کے جیکب آباد، شکار پور، رتو ڈیرو، گڑھی خدا بخش، شہداد کوٹ،

تمر قبو سعید خان اور دیگر علاقے کو سیلاب کے پانی میں غرق کیا گیا ہے۔ ہر موقع پر جب سکھر بیراج پر گیارہ/ بارہ لاکھ کیوسک پانی کا دباؤ پڑتا ہے تو روہڑی سے اپ سٹریم دریائے سندھ کے مشرقی بچاؤ بند میں شگاف ڈال دیا جاتا ہے تاکہ یہ پانی ریگستانی علاقے میں پھیل جائے۔ اس مقصد کے لیے نارا کینال کو بھی مضبوط بند کے ذریعے محفوظ کیا گیا ہے۔ میں پوری قوم کی طرف سے استدعا کرتا ہوں کہ ان وڈیروں کو قوم کے سامنے لایا جائے جو سندھ میں ایک بڑی تباہی لائے ہیں۔ کیا ایسا کچھ پنجاب میں بھی ہوا ہے؟ تو اس کی نشان دہی کرنا انتہائی ضروری ہے۔

پاکستان میں سیلاب سے متاثرہ علاقوں اور وہاں کے مکینوں کی بحالی کے لیے چند اقدامات ضروری ہیں۔ حکومت کو اگر عوام کے غضب سے بچنا ہے تو تن دہی اور ایمان داری کے ساتھ یہ اقدامات کرے:

1- متاثرین کے لیے ربیع کی فصل کے بیج اور کھاد کا معقول بندوبست کیا جائے اور انہیں کاشتکار تک پہنچانا یقینی بنایا جائے۔

2- ربیع کی فصل تیار ہونے تک یعنی اپریل 2011ء تک متاثرہ خاندانوں کے لیے معقول راشن اور ضروریات زندگی مہیا کرنے کو یقینی بنایا جائے۔

3- متاثرہ علاقوں میں جانوروں کے لیے خشک چارہ مہیا کیا جائے کیونکہ لوگوں کا اپنا جمع کیا سٹاک تو سیلاب کی نذر ہو گیا ہے۔

4- متاثرین کے لیے کم از کم دو جوڑے لباس، سردیوں کے لیے گرم لباس، رضائی، کمبل وغیرہ مہیا کر دیا جائے۔

5- آنے والے موسمی اثرات، سردی وغیرہ سے بچنے کے لیے اور اپنے علاقے میں واپس آ کر کاشتکاری کرنے کے لیے گھر بنانے کے لیے معقول رقم دی جائے۔

6- متاثرہ علاقوں میں تعلیمی ادارہ جات، مساجد اور دیگر عبادت گاہوں کی بحالی کا بندوبست کیا جائے۔

7- طبی سہولیات اور مواصلاتی نظام کو بھی ترجیحی بنیادوں پر بحال کیا جائے۔

8- یہ سب کچھ کرنے کے لیے مربوط ادارہ جات بنائے جائیں۔ موجودہ ادارہ جات

کے کام کی کڑی نگرانی کر کے نتائج کو یقینی بنایا جائے جب عوام کو متاثرین کے مسائل حل ہوتے نظر آئیں گے تو قوم کا حکومت اور عوامی نمائندوں پر اعتماد بحال ہوگا۔

آخر حکومت نے سیلاب زدگان کے لیے ایک نگران ادارہ بنایا جس کی نگرانی میں سیلاب زدگان کی بحالی کی جاتی رہی۔

پاک/افغان/انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ:

حال ہی میں پاکستان امریکا سٹریٹیجک ڈائیلاگ کے ڈنکے سنے گئے اس ضمن میں پہلا اجلاس امریکی شہر نیویارک میں ہوا۔ پاکستان کو مختلف سہانے خواب دکھانے کے بعد افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدہ ہوا۔ سٹریٹیجک ڈائیلاگ کا دوسرا دور اسلام آباد میں ماہ جولائی 2010ء میں ہوا۔ اس میں بھی اول سہانے خواب دکھائے گئے اور پھر افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ معاہدے کے مسودے پر دستخط ہوئے۔ وزیر اطلاعات جناب قمر الزمان کائرہ نے الیکٹرانک میڈیا پر طویل پریس بریفنگ دی اور واضح کہا کہ اس معاہدے سے برادر اسلامی ملک افغانستان اور پاکستان کو معاشی فائدہ ہوگا اور پاکستان کی افغانستان کے ساتھ تجارت کی نئی راہیں کھلیں گی۔

ماضی میں بھی کچھ اس نوعیت کا ایک معاہدہ زیر تجویز رہا۔ یہ منصوبہ ایران، پاکستان، انڈیا گیس پائپ لائن کے سلسلے کا تھا۔ اس منصوبے پر پاکستان میں کوئی خاص اعتراض نہ ہوا مگر امریکی دباؤ کے تحت انڈیا اپنے آپ ہی اس منصوبے سے الگ ہوا جبکہ ایران، پاکستان گیس پائپ لائن کے معاہدہ پر دستخط ہو چکے ہیں۔ اس وقت افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے پر الیکٹرانک میڈیا میں بحث وتمحیص کا سلسلہ جاری ہے جو کہ اچھی علامت ہے۔ اس ساری بحث میں کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتائی جاتی جس کی بنا پر اس منصوبے کو پاکستان کے مفاد کے خلاف تصور کیا جا سکے، دراصل اس منصوبے کی ایک طویل داستان ہے جو کہ مختصراً بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

ذوالفقار علی بھٹو نے اپنے دورِ وزارتِ عظمیٰ میں روس کے ساتھ بہتر تعلقات

بنائے رکھے جس میں ماسکو سے براستہ افغانستان، پاکستان کی بندرگاہوں کے ذریعے تجارتی مال درآمد اور برآمد کیا جانا تھا۔ انڈیا کے ساتھ بھی کشمیر معاملہ کے حل کی صورت میں زمینی راستہ اور ریل کے ذریعے موجودہ ریل روڈ نیٹ ورک کو استعمال کرتے ہوئے ماسکو سے انڈیا اور انڈیا سے ماسکو تک اس راستے سے تجارت متوقع تھی۔ ان تجارتی سرگرمیوں سے تمام ممالک کو معاشی فائدہ ہونا تھا جن ممالک سے یہ سامان گزرنا تھا۔ اس کے علاوہ ذوالفقار علی بھٹو کا ایک خواب یہ بھی تھا کہ دنیا میں ایک نیا معاشی نظام رائج کیا جائے جس میں تیسری دنیا کے ممالک اپنے خام مال کو اپنے ملک یا تیسری دنیا کے کسی اور ملک میں Semi finished مال کی صورت دے کر آپس میں تجارت کریں اور امیر ملکوں کو بھی برآمد کریں۔ یہ خواب بھٹو کی زندگی میں تو پورا نہ ہوا مگر جزوی طور پر افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ کی صورت میں بھٹو کا خواب اور تصور حقیقت بنتا نظر آیا ہے۔

ذوالفقار علی بھٹو کی شہادت کے بعد راقم الحروف سے ایک تربیتی کورس کے دوران برطانیہ میں ایک ضیافت میں گورے افسر نے سوال کیا کہ بھٹو کا Third World Economic Order کیا تھا اور بھٹو کی موت کیونکر ہوئی؟ سوال کرنے والے سے عرض کیا کہ یہ تو آپ بخوبی جانتے ہیں تو اس گورے آفیسر نے مجھے کہا کہ تھرڈ ورلڈ اکنامک آرڈر امیر ممالک کی موت ہے۔ ہم مرنا نہیں چاہتے اس لیے بھٹو کو موت ملی۔ جناب بھٹو کی حکومت کے آخری ایام تک روس، افغانستان، پاکستان کی راہداری پر پرامن طریقے سے کافی پیش رفت ہوئی مگر جنرل ضیاالحق کے آنے کے بعد روس کے ساتھ طویل الجھاؤ ہوا جس کے نتیجے میں وہ افغانستان سے رخصت ہوا۔

1980ء کی دہائی کے اوائل میں جبکہ وسط ایشیائی ممالک کیمونسٹ نظام کے تحت روس کا حصہ تھے تو وہاں سے یہودی آبادی اسرائیل میں منتقل ہوئی۔ روس کے ٹوٹ جانے کے بعد یہ یہودی آبادی وسط ایشیائی ممالک میں اپنے پرانے آبائی علاقہ جات میں واپس آ کر آباد ہوئی اور انہوں نے کثیر زرعی زمین اور کاروباری جائیدادیں خرید کر Agro based industry اور دیگر انڈسٹری لگائی تا کہ Market Economy کے نظام سے مستفید ہوں۔ ان کو توقع تھی کہ روس کے افغانستان سے نکل جانے کے بعد امریکا اور

مغرب کا تسلط ہونا ہے اور یہ راہ گزر ان کے زیر تسلط محفوظ اور مستحکم ہو کر کھل جائے گی۔

اتفاق سے افغانستان میں طالبان کی حکومت آئی تو بادل نخواستہ طالبان کی حکومت سے ہی امریکا کی گفت وشنید جاری تھی تاکہ افغانستان سے پاکستان تک یہ راہ گزر تجارت کے لیے کھل سکے مگر بعدازاں امریکا کے پالیسی سازوں نے افغانستان پر قبضہ کر کے اس راہ گزر کو اپنے زیر تسلط کھولنے کا منصوبہ بنایا۔ یوں 2001ء سے لے کر اب تک ایک طویل جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں کثیر تعداد میں افغان، یورپی، امریکی اور پاکستانی قیمتی جانوں کا ضیاع ہوا جبکہ دنیا کی معیشت پر بھی بہت برا اثر پڑا۔

اب اس جنگ کو کسی نہ کسی صورت ختم کرنے کا وقت آ گیا ہے تو اس میں وسط ایشیا میں مقیم یہودی بزنس کمیونٹی کو سب سے پہلے Piece of cake یعنی حصہ دیا گیا۔ یقیناً افغانستان میں ایسا کچھ نہیں بنتا جس کو انڈیا Export کیا جائے۔ حقیقتاً تو یہ مال وسط ایشیائی ممالک سے آنا ہے جسے افغانستان میں لا کر ہندوستانی بزنس مین کابل اور دیگر شہروں میں Product of Afghanistan کا ٹھپہ لگا کر پاکستان سے گزار کر انڈیا لے جانا چاہتے ہیں۔

اس سب کے لیے جنرل پرویز مشرف کے دور حکومت میں کام شروع ہوا۔ واہگہ بارڈر پر پاکستان کے انویسٹر حضرات نے رقبے خرید کر گودام اور ٹرکوں کے لیے ٹرانزٹ پوائنٹ بنانے کے لیے کثیر سرمایہ کاری کی ہوئی ہے۔ سرحد پار انڈیا میں بھی کچھ ایسا انتظام ہو چکا ہے۔ واہگہ سے موٹر وے تک لنک کرنے کے لیے دورویہ چار لین جی ٹی روڈ مکمل ہے اور رنگ روڈ بھی بن چکا ہے۔ یہ تجارت تیسری دنیا کے ممالک میں آپسی تجارت کی ایسی شروعات ہے جو کہ میری دانست میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کا تصور اور خواب تھا۔ افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ معاہدے کو کچھ ایسی صورت میں ترتیب دینے کی ضرورت ہے جس سے انڈیا کو ایسی حوصلہ افزائی ہرگز نہ ہو کہ وہ کشمیر، سرکریک، سیاچن، دریاؤں کے پانیوں اور دیگر تصفیہ طلب معاملات کو پس پشت ڈال کر پاکستان سے اپنا مال وسط ایشیائی ممالک تک بھیجنے کا تصور کر سکے۔

یہ معاملہ واضح طور پر لکھا ہونا چاہیے کہ اوپر بیان کیے گئے تنازعات یعنی کشمیر، سر

کریک، سیاچن اور دریاؤں وغیرہ کے تنازعات حل کیے بغیر انڈیا کو تجارت کے لیے پاکستان کی سرزمین استعمال کر کے افغانستان اور وسط ایشیائی ممالک اور روس تک رسائی ہرگز نہیں دی جائے گی۔ موجودہ صورت حال میں اس معاہدے میں کوئی قابل اہمیت منفی پہلو نظر نہیں آتا۔ کچھ مثبت پہلو ضرور ہیں جن کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

Region کے ممالک کے غریب عوام کے لیے تجارتی سرگرمی کی وجہ سے روزگار کے کافی مواقع حاصل ہوں گے۔ پاکستان کے لیے Custom Revenue کے علاوہ پورے روٹ پر روزگار کے مواقع بنیں گے خاص کر واہگہ بارڈر کے علاقے میں ایک تجارتی ہب بن جائے گا جہاں پر ایک Port City جتنے روزگار کے مواقع ہوں گے۔

ملک کی بقا کے لیے نئے چیلنجز:

افغانستان میں امریکا کی مدد کرنے کے لیے یورپ، آسٹریلیا اور مشرق بعید کے کم از کم اڑتالیس (48) ممالک نے اپنی فوجیں پہنچائیں اور ان کے ساتھ انڈیا اور اسرائیل کے جاسوس بھی متحرک ہوئے۔ امریکی CIA، برطانوی MI-8، جرمنی کے جاسوسوں نے سر جوڑ کر منصوبے بنائے تا کہ پاکستان کو کسی نہ کسی طرح نقصان پہنچایا جائے۔ مئی 2011ء میں انہوں نے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا جبکہ حکومت پاکستان میں حکمران اور ملک کی حفاظت کرنے والے دیگر ادارے یا تو امریکی عزائم کی تکمیل میں معاون تھے یا پھر آنکھیں بند کر کے سب کچھ ہوتے دیکھتے رہے۔ ایسا لگتا تھا جیسے 02 مئی 1799ء کو مملکت خداداد میسور میں سلطان ٹیپو شہید کے آخری مورچہ سرنگا پٹم پر انگریزوں کی جنگ کی تاریخ دہرائی جا رہی ہے۔ مملکت خداداد میسور کی بنیاد حیدر علی نے سنہ 1757ء میں رکھی تھی اور اس مملکت کا خاتمہ 03 مئی 1799ء کو سلطان فتح علی ٹیپو کی شہادت کے ساتھ ہوا۔ تاریخ ٹیپو سلطان کے مورخ اور واقعات کے عینی شاہد، سید میر علی کرمانی نے لکھا ہے کہ سلطان ٹیپو کی سلطنت کی بربادی غداروں کی ریشہ دوانیوں اور جاسوسی نظام کی مطلق ناکامی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ انگریز کا غنیم سرنگا پٹم کے اطراف بڑھ رہا تھا جبکہ ٹیپو سلطان کا بہادر کمانڈر قمر الدین خان انگریزوں کے ہاتھوں فروخت ہو

چکا تھا اور سلطان ٹیپو کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ کمانڈر قمر الدین خان نے انگریزوں کو راستہ دینے کے لیے اپنی طاقتور فوج کو گڈ مڈ کر کے آپس میں لڑا دیا۔ سلطان کی طاقتور فوج ایک طرف انگریزی فوج کی گولیوں سے تباہ ہو رہی تھی تو دوسری طرف اپنے غدار فوجیوں سے الجھ کر ایک دوسرے کو قتل کر رہی تھی جبکہ اس واقعہ کی سلطان ٹیپو نے کوئی تفتیش نہیں کی اور اس معاملہ کو محض اتفاق سمجھ کر درگزر کیا گیا۔ آخر وہ وقت بھی آ گیا کہ 02 مئی 1799ء کو انگریزی فوج سرنگا پٹم کا بیرونی حصار پار کر کے اندرونی حصار تک آتی رہی مگر کمانڈر قمر الدین خان کی فوج مزاحمت کرنے کی بجائے محض پریڈ کرتی رہی۔ قلعہ کے اندر سے میر صادق کے حکم پر توپوں سے گولہ کے بغیر فقط بارود چلایا جاتا رہا جس سے دھماکہ کی آواز تو سنائی دیتی مگر دشمن کو کچھ گزند نہ پہنچتا جبکہ انگریز کے توپ خانہ نے قلعہ سرنگا پٹم کی اندرونی حصار کی دیوار کو منہدم کر دیا اور انگریزی فوج قلعہ کے اندر بڑھنے لگی۔ غداروں نے اس ساری صورت حال کی خبر سلطان ٹیپو کے کانوں تک پہنچنے نہ دی اور اس طرح سلطان ٹیپو کی عظیم مملکت میسور انگریزوں کے قبضہ میں آ گئی۔ 22 مئی 2011ء کے Dawn اخبار کی رپورٹ کے مطابق امریکی اہلکاروں کو پاکستان کی اعلیٰ سیاسی اور عسکری قیادت تک کھلی دسترس حاصل ہے۔ ایسی دسترس یقیناً پاکستان کی سلامتی کے لیے نقصان دہ ہے جبکہ امریکی بآسانی اپنے مفادات حاصل کرنے کے لیے پاکستان کی اعلیٰ عسکری اور سیاسی قیادت کی معاونت حاصل کر سکتے ہیں۔

02 مئی 2011ء کو ایبٹ آباد میں امریکی حملہ کی تفصیلات وقتاً فوقتاً میڈیا میں آتے رہے جن کے مطابق 02/01 مئی 2011ء کی نصف شب کے قریب چار عدد امریکی ہیلی کاپٹر افغانستان کے شہر جلال آباد کے قریب امریکی اڈہ سے روانہ ہو کر پاکستان کی فضائی حدود میں داخل ہوئے تو اس وقت سرحدوں پر موجود پاکستان ایئرفورس کے تمام راڈار بند کیے جا چکے تھے۔ اس کا اعتراف پاکستان ایئرفورس کے کمانڈر ایئر چیف مارشل راؤ قمر سلیمان نے قومی اسمبلی میں کیا تھا جبکہ اٹک کے قریب پاکستان کی سول ایوی ایشن اتھارٹی کا ایک طاقتور راڈار، PIA کی پروازوں کی نگرانی کے لیے شب و روز چل رہا تھا، اور امریکی ہیلی کاپٹروں کو اس راڈار پر دیکھا گیا تو کنٹرول ٹاور سے حسب معمول ان سے

رابطہ کر کے پاکستانی فضائی حدود میں آنے کا مقصد پوچھ سکتے تھے۔ CAA کا یہ راڈار PAF کے ماتحت یا کنٹرول میں نہیں ہوتا نہ ہی یہ راڈار کبھی بند ہوتا ہے۔مشن پر آنے والے ہیلی کاپٹرز کے ساتھ لاجسٹک کے ہیلی کاپٹرز بھی آئے تھے جنہوں نے کالا ڈھاکا کے پاس ریفیولنگ اوردیگر سہولیات کے لئے لاجسٹک بیس بنالیا تھا۔آپریشن کے لئے آنے والے تمام ہیلی کاپٹر پاکستان کی سرزمین میں کالا ڈھاکا کے مقام پر ریفیولنگ کے لئے اترے یوں مزید آپریشنز یہاں سے جا کر کرنے تھے۔آدھی رات کے قریب چار امریکی ہیلی کاپٹرز ایبٹ آباد کی وادی میں پہنچ گئے تو پوری وادی ان کی آواز سے گونج اٹھی اور اکثر آبادی جاگ گئی اور وادی میں خوف وہراس پھیل گیا۔ فرنٹیئر فورس رجمنٹ کا تربیتی مرکز اور آرمی میڈیکل کور کے تربیتی مرکز کے علاوہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کاکول بھی قریب ہی ہے۔جس کمپاؤنڈ پر حملہ ہوا وہ پاکستان ملٹری اکیڈمی کی ٹریننگ گراؤنڈ سے متصل تھا۔ایسی جگہ پر کوئی آپریشن ہو رہا ہو تو PMA کی حفاظت پر مامور ٹاسک فورس کا جائے وقوعہ پر پہنچنا قدرتی ردعمل ہونا چاہئے۔ امریکیوں کے مطابق میرین کمانڈوز نے کمپاؤنڈ کی تین دیواریں دھماکہ خیز مواد سے اڑا کر رہائشی عمارت میں داخل ہوئے اور اس کے علاوہ ایک ہیلی کاپٹر بھی دھماکے سے کریش ہوا۔ان دھماکوں اور گولیوں کی تڑتڑاہٹ کے شور کے باوجود ایبٹ آباد میں موجود فوج کی طرف سے مزاحمت کا نہ ہونا حیران کن بات ہے۔امریکی خبار نیویارک ٹائمز کے 2 مئی 2011 کی رپورٹ کے مطابق:۔

Quote " Mr. Obama called President Asif Ali Zardari of Pakistan to tell him about the strike after it was set in motion.and his advisors called their Pakistani Counterparts. "unquote

مسٹر اوبامہ نے پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کو حملہ روبہ عمل ہونے کے بعد اس (حملے) کے متعلق بتانے کے لئے فون کیا اور ان کے (صدر اوبامہ کے) مشیروں نے اپنے متعلقہ (پاکستانی) عہدیداروں کو فون کیا۔

قومی اسمبلی میں پاکستان کے سیکریٹری خارجہ نے کہا کہ دو عدد ایف سولہ جنگی لڑاکا طیاروں نے پیچھا کرتے ہوئے پاکستان کی سرحدوں کے اندر امریکی ہیلی کاپٹروں کو

جالیا مگر انہیں بھی نامعلوم وجوہ کی بناء پر واپس بلا لیا گیا۔ ایک اطلاع کیمطابق 2 مئی 2011 کی رات کو PAF کے لڑاکا طیارے گراونڈ کئے گئے تھے شاید یہ ہی وجہ تھی کہ پاکستان ایئر فورس کو ایکشن لینے میں دیر ہوگئی وگرنہ کئی گھنٹوں کی امریکی آپریشن کے ہوتے ہوئے PAF کے لڑاکا طیارے فوری ایکشن میں آتے تو ایک بھی امریکی بچ کر نکل نہیں سکتا تھا۔ کہتے ہیں کہ امریکی میرینز سیلز Seals کمانڈو اسامہ بن لادن کی لاش کو لے گئے اور اسے راتوں رات سمندر میں پھینک دیا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ رشین ٹیلی وژن کی رپورٹ کے مطابق جون 2006ء میں اسامہ بن لادن وفات پا چکے تھے اور اسامہ کے ڈرائیور نے اپنی گرفتاری کے بعد CIA کو اسامہ بن لادن کی وفات کے مطعلق بتا دیا تھا۔ اسامہ کے ڈرائیور کو گوانتانا موبے کے عقوبت خانہ میں قید رکھا گیا اور نومبر 2012ء میں صدارتی انتخابات میں اوبامہ کے جیتنے کے بعد انہیں قید سے رہا کیا گیا تھا۔ اگر واقعی اسامہ بن لادن کو قتل کر کے لے گئے تھے تو ایسی قیمتی جنگی تاریخی ورثہ کو حنوط کر کے عجائب گھر میں رکھ کر آنے والی نسلوں کیلئے عبرت کا نمونہ بنا لیتے۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا کیونکہ جس شخص کی لاش کو امریکی لے گئے وہ اسامہ بن لادن تھا ہی نہیں۔ ایبٹ آباد واقع کے کچھ مہینے کے بعد امریکی فوج نے ہلمند میں جعلی آپریشن کر کے ان تمام سیلز Seals کمانڈوؤں کو مروا دیا جو ایبٹ آباد آپریشن میں شامل تھے۔

02 مئی 2011ء کو ایبٹ آباد پر حملہ کے واقعہ کے بیس روز بعد 22/21 مئی 2011ء کی رات کو کراچی میں مہران نیول ایئر بیس پر P.C-3 Orion Surveillance ہوائی جہازوں پر حملہ ہوا جس کے نتیجے میں وہاں پر موجود تینوں جہاز تباہ ہوئے۔ یہ جہاز امریکا نے پاکستان کو دیئے تھے مگر اب امریکا کی منصوبہ بندی کچھ اور تھی اور وہ چاہتے تھے کہ انڈیا کے ساتھ مل کر پاکستان پر حملہ کیا جائے تو اس وقت پاکستان کے پاس پی۔سی۔تھری اورین سرویلنس ہوائی جہاز نہیں ہونی چاہئیں تا کہ پاکستان کی جارحانہ صلاحیت کم ہو جائے۔ پاکستان نیوی کی مہران ایئر بیس شاہراہ فیصل کراچی پر تباہ کن حملہ امریکی ایماء پر

انڈیا نے کروایا تھا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ 22 مئی 2011ء میں بحری ہوائی قوت اور پھر کامرہ ایئربیس پر دہشت گرد حملہ اور بعد ازاں 16 اگست 2012ء کو دوبارہ کامرہ ایئربیس پر حملہ (جس کی تفصیل آگے آئے گی) کیا گیا، آخر انڈیا نے یہ حملے کیوں کروائے؟ آخر وہ کون سے محرکات ہیں جن کی بنا پر انڈیا نے پاکستان کے جدید ٹیکنالوجی کے حامل ہوائی جہازوں پر حملے کروائے۔ انڈیا کی ڈیفنس انٹیلی جنس اسٹیبلشمنٹ کی حالیہ پریزینٹیشن (Presentation) میں انڈیا کی Air Power فضائی قوت کی قلعی کھل گئی ہے اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ انڈین ایئرفورس کی کمزوریوں کا ازالہ کیا جائے۔ اس پریزینٹیشن کے چند اہم خدوخال درج ذیل ہیں:

1۔ پاکستان ایئرفورس دنیا کی ساتویں بڑی فضائی قوت ہے جس کی تیزی کے ساتھ جدت Modernization کی جا رہی ہے اور اس کی وجہ سے خطہ میں انڈیا کے لیے اور دنیا میں حیرانگی پائی جاتی ہے۔

2۔ انڈیا اور پاکستان کے درمیان فضائی قوت 1965ء اور 1971ء کی جنگوں کے دوران تناسب 1:2.2 یعنی پاکستان کے مقابلہ میں انڈیا کی فضائی قوت دوگنا سے بھی زیادہ تھی جو کہ اب کم ہو کر 1:1.7 رہ گئی ہے اور 2012ء کے اختتام تک یہ تناسب مزید کم ہو کر 1:1.2 رہ جائے گی یعنی پاکستان کے مقابلہ میں انڈین ایئرفورس کی قوت سوا گنا ہو کر رہ جائے گی جو کہ انتہائی تشویش ناک صورت حال ہے۔

3۔ روایتی طور پر انڈیا کی فضائی قوت پاکستان کے مقابلہ میں تاریخ کی پست ترین سطح پر آ گئی ہے یعنی پاکستان کے پاس ایئرفورس کے 9.5 اسکواڈرن ہیں جبکہ انڈیا کے پاس اس وقت گیارہ اسکوارڈن رہ گئے ہیں۔

4۔ پاکستان نے اپنی Fighting Capability فضائی لڑائی کی استطاعت کو حیرت انگیز طور پر بڑھایا ہے اور پاکستان نے اپنی دفاعی اور جارحی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے جبکہ ماضی میں پاکستان ایئرفورس فقط دفاعی صلاحیت رکھتی تھی اور محدود جارحی صلاحیت رکھتی تھی۔

5۔ پاکستان کے پاس دور مار اور ٹھیک نشانہ پر مار کرنے والے میزائل Long

Range Precision Guided Missile ہیں جن کے ذریعے انڈیا کے اندر منتخب کردہ اسٹریٹیجک اہداف کو نشانہ بنا کر تباہ کر سکتے ہیں۔

6- انڈین مقبوضہ جموں و کشمیر میں اہداف پاکستان ایئرفورس کی اولین ترجیح ہوگی۔

7- پاکستان نے آٹھ عدد ایئر بورن ارلی وارننگ سسٹم کے ہوائی جہاز Air Borne Early Warning Air Crafts (AWACS) خریدے ہیں یعنی چار عدد AGI ماڈل کے AWACS سویڈن سے خرید لیے ہیں اور چار عدد ZDK-03 ماڈل کے AWACS چین سے خرید لیے جبکہ انڈیا کے پاس فقط تین عدد AWACS ہیں جو کہ اسرائیل سے خریدے گئے ہیں۔ پاکستان کے AWACS پی اے ایف کے تمام لڑاکا طیاروں کی رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جبکہ انڈیا کے AWACS کسی بھی روسی ساخت کے ہوائی جہاز کی رہنمائی نہیں کر سکتے۔ یہ فقط امریکی یا یورپی ساختہ لڑاکا جہازوں کی رہنمائی کریں گے اور ایسے لڑاکا طیارے ابھی انڈیا کے پاس نہیں ہیں بلکہ ان کے سودے کیے جا رہے ہیں۔

8- انڈیا کے پاس فضا میں ایندھن بھرنے والے جہاز Mid Air Refueling Air Crafts نہیں ہیں جبکہ پاکستان نے چار عدد فضائی ایندھن بھرنے کے روسی ساختہ جہاز IL-78 Refueler یوکرائن سے خرید لیے ہیں۔

9- پاکستان اب تیزی کے ساتھ جدید ترین فائٹر جہاز خرید رہا ہے۔

10- انڈین ایئرفورس کی بغیر پائلٹ کے جہازوں UAVs کی برتری بھی ختم ہوتی جا رہی ہے کیونکہ پاکستان نے 25 عدد یورپی ساختہ UAVs اٹلی سے حاصل کر لیے ہیں اور مزید بھی پاکستان کو ملنے والے ہیں۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان ایئرفورس نے اپنی قوت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ اٹلی کے فوج کے جنرل ڈوہٹ General Douhet کے مطابق "Aerial Warfare admits of no defensive attitude only the offensive" ''فضائی جنگ دفاعی ہرگز نہیں ہونی چاہیے'' پاکستان ایئر فورس کو ایسے خطوط پر استوار کیا گیا کہ PAF کی جارحی صلاحیت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ پاکستان ایئر فورس کی فضائی بیڑہ میں

فائیٹر جہازوں کی تعداد کچھ یوں ہے۔ ساٹھ عدد F-16 فائٹر جہاز ہیں جن میں سے پچاس فی صد Block-52 قسم کی ہیں اور مزید پچاس فی صد کو Block-52 میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ پاکستان نے وافر تعداد میں JF-17Thunder لڑاکا طیارے بھی چین کی شراکت سے تیار کر کے اپنے فضائی بیڑہ میں شامل کیے ہیں۔ PAF نے برادر پڑوسی ملک چین سے جدید ترین J-10 لڑاکا طیارے خرید لیے ہیں جو کہ چین کی شراکت سے اسمبل کر کے پاکستان ایئر فورس کے بیڑہ میں شامل کیے جائیں گے۔ J-10 لڑاکا طیارہ دراصل امریکی ٹیکنالوجی ہے جس کے بنانے کے لیے اسرائیل نے Levia پروجیکٹ کے نام سے کام شروع کیا تھا مگر بعدازاں بوجہ ختم کر دیا تھا اور چین نے دوستی کی بدولت اسرائیل سے Levia پروجیکٹ خرید لیا تھا۔ یہ ہے پاکستان کی فضائیہ کی قوت جس کی وجہ سے انڈیا کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں۔

02 مئی 2011ء کو ایبٹ آباد پر امریکی حملہ کے بعد امریکی صدر بارک اوبامہ نے پاکستان کو دھمکیاں دینا شروع کیں کہ وہ پاکستان کے دیگر شہروں پر بھی حملے کرے گا اور کہتے رہے کہ اب وہ کوئٹہ شوریٰ پر بھی حملہ کریں گے۔ امریکی انتظامیہ نے پاکستان پر الزام لگایا ہوا ہے کہ حکومت پاکستان نے ملا محمد عمر اور افغانستان میں ان کے دور حکومت کی مجلس شوریٰ کے ارکان کو کوئٹہ میں چھپایا ہوا ہے۔ افغانستان کے سابق صدر ملا محمد عمر اور اس کے ساتھیوں کو امریکا نے کوئٹہ شوریٰ کا نام دیا ہوا ہے جیسا کہ افغانستان پر قبضہ کرنے کی جنگ کو انہوں نے دہشت گردی کے خلاف جنگ کا نام دیا ہوا ہے اور افغانستان میں آزادی کی جنگ لڑنے والے مجاہدین کو امریکی اور مغربی میڈیا میں دہشت گرد کے نام سے پکارتے ہیں۔ ان دھمکیوں کے بعد پاکستان کو چوکنا ہونا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں ہوا اور چند ہی دنوں بعد کراچی میں مہران نیول ایئر بیس پر بھی اس لیے حملہ کامیاب ہوا کیوں کہ ایئر بیس کے گرد سیکیورٹی مکمل نہیں تھی۔ ان واقعات کے بعد پاکستان میں شدید عوامی ردعمل ہوا، سینٹ اور قومی اسمبلی میں بحث ہوتی رہی اور عوامی نمائندوں کی طرف سے بھی مطالبہ کیا گیا کہ امریکا کے ساتھ پاکستان اپنے تعلقات پر نظر ثانی کرے مگر حکومت پاکستان نے امریکا کے لیے اپنے ہوائی اڈے، بحری اڈے اور زمینی راستے بند نہیں کیے

بلکہ ان کو جوں کا توں امریکی تصرف میں رہنے دیا اور نیٹو لاجسٹک بھی بلاروک ٹوک جاری رہی۔ یہاں پر NATO لاجسٹک کے متعلق مفصل ذکر کرنا برمحل ہوگا، کیوں کہ پاکستان کے اندر NATO لاجسٹک کی بلاروک ٹوک جاری رہنے کی وجہ سے اندرون ملک اور خاص طور پر کراچی اور بلوچستان میں دہشت گردوں اور ٹارگٹ کلنگ کو فروغ ملا ہے۔

افغانستان ایک ایسا ملک ہے جس کے ساتھ سمندر نہیں لگتا اس لیے اسے Land Locked Country یعنی چاروں سمت زمین سے گھرا ہوا ملک کہتے ہیں۔ امریکی افغانستان جنگ کی لاجسٹک یعنی رسد کے لیے محدود زمینی راستے ہیں۔ ایک راستہ یورپ سے براستہ روس اور وسط ایشیائی مسلم ممالک سے ہوتے ہوئے شمال سے افغانستان میں داخل ہوتا ہے۔ دوسرا زمینی راستہ ایران میں سے گزر کر افغانستان میں داخل ہوتا ہے۔ اور یہ جنوب افغانستان سے بحر ہند کی طرف سے ہے جبکہ اس راستہ کو امریکا استعمال نہیں کرسکتا کیوں کہ ایران کے ساتھ امریکی کشیدگی کی وجہ سے ایران اپنی سرزمین کے راستے سے کبھی بھی لاجسٹک لے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔ اس کے علاوہ ایران کی پالیسی رہی ہے کہ انہوں نے افغانستان میں کسی جارح ملک کو سہولیات نہیں دیں اور یہ کہ ایران کی آزاد خارجہ پالیسی ہے اور وہ امریکی مفاد کی جنگ سے علیٰحدہ ہیں۔ البتہ ایران نے انڈیا کو تجارت کے لیے چاہ بہار بندرگاہ کے ذریعے افغانستان تک زمینی راستہ دیا ہے۔ افغانستان کے لیے تیسرا زمینی راستہ بھی بحر ہند سے پاکستان کی بندرگاہوں کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان کی سرزمین میں سے گزر کر قندھار اور کابل تک جاتا ہے۔ افغانستان پر امریکی حملہ اور جنگ کے لیے پاکستان کے سابق صدر جنرل پرویز مشرف نے پورا ملک امریکی تصرف میں دے دیا تھا۔ یوں اس جنگ کے لیے امریکا کی فوجوں کو تمام لاجسٹک پاکستان کے راستے ہی حاصل ہوا ہے اور اب بھی جاری ہے۔ یہاں یہ بتانا ضروری ہے جنگ کے لیے اور فوجوں کے لیے تمام ضروریات یعنی راشن، جنگی سازوسامان، رائفلیں، مشین گنیں، گولہ بارود، ٹینک توپیں، گاڑیاں، ایندھن یہ تمام کی تمام چیزیں ایک لفظ لاجسٹک میں سما گئی ہیں یعنی یہ تمام اشیاء لاجسٹک کہلاتی ہیں۔

شروع میں امریکی اور NATO افواج کے لیے لاجسٹک لے جانے والی گاڑیاں

فقط طورخم سرحد سے افغانستان جایا کرتی تھیں۔ مگر 2004ء میں امریکا نے اصرار کیا کہ نیٹو کے لیے لاجسٹک لے جانے والی گاڑیوں کو براستہ کوئٹہ چمن افغانستان لے جانے دیا جائے تو حکومت پاکستان نے امریکا کو یہ روٹ بھی استعمال کرنے کی اجازت دے دی۔ نیٹو لاجسٹک کے کنٹینرز کو پاکستان کی بندرگاہوں پر کھول کر معائنہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اور یہ سارا سامان کسٹم حکام کی پڑتال سے بھی مستثنیٰ ہے۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ آیا تمام کے تمام کنٹینرز کا سارا ساز وسامان، اسلحہ، گولہ بارود افغانستان کے لیے پاکستان کی سرحدوں کے پار بھی جاتا ہے کہ نہیں اور یہ بھی معلوم نہیں کہ راستہ میں پاکستان کے اندر کتنے کنٹینرز آف لوڈ ہوتے ہیں اور کون سا ساز وسامان، گولہ بارود اور ہتھیار پاکستان کے اندر ہی شرپسندوں میں بانٹ دیا جاتا ہے۔ ابھی جب کہ پاک امریکا تعلقات مشکلات کا شکار ہیں تو امریکا نے متبادل ذرائع استعمال کرنے کا عندیہ دیا ہے جن سے وہ NATO، ایساف اور امریکی اتحادی افواج کے لیے لاجسٹک پہنچا سکے گا۔ جون 2004ء میں استنبول معاہدہ ہوا جس پر امریکا اور برطانیہ کے سوا کینیڈا اور تمام یورپی ممالک اور ترکی کے وزراء دفاع نے دستخط کیے۔ اس معاہدہ کے تحت امریکی افغانستان جنگ کے لیے لاجسٹک کی رسد کے لیے ہوائی جہاز استعمال کیے جائیں گے جس کا بندوبست دستخط کنندہ ممالک کریں گے۔ اس کے علاوہ امریکا نے روس کے ساتھ بھی معاہدہ کیا ہے جس کے مطابق لاجسٹک کے لیے روس کے زمینی، بحری ذرائع کے علاوہ ریل کے استعمال کی اجازت دی گئی ہے مگر روس نے ایک پابندی لگائی ہے کہ لاجسٹک سامان میں، رائفلیں، مشین گنیں، گولہ بارود، ٹینک، توپیں، بکتر بند گاڑیاں اور گولیاں لے جانے کی اجازت نہیں ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ امریکا روس کی سرزمین میں سے کوئی ایسی چیز نہیں لے جا سکتا جو کہ اگر روس کی سرزمین میں چوری چھپے آف لوڈ کی جائے تو اس کی وجہ سے روس میں دہشت گردی اور دھماکے ہو سکتے ہیں۔

روس نے لازماً اس قسم کی پابندی پاکستان کے اندرونی حالات کے پیش نظر لگائی ہے کہ پاکستان میں سے امریکی رسد کے کنٹینرز گزرتے رہے اور آج جو حالات پاکستان میں بنے ہیں، روس ہرگز نہیں چاہتا کہ وہاں پر بھی پاکستان جیسے حالات بنیں۔

کسی بھی ملک میں لاجسٹک کے بھیس میں راہداری حاصل کر کے اس ملک میں دہشت گردی کو جاری رکھنے کے خطرہ کو روس نے بخوبی بھانپ لیا ہے اس لیے انہوں نے امریکی لاجسٹک معاہدہ میں اسلحہ اور گولہ بارود وغیرہ لے جانے پر پابندی لگادی ہے۔ اس پابندی کو یقینی بنانے کے لیے روسی حکومت کے اہل کار لازماً امریکی لاجسٹک کے کنٹینروں کی چھان بین اور پڑتال بھی کرتے رہیں گے جس کی وجہ سے دیر بھی ہوسکتی ہے اس لیے روس میں سے نیٹو لاجسٹک کے کنٹینرز اس طرح کی سرعت سے نہیں جاسکیں گے جس طرح پاکستان میں سے بلا روک ٹوک جاتے ہیں۔ پھر بھی امریکا نے فرمایا کہ وہ پاکستان کے راستے سے لاجسٹک لے جانے کی ضرورت سے آزاد ہو گئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اسی فی صد لاجسٹک کی ترسیل متبادل ذرائع سے ہوگی جبکہ بیس فی صد لاجسٹک کی راہداری کی وجہ سے پاکستان کن حالات سے دوچار ہوتا رہا ہے۔ اسلام آباد میں میریٹ ہوٹل میں دھماکہ ہوا جس میں دو عدد بارود سے لدے ہوئے ٹرک استعمال ہوئے جس میں انڈیا کا RDX بارود لدا ہوا تھا۔ لاہور میں FIA کے ہیڈ کوارٹر پر اور مال روڈ پر پاک بحریہ کے وار کالج اور شاہراہ فاطمہ جناح پر حساس ادارہ پر بھی ٹرک لوڈ انڈین RDX بارود استعمال کر کے شدید دھماکے کیے گئے جس میں کافی مالی اور جانی نقصان ہوا۔ اس کے علاوہ کراچی، کوئٹہ، پشاور اور پاکستان کے دیگر شہروں میں بھی RDX بارود کا کثیر مقدار میں استعمال کر کے دھماکے ہوتے رہے۔ ان تمام واقعات میں استعمال ہونے والے RDX بارود کا حساب کیا جائے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اتنا زیادہ بارود افغانستان کے راستے سے اندرون ملک پہنچایا گیا ہو اور پاکستان کے سیکیورٹی اداروں کو خبر بھی نہ ہوسکی۔ اصل میں یہ سارا بارود امریکی لاجسٹک کے کنٹینروں میں سے دھماکہ ہونے والے مقامات کے قریب تر آف لوڈ ہوا ہے اور انہیں وہیں کہیں ذخیرہ کیا گیا ہو اور پھر مناسب موقع پر استعمال کیا گیا۔

ایسا ہی ایک بارود کا ذخیرہ امریکی لاجسٹک کے روٹ پر واقع شہر چیچہ وطنی کے قریب ایک گھر میں موجود تھا جس کا علم تب ہوا جب وہ حادثاتی طور پر تباہ ہوا۔ یوں رائفلوں، مشین گنوں، گولیوں اور راکٹوں بھرے کنٹینرز کراچی کے اندر بھی آف لوڈ ہوتے

رہے جس کا کسی کو علم نہیں رہا۔ اس کے نتیجے میں کراچی میں بے تحاشا اسلحہ موجود ہے۔ غیر ملکی ایجنٹ جب بھی چاہیں اپنے آقاؤں کے اشارے پر خون ریزی کرتے رہتے ہیں اور سیکیورٹی فورسز اس پر بے بس ہیں اس وقت پاکستان کی یہ صورت حال بن گئی ہے کہ امریکا اور انڈیا جہاں چاہیں وہاں پر ہتھیار گولیاں اور بارود آسانی امریکی لاجسٹک کے کنٹینروں سے اتروا کر اپنے ایجنٹوں کے لیے رسد کو جاری رکھ سکتے ہیں۔ یوں انڈیا اور اسرائیل اور امریکا کے لیے پاکستان کے اندر اپنے ایجنٹوں کو ہتھیار وغیرہ پہنچانا نہایت آسان ہے۔ بے شک اسی فی صد لاجسٹک متبادل راستوں سے افغانستان پہنچایا جاتا ہوگا مگر پاکستان کے اندر دہشت گردی، قتل و غارت گری کو جاری رکھنے کے لیے بیس فی صد لاجسٹک کے ذریعے اپنے کنٹینروں سے وافر مقدار میں خطرناک ہتھیار اور بارود پہنچا سکتے ہیں۔

پاکستان پر انڈو۔امریکی حملہ کی نئی حکمت عملی:

نائن الیون یعنی گیارہ ستمبر 2001ء کو نیویارک میں دو عظیم الشان عمارتوں کی تباہی کے دن کی دسویں برسی کے دن سے افغانستان امریکا اور ان کے اتحادیوں کے خلاف افغان مجاہدین اور طالبان کی جنگ تیز ہوگئی اور گیارہ، تیرہ اور چودہ ستمبر 2011ء کو وردک میں امریکی فوجی ہیڈ کوارٹر، نیٹو ہیڈ کوارٹر، سی آئی اے ہیڈ کوارٹر اور کابل میں امریکی سفارت خانہ پر افغان طالبان کی طرف سے فائرنگ، راکٹ حملے اور ٹرک بم اور خودکش حملوں کے نتیجے میں 77 سے زیادہ امریکی زخمی ہوئے اور تقریباً 25 امریکی ہلاک ہوئے تو امریکی عسکری اور سیاسی قیادت میں کھلبلی مچ گئی اور امریکی عسکری اور سیاسی قیادت کی افغانستان سے رخصت ہونے والے کمانڈر ایڈمرل مائیک مولن نے ان حملوں کو سراج الدین حقانی گروپ کے ذمہ لگا کر پاکستان پر الزام لگایا اور کہنا شروع کیا کہ یہ حملے پاکستان کے آئی ایس آئی نے کروائے ہیں یوں براہ راست پاکستان کو ان حملوں کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ اس کے بعد امریکا نے پاکستان کے اندر اپنی مرضی کے اہداف پر حملہ کرنے کی دھمکیاں دینا شروع کیں۔

سنہ 2011ء کی ابتدا سے ہی امریکا کی کوشش رہی ہے کہ کسی صورت میں افغان طالبان رہنماؤں کے ساتھ افغان اعلیٰ امن کونسل High Peace Council کے ذریعے ایسا معاہدہ ہو جائے جس کی بدولت امریکا کو افغانستان میں سنہ 2034ء تک ایک مخصوص طاقتور فورس رکھنے کی سہولت مہیا ہو سکے، جیسا کہ امریکا نے اپنے مفتوحہ ممالک جاپان، جنوبی کوریا اور فلپائن کے ساتھ معاہدے کیے ہوئے ہیں اور دوسری جنگ عظیم سے لے کر آج تک وہاں پر طاقت ور امریکی فورس موجود ہے اور ان ممالک کی خودمختاری پر تسلط جمائے ہوئے ہے۔ افغانستان میں بھی امریکا مرحلہ وار دائمی تسلط برقرار رکھنے کے لیے کوشاں ہے مگر 20 ستمبر 2011ء کو افغانستان کے اعلیٰ امن کونسل HPC کے امریکا نواز سربراہ پروفیسر برہان الدین ربانی کو کابل میں ان کے گھر میں خودکش حملہ میں ہلاک کیا گیا اور اس سے قبل امریکی مفادات یعنی امریکی اور نیٹو افواج اور سی آئی اے ہیڈ کوارٹر اور امریکی سفارت خانہ پر پے در پے تباہ کن حملوں کی وجہ سے امریکا کی امیدوں پر پانی پھرتا ہوا نظر آیا ہے۔ راقم نے اپنے کالم جو 17 نومبر 2010ء کو روزنامہ نوائے وقت میں چھپا ہے، اس میں ایک اہم معاملہ کی نشان دہی کی تھی جو قارئین کے لیے مطالعہ کے لیے درج ذیل ہے: ''اگر حقانی نیٹ ورک اور طالبان کے ساتھ امریکا کا ایسا معاہدہ ہو جاتا ہے کہ امریکی انخلاء کے دوران ان کا پیچھا نہیں کیا جائے گا تو پھر مغرب کی طرف سے پاکستان کے اندر بمباری شاید نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر مغربی عساکر کی طرف سے تیز اور شدید بمباری متوقع ہے۔ بعد کی معافی اس تباہی کا ہرگز ازالہ نہیں۔ عوام توقع کرتے ہیں کہ ابھی سے ہی ڈرون حملے بند کروائے جائیں تاکہ آنے والے وقتوں میں کسی مغربی Misalventure سے بچا جا سکے۔ پاکستان اپنے Minimum Nuclear deterence کا دائرہ کار بڑھا کر ICBM تیار کرے۔ ایک موثر Deterence کا احساس مغربی ممالک کو پاکستان کی سرزمین پر تباہی کرنے کے عمل سے باز رکھے۔''

آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ طالبان اور حقانی نیٹ ورک کے جنگجوؤں کے رویہ سے مایوس ہو کر امریکا نے پاکستان پر دباؤ ڈالا کہ پاکستان شمالی وزیرستان میں آپریشن کر کے حقانی نیٹ ورک کے طالبان جنگجوؤں کو اتنا مارے کہ وہ کمزور ہو جائیں۔ تاکہ امریکا

ان سے اپنی مرضی کا معاہدہ کرنے میں کامیاب ہو سکے جبکہ پاکستان ٹال مٹول سے کام لیتا رہا اور شمالی وزیرستان میں آپریشن سے گریز کرتا رہا۔ مئی 2011ء سے لے کر اگست 2011ء تک پاکستان پر شدید امریکی دباؤ اور خوف زدہ کرنے کے حربے ہوتے رہے اور پاکستان پر کئی قسم کے خطرات اور انڈو امریکی حملہ کا خطرہ موجود رہا۔ مشرقی سرحدوں پر انڈین آرمی تعینات ہے جس کے تمام اخراجات امریکا کی طرف سے اربوں ڈالر خرچ کر کے پورے کیے جا رہے ہیں اس لیے انڈیا کے لیے کسی قسم کا معاشی بوجھ نہیں ہے۔ انڈین فوج امریکا کے اشارے پر کسی بھی وقت Cold start یعنی برق رفتار حملہ کرنے کے لیے تیار بیٹھا ہے۔ مغربی سرحدوں پر دیر، چترال اور دیگر سرحدی علاقہ جات میں جون 2011ء سے امریکی اور نیٹو فوجی، افغان فوجی اور امریکی حمایت یافتہ پاکستان مخالف طالبان کی مشترکہ فوج کے حملے اور سرحدی چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہو چکی ہے جبکہ پاکستان نے اس ساری صورت حال کا صبر و تحمل کے ساتھ ایک خاص مقصد کی خاطر مقابلہ کیا۔ 14 اگست 2011ء پاکستان میں ایک اہم قوت لیے نئی تبدیلی آئی ہے۔ پاکستان ان قوت کے حاصل ہونے تک صبر و تحمل کی حکمت عملی اپنائے ہوئے تھا۔

خلاء میں پاکستان کا صرف ایک سیٹلائیٹ ہے جو کہ انڈیا اور چند دیگر ممالک کی نگرانی کرتا ہے۔ یہ سیٹلائیٹ بھی 2015ء تک ناکارہ ہونا ہے۔ اگر اس کی جگہ نیا سیٹلائیٹ زمین کے مدار میں خلا میں نہیں پہنچایا جاتا تو پھر پاکستان دفاعی اور جارحی عسکری استطاعت کو شدید نقصان پہنچتا ہے۔ جنرل پرویز مشرف نے اقتدار میں آ کر پاکستان کے میزائل پروگرام کو بریک لگایا تھا اور ملک کے مایہ ناز عظیم سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ان کے عہدہ سے ہٹا دیا تھا تاکہ وہ پاکستان کے میزائل پروگرام کو ترقی نہ دے سکے۔ جنرل پرویز مشرف نے پاکستان کے سیٹلائیٹ پروگرام کو بھی روک لیا تھا۔ اگر جنرل پرویز مشرف 2015ء تک اقتدار میں رہتے، جس کے اہتمام میں وہ مصروف تھے اور ہر امریکی جائز ناجائز حکم کی پیروی میں مستعد تھے، تو پاکستان ایٹمی قوت ملک ہونے کے باوجود ایٹمی میزائلوں کے ذریعے ڈلیوری سسٹم سے محروم ہو جاتے۔ ایٹمی میزائلوں کو سیٹلائیٹ کے ذریعے گائیڈنس یعنی رہنمائی ملتی ہے تب جا کر ٹھیک نشانہ پر گر کر پھٹتے

ہیں۔ 2015ء میں سیٹلائٹ کے ناکارہ ہونے کی صورت میں میزائلوں کو رہنمائی سے محروم ہونا پڑتا۔ یہ ہی وجہ ہے کہ مغربی دنیا کو توقع تھی کہ 2015ء میں پاکستان میں میزائل قوت سے بے بہرہ ہو جانا ہے اس لیے پاکستان کو خدانخواستہ دنیا کے نقشے سے مٹا دیا جا سکتا ہے۔ مگر اللہ کی رضا سے جنرل پرویز مشرف کے اقتدار کا زوال ہوا اور فروری 2008ء کے انتخابات کے نتیجہ میں PPP کی جمہوری حکومت اقتدار میں آئی۔ جمہوری حکومت کی کاوشوں کے نتیجہ میں مارچ 2008ء میں برادر پڑوسی ملک چین کے ساتھ سیٹلائٹ بنانے کا معاہدہ ہوا تو عظیم چین نے بھی ریکارڈ کم مدت میں یہ سیٹلائٹ تیار کیا اور پھر چین کے بنے راکٹ کے ذریعے چین کی سرزمین پر سے 14 اگست 2011ء کو خلا میں پہنچایا گیا اور پھر اس سیٹلائٹ نے 17 اگست 2011ء کو کام کرنا شروع کیا۔ اب پاکستان کے پاس نئی قوت آ گئی۔ ایک سیٹلائٹ مشرقی نیم کرۃ الارض Eastern Hemi Sphere کی نگرانی پر مامور ہے اور دوسرا سیٹلائٹ مغربی نیم کرۃ الارض Western Hemi Sphere کی نگرانی پر مامور ہے۔ یہ دونوں سیٹلائٹ شمال اور جنوب میں بھی ایک خاص حد تک نگرانی کرنے کے قابل ہیں۔ پاکستان کا سیٹلائٹ پروگرام جاری ہے اور سنہ 2015ء تک ایک اور سیٹلائٹ خلا میں پہنچایا جانا ہے تاکہ ناکارہ ہونے والے سیٹلائٹ کی جگہ لے اور سنہ 2025ء تک پروگرام کے مطابق پاکستان کے چار سیٹلائٹ خلا میں زمین کے مدار میں ہوں گے اور پوری دنیا کی نگرانی کر رہے ہوں گے۔ موجودہ صورت میں بھی پاکستان اس قابل ہو گیا ہے کہ اگر پاکستان ICBM تیار کرتا ہے جس کی ٹیکنالوجی حاصل کر چکا ہے تو ایسی صورت میں مشرق اور مغرب میں دنیا کے تمام ممالک بشمول یورپی ممالک اور امریکا ان میزائلوں کی رینج یعنی پہنچ میں آ جاتے ہیں۔ یہ ایسی صلاحیت ہے جو پاکستان کی جارحی حربی قوت میں لامحدود اضافہ کرتا ہے۔ پاکستان کے ایٹمی میزائل کہاں تک مار کر سکتے ہیں؟ یہ ایک سربستہ راز ہے جس کا دشمن کو ادراک نہیں مگر پاکستان کی عسکری اور سیاسی قیادت میں اعتماد اس بات کی غمازی ہے کہ پاکستان اس وقت ہر بیرونی جارحیت کا اعتماد اور کامیابی کے ساتھ سدباب کر سکتا ہے۔ پے در پے امریکی ذلت آمیز رویہ سے تنگ آ کر آخر کار پاکستان کی سیاسی اور عسکری قیادت نے امریکا کو ترکی بہ ترکی

جواب دیا۔ اپنے ہی اتحادی پر شرمناک الزامات سفارتی آداب کی خلاف ورزی کے علاوہ پاکستان کی قومی وقار اور غیرت کو بھی للکارنے کے مترادف ہے۔ ستمبر 2011ء میں امریکا پر طالبان کے حملوں کا دباؤ بڑھ گیا اور امریکا نے پاکستان کو دھمکیاں دینا شروع کیں تو امریکا کو پاکستان نے واضح طور پر بتا دیا کہ اب کے بار اگر امریکا نے کوئی Misadventure یعنی شرارت کی تو نتائج کا ذمہ دار بھی امریکا ہی ہوگا مگر سپر طاقت ہونے کے نشے میں اور ماضی میں پاکستان کی طرف سے مؤدبانہ رویہ اور پاکستان میں امریکی کاسہ لیسوں کی کثرت کی وجہ سے امریکا پاکستان کے خلاف کچھ کر گزرنے پر کمر بستہ ہوا۔

پاکستان کی مشرقی سرحدوں پر تعینات انڈین آرمی کو پاکستان پر حملہ کرنے کے لیے تیار کیا گیا۔ 26 ستمبر 2011ء کو امریکی، اسرائیلی اور انڈین جنرلز نے مشرقی سرحدوں پر متعین انڈین فورسز کے اگلے مورچوں کا معائنہ کر کے جنگی تیاریوں کا جائزہ لیا تا کہ رن آف کچھ سندھ Rann of Kuch میں وہ پاکستان کی سرزمین میں داخل ہو کر قبضہ کریں اور مغرب سے بھی انڈو امریکی اور NATO کی افواج شمالی وزیرستان، چترال اور دیر وغیرہ سے امریکی مقرر کردہ Objectives (اہداف) پر بھرپور حملہ کر کے پاکستان کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں۔ پاکستان کی عسکری قیادت نے بھی انڈیا کی گردن پر لات رکھنے کے لیے پاک فوج کی دسویں کور کی تمام فوج کو اسلحہ گولہ بارود اور دیگر جارحی ہتھیاروں سے لیس کر کے کشمیر کی سرحدوں پر تعینات کیا اور مغرب میں دشمن کے حملہ کے پیش نظر گیارہویں کور کی تمام افواج کو ہتھیاروں سے لیس کر کے سرحدوں پر تعینات کیا تمام سرحدوں پر بھاری توپ خانہ راکٹ، میزائل بردار یونٹیں پہنچا دیں اور مستعد ہو گئے۔ عین مشکل گھڑی میں برادر پڑوسی ملک چین نے اپنے نائب وزیراعظم کو پاکستان کی قیادت سے ملنے کے لیے بھیجا جس نے آ کر تسلی دی کہ عظیم چین ہر مشکل میں پاکستان کے ساتھ ہے۔ برادر اسلامی ملک ایران نے اپنے وزیر داخلہ کو روانہ کیا جس نے آ کر ایران کی طرف سے بھرپور حمایت کی یقین دہانی کرائی اور ہر مشکل گھڑی میں پاکستان کی غیر متزلزل حمایت اور ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ برادر اسلامی ملک سعودی عرب نے بھی

پاکستان کی حمایت کی اور امریکا کو پاکستان کے خلاف کسی قسم کی Misadventure سے باز رہنے کے لیے قائل کیا۔ یوں پاکستان پر فی الوقت جنگ کے بادل چھٹ گئے اور دنیا ایٹمی جنگ کی تباہی سے محفوظ ہوگئی۔

نومبر 2011ء پاکستان پر براہِ راست امریکی حملہ اور دیگر واقعات:

26 نومبر 2011ء کو آدھی رات کے وقت امریکی فوج، افغان فوج اور پاکستان مخالف افغان طالبان نے پاکستان کے اندر مہمند ایجنسی میں پاک افغان سرحد پر سلالہ چیک پوسٹوں پر زمینی حملہ کیا جسے ہماری بہادر فوج نے پسپا کیا۔ یہ وہ چیک پوسٹیں ہیں جن پر ستمبر 2011ء سے نومبر 2011ء تک امریکا، نیٹو اور افغان فوج اور پاکستان مخالف طالبان کی مشترکہ فورس نے دو حملے کیے جنہیں ہماری بہادر فوج نے پسپا کیا۔ 26 نومبر کی آدھی رات کو یہ تیسرا حملہ تھا۔ سلالہ چیک پوسٹ پر دو حملے ہونے کے باوجود پاک فوج کی اعلیٰ قیادت کو مکمل دفاعی تیاری کرنی چاہیے تھی تا آنکہ دشمن کے ممکنہ فضائی حملہ کے سدباب کے لیے اینٹی ایئر کرافٹ توپیں اور میزائل بھی تیار رکھنے چاہیے تھے مگر اعلیٰ قیادت اور فوج کے فیلڈ کمانڈرز کی غفلت کی وجہ سے 26 نومبر 2011ء کو پاک فوج کے دو افسر اور 22 جوان دشمن کے لڑاکا طیاروں کی بمباری کی وجہ سے شہید ہوئے۔ رات 12 بجے کے بعد سلالہ چیک پوسٹ کے سامنے افغان سرحد کے پار دشمن کی فوجیں جمع ہوئیں اور پھر انہوں نے پاکستان کی پوزیشنز پر حملہ کیا جسے پاک فوج کے بہادر افسر اور جوانوں نے پسپا کیا اور ساتھ میں اس جنگ کی ساری صورت حال سے اپنے فیلڈ کمانڈروں کی معرفت یا براہ راست ڈویژن اور کور کمانڈر تک کو آگاہ کیا اور یوں جنرل ہیڈ کوارٹر راول پنڈی میں چیف آف جنرل اسٹاف CCS کو بھی اطلاع دی گئی اور چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی کو بھی مطلع کیا گیا۔ جب دشمن کا زمینی حملہ پسپا ہوا تو دور سے دشمن یعنی امریکی اور نیٹو کے بمبار طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹرز کی آواز مہمند ایجنسی میں پاک افغان سرحد پر سلالہ چیک پوسٹوں کے علاقہ میں گونج اٹھی۔ اس سے قبل

دومرتبہ دشمن کا حملہ پسپا ہوا تھا تو انہوں نے بمبار طیارے اور ہیلی کاپٹر استعمال نہیں کیے تھے اب کے بار جب جنگی گن شپ ہیلی کاپٹر اور بمبار طیاروں نے سلالہ کے چیک پوسٹوں پر نیچی پرواز کر کے اپنے اہداف چننے کی کوشش کرتے رہے تو سلالہ پوسٹوں پر موجود افسر نے اپنے فیلڈ کمانڈرز اور کور کمانڈر تک کو ساری صورت حال بتا دی اور Save Our Souls (SOS) یعنی ہماری جانیں بچانے کی خاطر مدد بھیجیے کی پکار بھی کی اور جی ایچ کیو میں CGS چیف آف جنرل اسٹاف تک ان کی یہ ساری صورت حال پہنچا دی گئی تھی۔ جی ایچ کیو اور چیف آف آرمی اسٹاف کو ایسی صورت حال میں کور کمانڈر کے زیر کمان گن شپ ہیلی کاپٹر فوراً روانہ کرنے چاہیے تھے۔ یاد رہے کہ ستمبر 2011ء میں گیارہ کور کی ذمہ داری کی سرحد پر توپیں، گولہ بارود، میزائل پہنچائے گئے تھے۔ آرمی چیف کو چاہیے تھا کہ حکم دیتے کہ توپ خانے سے بمباری، اینٹی ایئر کرافٹ گنوں سے فائرنگ اور عنزہ میزائل کا استعمال کر کے دشمن کے فضائی حملہ کو پسپا کر دیتے اور ساتھ ہی پشاور بیس پر موجود ایئر فورس کے شاہینوں کی امداد بھی روانہ کرتے تو امریکی فضائی حملہ پسپا ہوسکتا تھا۔

قومی اسمبلی میں انکوائری کے دوران CGS چیف آف جنرل اسٹاف نے خود بتایا کہ ایسا ہوا جیسا کہ میں نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے۔ 26 نومبر 2011ء کے امریکی حملہ کے بعد پاکستان کی عوام نے کئی سوال اٹھائے۔ یہ کہ ہماری فوج کے افسر اور جوان مدد کے لیے پکارتے رہے اور اپنی پوسٹوں پر وطن کی حفاظت کی خاطر ڈٹے رہے اور اپنے لہو کا نذرانہ دے کر تمام کے تمام افسر اور جوان شہید ہوئے، فوج کی اعلیٰ قیادت اور اعلیٰ سول قیادت نے سلالہ چیک پوسٹ پر موت و حیات کی جنگ لڑتے ہوئے افسر اور جوانوں کی مدد کیوں نہیں کی؟ امریکی حملہ پسپا کرنے کے لیے جدید ہتھیار کیوں نہیں استعمال کیے گئے؟ (PAF) پاکستان ایئر فورس کو جوابی کارروائی کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟ فیلڈ کمانڈرز نے میزائل اور توپ خانہ سے جوابی کارروائی کیوں نہیں کی؟ فوج کے زیر کمان اور قریبی موجود گن شپ ہیلی کاپٹرز کے ذریعے دشمن کے فضائی حملہ کو پسپا کرنے کے لیے میزائل فائر کیوں نہیں کیے گئے؟ یہ تمام سوالات ہیں جن کا اب تک کوئی جواب

نہیں ملا۔

A deterrent which one is afraid to implement when it is challenged ceases to be a delerrent. (Henry Kissinger)

ایک مزاحمت جسے جب للکارا جائے تو پھر کوئی اس کے استعمال میں خوف زدہ ہو جائے تو اس مزاحمت کی وقعت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ (ہنری کسنگر)

ہماری عساکر کے پاس ایسے ہتھیار تھے جن کو استعمال کر کے دشمن کے ہوائی حملہ کو پسپا کیا جا سکتا تھا اور دشمن کے جہاز گرائے جا سکتے تھے مگر قوم جاننا چاہتی ہے کہ وہ کون سا خوف ہے جس کی بنا پر اصحاب اختیار قیادت نے ان ہتھیاروں کو استعمال نہیں کیا۔ اتنا بڑا سانحہ ہوا مگر اس کی نہ تو ملٹری کی طرف سے کورٹ آف انکوائری ہوئی نہ ہی قومی سطح پر ججوں پر مشتمل انکوائری کمیشن بنی۔ بس معاملہ ٹھپ ہو گیا۔ شہید کا کیا رتبہ ہے اور کیا شان؟ وطن کی سرحدوں کا محافظ سپاہی (افسر اور جوان) غازی ہو یا شہید، دونوں صورتوں میں اللہ کے حضور میں ان کی اعلیٰ شان اور عظیم رتبہ ہے۔ ہندوستان کے مغل شہنشاہ شاہ جہان کے انگریز معالج سر ٹامس مور جنہوں نے ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے سوداگروں کے لیے مراعات حاصل کر کے انگریزوں کے لیے ہندوستان میں قدم جمانے کا کارنامہ سرانجام دیا تھا، انہوں نے اپنی تصنیف ''لالہ رخ'' میں لکھا ہے کہ ربّ تعالیٰ ایک فرشتہ سے ناراض ہوئے تو انہیں جنت سے نکالا گیا۔ معتوب فرشتہ نے جنت کے دربان رضوان سے عرض کیا کہ کوئی ایسی ترکیب بتائیں جس سے ربّ تعالیٰ راضی ہو جائے۔ رضوان نے انہیں صلاح دی کہ کوئی نایاب تحفہ لا کر اللہ تعالیٰ کو پیش کریں۔ اس جستجو میں معتوب فرشتہ شام کے شہر دمشق کے ایک باغ میں پہنچا۔ دیکھتا ہے کہ ایک ادھیڑ عمر کا شخص جس نے تمام عمر گناہ ہی گناہ کیے ہیں وہ باغیچہ میں کھیلتے ہوئے بچے کو غور سے دیکھ رہا ہے۔ مغرب کے وقت دمشق کی مساجد کے میناروں سے اذان کی آواز سے پورا شہر گونج اٹھا تو بچے نے کھیل کود کو ترک کر کے سامنے موجود پانی کے حوض میں سے وضو کیا اور مسجد کی طرف نماز کے لیے روانہ ہوا۔ ادھیڑ عمر کے گنہگار شخص کو شدید پچھتاوا ہوا اور اس نے بھی وضو کر لیا مسجد میں گئے نماز کے بعد سجدہ ریز ہو کر آنسوؤں اور

سسکیوں سے ربّ العالمین کے حضور توبہ کر لی اور اپنی زندگی بھر کے تمام گناہوں کی معافی مانگ لی۔

اس پُرخلوص توبہ کو ربّ العزت نے قبول فرمایا تو عرش سے فرشتوں نے مبارک، مبارک کی صدائیں بلند کیں۔ معتوب فرشتہ اس شرمسار، گنہگار انسان کے پچھتاوے اور توبہ کا تحفہ لے کر عرش کی طرف روانہ ہوا اور جب وہ جنت کے قریب پہنچا تو رضوان نے جنت کے دروازے کھول کر انہیں خوش آمدید کہا اور گویا ہوئے کہ بے شک یہ ایک بہت عمدہ تحفہ ہے مگر لوٹ جاؤ اور کوئی بہترین تحفہ لاؤ۔ اب کے بار معتوب فرشتہ ہندوستان کی سرزمین پر اترا اور دیکھا کہ وطن کا سپاہی سرحدوں کی حفاظت پر مامور ہے۔ سامنے سے دشمن کا حملہ ہوا ہے۔ وطن کا یہ سپاہی چٹان کی طرح مدمقابل ہے۔ آخر اپنی ترکش کا آخری تیر بھی دشمن پر مارتا ہے۔ دشمن کی سمت سے ایک تیر آتا ہے جو سپاہی کے سینہ میں پیوست ہو جاتا ہے اور خون میں نہائے وطن کا سپاہی شہید ہو جاتا ہے۔ معتوب فرشتہ، شہید سپاہی کے لہو کا تحفہ لے کر اللہ جل شانہ کے حضور پیش کرنے کے لیے عرش کی طرف روانہ ہوتا ہے۔ جب جنت کے قریب پہنچتا ہے تو عرش سے صدائیں آ رہی ہوتی ہیں کہ اے معتوب فرشتے! تو بخشا گیا۔ ربّ العزت کے حضور وطن پر شہید ہونے والے سپاہی کے لہو سے زیادہ گرانقدر تحفہ ممکن ہی نہیں۔'' اس لہو کے عوض اللہ جل شانہ نے تو پوری قوم کی حیات کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ اور پھر یہ فرشتہ جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

میرے وطن کے حکمرانوں نے امریکا اور مغرب کے مفاد کی جنگ برائے دہشت گردی کی حمایت میں وطن عزیز کے لاکھوں مجاہد سپاہی (افسر اور جوان) سرحدوں کی حفاظت پر مامور کیے اور امریکی سازش کے تحت پاکستان دشمن دہشت گردوں کے خلاف لڑتے ہوئے تقریباً پانچ ہزار سے زائد افسر اور جوان جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ مگر مہمند ایجنسی میں پاک وطن کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہوئے سلالہ چیک پوسٹ پر مامور وطن کے بہادر اور جاں نثار افسر اور جوانوں نے 26 نومبر 2011ء کی رات مکار دوست نما دشمن کے ساتھ بے جگری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا تو قوم کے ہر فرد کی کچھ ایسی کیفیت ہوئی جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''مسلمان، مسلمان کا

بھائی ہے جس طرح کہ وہ ایک جسم ہو۔ جب جسم کے کسی حصہ پر زخم آتا ہے تو پورا جسم بخار اور درد میں مبتلا ہو جاتا ہے۔"

ایٹمی قوت کے حامل ملک پاکستان، جس کے پاس کہیں پر بھی موجود دشمن پر ایٹم بم گرانے کی صلاحیت ہو۔ جس کی ایٹمی میزائل ٹیکنالوجی انتہائی جدید اور فعال ہو اور طاقت ور فوج، توپ خانہ، جدید ٹینک اور ایئر فورس بھی انتہائی طاقتور اور جدید ہو، اس قوم کی سول اور عسکری قیادت دشمن کے ساتھ گفت وشنید میں وقت ضائع کرتے ہوئے بے عمل ہوں جبکہ وطن کے سپاہی (افسر اور جوان) دشمن کے سامنے موت سے لڑ رہے ہوں۔ یہ کیسی بے بسی ہے؟ قوم کے رہنما جب سکتہ سے باہر نکلے تو عساکر کے رینکو کی بے چینی اور عوام کے جذبات کے طوفان کے سامنے بہانے کرتے رہے۔ عوامی اور عسکری رینکو کے دباؤ میں آ کر حکومت نے شمسی ایئر بیس امریکیوں سے خالی کروایا۔ اور نیٹو لاجسٹک روک دی۔ مگر عجب تماشا ہے کہ ہماری قیادت نے عوام اور عسکری رینکو کو دھوکہ دیتے ہوئے فضائی راستے سے اور افغان ٹرانزٹ ٹریڈ کے بھیس میں زمینی راستہ سے نیٹو لاجسٹک کو جاری رکھا ہوا تھا۔ گویا کہ پاکستان کی زمینی اور فضائی راستہ سے نیٹو لاجسٹک کبھی بند ہی نہیں ہوئی۔ کیا ہماری سیاسی اور عسکری قیادت کے دل میں وطن کے شہداء کے لیے کوئی محبت نہیں؟ ان کی شہادت پر ذرا بھی غم زدہ نہیں ہوئے۔ پوری قوم سوگوار ہے۔ مگر قومی قیادت میں موجود غیروں کے وفادار اپنے آقاؤں کی خدمت گزاری میں تندہی سے مصروف ہیں۔

امریکی حکام فرماتے ہیں کہ اسی فی صد نیٹو لاجسٹک متبادل ذرائع سے جاری ہے مگر بیس فی صد (یعنی اسلحہ، گولہ بارود اور دیگر مہلک ہتھیار) جو کہ روس کے راستے لانے کی ممانعت ہے اسے وہ پاکستان کے راستے لانا چاہتے ہیں تاکہ پاکستان کے اندر دہشت گردی کو فروغ دینے اور دھماکے کروانے کے لیے بارود کی ترسیل یقینی اور آسان ہو سکے۔ ہماری حکمران قیادت کسی نہ کسی ذریعے سے نیٹو لاجسٹک کو جاری رکھے ہوئے ہیں ان سے توقع کرنا عبث ہے کہ وہ معاہدہ تو، نان لیتھل لاجسٹک کا کریں اور اس کو یقینی بنا سکیں۔ عوام کو دھوکہ میں رکھنے کے ماہر حکمران اس نئے معاہدہ کے تحت اسلحہ اور گولہ

بارود کی ترسیل بھی جاری رکھ سکتے ہیں جسے امریکی اور نیٹو افواج مغربی سرحدوں پر متعین ہمارے وطن کے سپاہیوں اور افغانستان میں نہتے عوام کے اوپر استعمال کریں گے۔

کیا ستم ظریفی ہے کہ اپنے ہی دشمنوں کو ہم خود ہی اسلحہ گولہ بارود پٹرول وغیرہ بہم پہنچائیں جس سے قوت پا کر وہ ہم پر ہی حملہ آور ہوں اور ہمارے ہی سپاہیوں کو شہید کریں۔ ہمارے حکمران رہنما فرماتے ہیں کہ وہ 48 مغربی اور ان کے اتحادی ممالک کو ناراض نہیں کر سکتے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قوانین کے تحت پاکستان کے لیے لازم ہے کہ وہ افغانستان میں Occupational Force کے لیے عسکری سازوسامان اور راشن اور دیگر عسکری نوعیت کے سامان کی ترسیل کو اپنی زمین سے گزرنے کی راہداری دیں۔ اقوام متحدہ کا ایران بھی ممبر ملک ہے اور وہ بھی Land Locked ملک افغانستان کا سرحدی پڑوسی ہے۔ ایران کے بھی بندرگاہ ہیں اور ان کی سڑکیں بھی افغانستان تک جاتی ہیں۔ پھر نیٹو لاجسٹک ایران کے ذریعے کیوں نہیں لے جایا جاتا؟ ایران کے بھی 48 مغربی اور ان کے اتحادی ممالک کے ساتھ تجارتی تعلقات ہیں انہیں ممکنہ تنہائی سے ڈر نہیں لگتا؟ اس لاجسٹک کو بحال کرنے کے عوض ڈالر ملیں گے جن کے بغیر بقول وزیر خزانہ، ملک کا بجٹ بنانا ممکن نہیں۔ الیکٹرانک میڈیا نے بھی اودھم مچایا ہوا ہے کہ ڈالر ملیں گے اور ملک میں خوش حالی آئے گی۔ کیا ہماری قیادت وطن کے شہداء کے لہو سے بے وفا ہو گئی ہے؟ امریکا سے جس رزق کی توقع رکھتے ہیں اس رزق سے تو موت اچھی ہے جو ہمیں اپنے وطن کے شہداء کے لہو کو فراموش کر کے حاصل ہوتی ہے۔ ملک کے حکمرانوں اور دیگر قیادت سے گزارش ہے کہ عوام کے غضب سے بے پرواہ نہ ہوں۔ عوام جب اٹھتی ہے تو سب کچھ بہا کر لے جاتی ہے۔ اس وقت سے ڈریں اور میرے وطن کے شہید کے لہو کا سودا نہ کریں۔ نیٹو لاجسٹک کی بندش ہی ملک کے وسیع تر مفاد میں ہے۔ حوصلہ کریں، ڈالر نہ ملے تو ہم مر نہیں جائیں گے!

27 نومبر 2011ء سے مئی 2012ء تک پاکستان اور امریکا کے تعلقات بظاہر کشیدہ رہے مگر درپردہ کوششیں کی جاتی رہیں کہ امریکا کے لیے پاکستان کی سرزمین بلاروک ٹوک استعمال ہوتی رہے۔ قومی اسمبلی میں ملک کی خارجہ پالیسی پر نظر ثانی کرنے

کی سفارشات کے ساتھ NATO لاجسٹک کے لیے بھی کئی بندشوں یعنی پابندیوں کی سفارش کی گئی۔ یہ سفارشات ضمیمہ الف میں ملاحظہ ہوں۔ ان سفارشات میں پاکستان کی آزادانہ خارجہ پالیسی کے متعلق بھی رہنما اصول وضع کیے ہیں۔ شروع شروع میں مذاکرات ہوتے رہے کہ فی کنٹینرز رقم لے کر فقط نان لیتھل Non Lethal یعنی وہ سامان جس میں اسلحہ، گولہ بارود، ٹینک، بکتر بند گاڑیاں وغیرہ شامل نہ ہوں، ایسا سامان لے جانے کی اجازت دی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی کہا گیا کہ امریکا 26 نومبر 2011ء کے واقعہ میں پاک فوج کے افسر اور جوانوں کی شہادت پر معافی مانگے جس طرح امریکی جاسوس جہازوں نے چین کی فضائی حدود کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جاسوسی کی تو چین کے ایئر فورس کے فائٹر جہازوں نے انہیں گھیر کر اترنے پر مجبور کیا جس میں چین کا ایک لڑاکا طیارہ تباہ ہوا اور پائلٹ ہلاک ہوا۔ چین کے مطالبہ پر امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کو چین اور اس کے عوام سے معافی مانگنی پڑی تب جا کر چین نے امریکی جہاز اور عملہ کو واپس امریکا جانے دیا مگر 26 نومبر 2011ء کے امریکی حملہ پر وہ پاکستان سے معافی مانگنے پر تیار نہ تھا اور مصر تھا کہ غلطی پاکستان کی ہے۔ پاکستان کی وزیر خارجہ محترمہ حنا ربانی کھر، مذاکرات کرتی رہیں اور 02 جولائی 2012ء کو امریکی سیکریٹری خارجہ ہیلری کلنٹن نے Sorry کہا یعنی واقعہ پر افسوس کا اظہار کیا تو پاکستان کی قیادت مطمئن ہو گئی مگر درحقیقت نیٹو سپلائی کی بحالی اعلیٰ سطحی مذاکرات کے نتیجہ میں نہیں ہوئی۔ 28 جولائی 2012ء کو نوائے وقت کی ایک خبر کے مطابق امریکی اخبار نیویارک ٹائمز نے لکھا ہے کہ ''نیٹو سپلائی کی بحالی کا بریک تھرو کسی اعلیٰ سطحی مذاکرات کی سفارت کاری سے نہیں ہوا بلکہ خاموش مذاکرات سے ممکن ہوا۔ پاکستان کے (امریکا نواز) وزیر خزانہ عبدالحفیظ شیخ اور تھامس نائیڈز کے باہمی مذاکرات کی بدولت پاکستان نے دوبارہ نیٹو لاجسٹک کھول دیا ہے۔'' اس سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ پاکستان کی وزیر خارجہ اور دفتر خارجہ کی سفارت کاری فقط نمائش کے لیے ہے جبکہ کوئی بھی امریکا نواز بااثر حکومتی وزیر، پاکستان کی خارجہ پالیسی امور کو اپنے آقاؤں کی خواہش کے مطابق طے کر سکتا ہے۔ اب نیٹو لاجسٹک بحال ہوئی تو پاکستان کے اندر ایک بار پھر دہشت گردی زور پکڑ گئی، کراچی میں بھی ٹارگٹ

کلنگ کے واقعات میں اضافہ ہوا۔ حکومت کے ایک وزیر کے بیان کے مطابق کراچی سے آٹھ ہزار ہتھیار پکڑے گئے اور تقریباً چار ہزار ٹارگٹ کلرز پکڑے بھی گئے مگر ایک کو بھی سزا نہیں ہوئی اور تمام کے تمام ٹارگٹ کلرز ضمانت پر رہا ہو گئے۔ اب اگر کوئی پکڑا بھی جاتا ہے تو حکومت کے وزراء کی ایک فون کال پر رہا کیا جاتا ہے جبکہ کراچی میں روزانہ قتل اور غارت گری ہو رہی ہے۔ مجھے میرے عزیز دوست سلیم صدیقی نے ایک ایس ایم ایس کیا وہ ملاحظہ ہو کہ آج کل کراچی کی صورت حال کچھ یوں ہے:

نکلو گے تو ہر موڑ پہ مل جائیں گی لاشیں
ڈھونڈو گے تو اس شہر میں قاتل نہ ملے گا

16 اگست 2012ء کو رات کے وقت پاکستان ایئرفورس بیس کامرہ پر تخریب کاروں نے حملہ کیا جن کی تعداد نو تھی جس میں پاکستان ایئرفورس کی ایک SAAB AWACS کو نقصان پہنچا۔ اس واقعہ میں پاک فوج کے افسر اور جوانوں نے دلیری اور جنگی مہارت (Fighting Skill) کی عظیم الشان مثال قائم کی ہے۔ سیکیورٹی کے پیش نظر اس واقعہ کی تمام تفصیلات تحریر کرنے سے قاصر ہوں البتہ یہ بات یقینی ہے کہ پاکستان ایئرفورس بیس کامرہ کی حفاظت پر مامور پاک فوج کی یونٹ کے کمانڈنگ افسر سیکنڈ ان کمانڈ افسر اور دیگر افسران، سردار صاحبان اور جوانوں نے ہمت، جرأت اور اعلیٰ جنگی مہارت کی تاریخ رقم کر دی اور تخریب کاروں کو گھیرے میں لے لیا تھا اور رات بھر کی کارروائی میں ایئر بیس کے اندر داخل ہونے والے تمام یعنی آٹھ تخریب کاروں کو مار دیا جبکہ پاکستان ایئرفورس کے شاہین پائلٹوں نے جرأت اور اعلیٰ پروفیشنل مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی جان پر کھیل کر کامرہ ایئرفورس بیس پر موجود پاکستان ایئرفورس کے انتہائی اہم اور قیمتی اثاثہ جات کی حفاظت کو یقینی بنایا تھا۔ اس واقعہ میں پاکستان کی پولیس فورس نے بھی بہادری اور جان نثاری اور مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیس کے باہر موجود ایک تخریب کار کو بھون ڈالا۔ پاکستان کے قیمتی اثاثہ جات پر انڈیا کی طرف سے حملہ کروانا، انڈیا کی بوکھلاہٹ کا مظاہرہ ہے۔ پاکستان کے مہران نیول ایئر بیس پر موجود P.C.3 orion سرویلنس ہوائی جہاز سے متعلق کسی بھی تخریب کار کو کسی قسم کی دلچسپی نہیں

ہونی چاہیے۔ان کے متعلق فقط انڈیا کی عسکری قوت میں تشویش پائی جاتی ہے۔ پاکستان ایئرفورس بیس کامرہ پر 22 مئی 2011ء کو مہران نیول ایئربیس کراچی کی طرح کا حملہ بھی امریکا کی پشت پناہی میں انڈیا نے ہی کروایا ہے۔ایک طرف انڈیا کی کوشش ہے کہ پاکستان کے اہم اثاثہ جات پر حملے کیے جائیں تو دوسری طرف انڈیا نے گزشتہ تین برسوں میں چھتیس ارب ڈالر کے ہتھیار خریدے ہیں۔ بھارت نے اپنی مسلح افواج کو جدید بنانے کے لیے بڑا منصوبہ بنایا ہے جس کے تحت وہ پانچ برسوں میں ایک سو ارب ڈالر کے ہتھیار اور فوجی ساز وسامان خریدنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ بھارت ایک سو چھبیس کثیر القاصد لڑاکا طیارے، ایک سو ستانوے ہیلی کاپٹر اور درجنوں توپوں کی خریداری کے سودے کرنے میں مصروف ہے۔انڈیا نے حال ہی میں سی 130 ہرکولیس کارگو طیارے، کئی تیل بردار جہاز (Refueler) اور بحری جنگی جہاز خریدے ہیں۔انڈیا کی جنگی تیاریوں اور جنگی ساز وسامان کی خریداری سے ظاہر ہوتا ہے کہ انڈیا کو خوف ہے کہ 2014ء کے اختتام کے بعد جب امریکی اور نیٹو افواج افغانستان سے انخلا کر کے نکل جائیں گے تو اسلام کے جہادی جنگجو فارغ ہوں گے اور وہ کشمیر کا رخ کریں گے تو ایسی صورت میں انڈیا کسی بھی وقت پاکستان پر جنگ مسلط کرے گا جس کی تیاری میں وہ مصروف ہیں۔ انڈیا کی جنگی ساز وسامان کی خریداری کے جنون کا مغربی دنیا کو نوٹس لینا چاہیے کہ یہ جنون مستقبل قریب میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ کا باعث بن سکتا ہے اور جنوب ایشیا میں کشمیر اور پانیوں کے مسئلہ پر ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے جس کے نتیجہ میں ہزاروں انسانوں کی جانیں تلف ہوسکتی ہیں۔امریکا اور مغربی ممالک کو اور روس کو چاہیے کہ عالمی امن کے لیے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کریں اور انڈیا اور پاکستان کے درمیان کشمیر اور پانیوں، سرکریک اور سیاچن اور دیگر معاملات پُرامن مذاکرات کے ذریعے حل کرائیں وگرنہ 2015ء یا اس کے بعد مستقبل قریب میں انڈیا اور پاکستان کے درمیان جنگ ناگزیر ہو جائے گی اور یہ جنگ ایٹمی جنگ کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے۔یاد رہے کہ Any Future Indo Pakistan war is likely to cross Nuclear Threshold.

اللہ کرے ایسا نہ ہو مگر انڈیا اور پاکستان کے درمیان مستقبل کی جنگ محدود نہیں رہ سکتی لہٰذا مسائل کے حل کے لیے جنگ سے گریز کیا جائے۔

نائن الیون یعنی 11 ستمبر 2001ء کو نیو یارک امریکا میں تباہی کی گیارہویں برسی کے موقع پر 12/11 ستمبر 2012ء کی رات کو افغان طالبان اور مجاہدین نے کابل کے نزدیک بگرام امریکی ایئر بیس پر حملہ کر کے افغان انٹیلی جنس کے تین اہل کار قتل کیے اور ایک چنیوک CH-47 ٹرانسپورٹ ہیلی کاپٹر کو مار گرایا اور طالبان ترجمان کے مطابق اس میں سوار تمام افغان، امریکی اور نیٹو کے فوجی ہلاک ہوئے جبکہ امریکی ترجمان کے مطابق یہ تمام فوجی زخمی ہوئے۔ یاد رہے کہ امریکی انتظامیہ کی پالیسی کے مطابق ہلاکتوں کو ظاہر نہیں کیا جاتا ہے۔ بگرام کا امریکی ایئر بیس، افغانستان میں امریکی اور نیٹو کے ملٹری آپریشن کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ جبکہ اس پر طالبان اور افغان مجاہدین اکثر حملے کیا کرتے ہیں۔

افغانستان کے جنوب مشرق میں صوبہ ہلمند کے دارالخلافہ لشکر گاہ کے شمال مغرب میں برطانوی فوج کی بڑی چھاؤنی، کیمپ بیسشن کے نام سے ہے Camp Bastion کی چھاؤنی تقریباً اٹھائیس ہزار فوجیوں کا کیمپ ہے اور یہ چھاؤنی برطانوی فوج کی رہائش گاہ ہونے کے علاوہ ہلمند میں جنگی کارروائیوں کے لیے سب سے بڑا Logistics Base یعنی جنگی سازوسامان کی ترسیل کے لیے بیس ہے۔ کیمپ بیسشن، دوسری جنگ عظیم کے بعد کسی بیرونی ملک میں بنایا گیا سب سے بڑا برطانوی ملٹری کیمپ ہے۔ یہ کیمپ آٹھ مربع میل رقبہ پر ہے اور اس کی حفاظتی خاردار باڑھ کی لمبائی 37 کلومیٹر ہے اور اسے محفوظ ترین کیمپ سمجھا جاتا ہے مگر طالبان اور افغان مجاہدین نے اس میں سے بھی راستہ بنا کر حملہ کر دیا ہے۔ 16 ستمبر 2012ء کو رات دس بجے کے قریب تقریباً بیس (20) افراد پر مشتمل طالبان اور مجاہدین نے کیمپ بیسشن کی خاردار باڑھ کو کاٹ کر ایک ہی جگہ سے اندر داخل ہوئے۔ ISAF کے مطابق تمام جنگجوؤں نے امریکی فوج کی وردیاں پہنی ہوئی تھیں اور ان کے پاس آٹو میٹک ہتھیار راکٹ پروپیلڈ گرینیڈ لانچر RPG Launchers تھے اور وہ اندر داخل ہوتے ہی مختلف ٹکڑیوں (ٹیم) میں بٹ گئے۔

اور ہر ٹیم نے بیک وقت کمال اشتراک عمل کے ساتھ اپنے اپنے ہدف پر حملہ کیا۔ اندر داخل ہوتے ہی جنگجوؤں نے کوئلیشن عساکر کے ہیلی کاپٹرز اور لڑاکا طیاروں پر راکٹ حملے شروع کیے۔ امریکیوں کے مطابق ویت نام جنگ کے بعد کیمپ بیسشن پر افغان طالبان کے حملے میں سب سے زیادہ نقصان ہوا البتہ انہوں نے چھ عدد اے وی، آٹھ بی ہیریئر AV-8B تباہ کن لڑاکا طیاروں کی تباہی اور دو عدد ایسے ہی طیاروں کو شدید نقصان کی تصدیق کی اور امریکی ایئر فورس کے ایک کرنل اور ایک سارجنٹ کے مارے جانے کی بھی تصدیق کی ہے جبکہ اٹھارہ (18) مجاہدین مارے گئے، ایک زخمی حالت میں گرفتار ہوا اور ایک کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ اس حملہ کو بھی امریکی انتظامیہ نے حقانی نیٹ ورک کے ذمہ لگایا البتہ اب کے بار انہوں نے پاکستان کی آئی ایس آئی پر الزام نہیں لگایا۔ کیمپ بیسشن پر افغانیوں کے حملہ نے، امریکا، برطانیہ اور ایساف ممالک پر یہ ثابت کر دیا کہ وہ کتنا ہی مضبوط کیمپ تعمیر کریں اور اس کی کتنی ہی سیکیورٹی کریں پھر بھی وہ افغان جنگجوؤں کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ یہ حملے اپنی جگہ پر مگر نیٹو لاجسٹک کھلنے کے بعد یعنی جولائی 2012ء کے بعد سے امریکا نے مطالبہ کیا کہ شمالی وزیرستان میں فوجی آپریشن کر کے حقانی نیٹ ورک کے جنگجوؤں کے ساتھ الجھ پڑیں اور دھمکیاں دینا شروع کیں کہ اگر پاکستان نے شمالی وزیرستان میں آپریشن نہ کیا تو پھر امریکی پاکستان کی سرحدیں پار کر کے خود حملہ کریں گے۔

اس خطرہ کے پیش نظر پاکستان نے اپنے ایک خفیہ ہتھیار کا ٹیسٹ فائر کیا۔ یہ ہتھیار Multiple Launch Rocket system (MLRS) ہے۔ یہ سسٹم ایٹمی وار ہیڈ سے مسلح ہے اور ساٹھ (60) کلومیٹر تک ہدف کو ٹھیک نشانہ پر مار کرنے والا راکٹ سسٹم ہے جس کے ذریعے ایک وقت میں کئی راکٹ مختلف اہداف پر داغے جا سکتے ہیں اور دشمن کو معلوم نہیں ہو پائے گا کہ ان میں سے کون سا راکٹ ایٹمی وار ہیڈ سے مزین ہے۔ یہ ایک انتہائی موثر ہتھیار ہے جو اچانک حملہ کرنے والے دشمن کو چشم زدن میں تباہ کر سکتا ہے۔ اگست 2012ء میں 60 کلومیٹر تک مار کرنے والے ایٹمی میزائل کو ملٹی ٹیوب موبائل لانچر کے ذریعے فائر کیا گیا تھا۔ ایسے میزائلوں کو نان اسٹریٹیجک ایٹمی ہتھیار Non

کہتے ہیں یوں چین، روس، فرانس اور امریکا کے بعد Strategic Atomic Weapons پاکستان پانچواں ملک ہے جو نان اسٹریجیک ایٹمی ہتھیار بنانے والے مما لک کی فہرست میں شامل ہوگیا ہے۔ دراصل پاکستان نے Non Strategic Atomic Weapons بنانے کی صلاحیت پہلے ہی سے حاصل کر لی تھی اور 28 مئی 1998ء کو چاغی میں ایٹمی دھماکہ کر کے اسے ٹیسٹ بھی کرلیا تھا۔ چاغی میں کیے گئے پہلے تین ایٹمی ٹیسٹ دھماکوں میں تیسرا دھماکہ Non Strategic Atomic Bomb کا دھماکہ تھا جس کی وجہ سے پوری دنیا نے واویلا کیا اور انڈیا میں سراسیمگی پھیل گئی۔ انڈین قیادت اس سے پہلے پاکستان کو بدمعاش پڑوسی ملک کہہ کر اپنی ایٹمی قوت کا رعب جماتے رہے مگر 28 مئی 1998ء کے دن کیے گئے ایٹمی تجربات کے بعد انڈین قیادت بھی بوکھلا سی گئی۔ 30 مئی 1998ء کو مزید تین ایٹمی ٹیسٹ کیے گئے تھے اور یہ ٹیسٹ دھماکے مزید خفیہ ہتھیار تیار کیے جانے کے تھے جو پاکستان اب تک لازماً بنا چکا ہوگا۔ مگر انہیں ظاہر نہیں کیا گیا۔ ابھی جب کہ پاکستان پر انڈو امریکی حملہ کا خطرہ بڑھ گیا تھا تو پاک فوج نے دشمن کو پیغام دیا کہ خبردار آئندہ پاکستان کے خلاف کوئی مہم جوئی کرنے سے پہلے ہزار بار سوچ لیں کیوں کہ پاکستان نے اپنی ایٹمی صلاحیت بڑھانے کے لیے نان اسٹریٹیجک ایٹمی ہتھیار بنا لیے ہیں۔ یہ میزائل کسی بھی انڈین کولڈ اسٹارٹ Cold Start حملہ یعنی اچانک حملہ کی صورت میں یا امریکی اچانک حملہ کی صورت میں پاکستان کی طرف سے Quick Response یعنی فوری جوابی کارروائی کے طور پر استعمال کیے جا سکتے ہیں جس کے نتیجے میں انسان تو کیا ٹینک بھی پگھل جائیں گے۔ 12/11 ستمبر 2012ء کی رات کو امریکی ہوائی بیس بگرام پر طالبان کا حملہ ہوا اور پھر 16 ستمبر 2012ء کی رات کو ہلمند کے دارالخلافہ لشکرگاہ کے قریب برطانوی چھاؤنی 'کیمپ بیشن'' پر بھی طالبان کا حملہ ہوا تو اس حملہ کے دوسرے دن ہی 17 ستمبر 2012ء کو پاکستان نے ملکی سطح پر تیار کردہ 700 کلومیٹر تک مار کرنے والا ملٹی ٹیوب کروز میزائل حتف 7 بابر کا کامیاب تجربہ کیا۔ انتہائی درستگی کے علاوہ زمین کی سطح کے ساتھ کم بلندی پر پرواز کرتے ہوئے بابر کروز میزائل حتف سات، رواتی اور ایٹمی وار ہیڈ لے جانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ میزائل میں ریڈار پر نظر نہ آنے والی ٹیکنالوجی یعنی Stealth

استعمال کی گئی ہے۔ حتف سات کروز میزائل، سمندر اور زمین پر ہر قسم کے اہداف کو آسانی سے تباہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ ملٹی ٹیوب موبائل لانچر کی مدد سے ایک ہی گاڑی پر نصب متعدد میزائل بیک وقت کئی اہداف پر داغے جا سکتے ہیں۔

میزائل کی ان خصوصیات کی وجہ سے بابر کروز میزائل حتف 7 پر دشمن کے پیٹریاٹ میزائل ڈیفنس سسٹم بے اثر ہو کر رہ گیا ہے۔ یعنی پیٹریاٹ میزائل کے ذریعے بابر کروز میزائل کو نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ حتف 7 کروز میزائل کے تجربہ کے موقع پر NCA کمانڈ کنٹرول سسٹم بھی نصب کیا گیا تھا۔ اب امریکا میں صدارتی انتخابات بھی قریب آ رہے تھے اور نومبر 2012ء میں انتخابات ہوئے جس میں امریکی صدر بارک اوبامہ مزید چار سال کے لیے امریکی صدر منتخب ہوئے۔ اپنی کامیابی کے بعد امریکی صدر بارک اوبامہ نے کہا کہ اب وہ امن کو موقع دیں گے جس طرح عراق میں ابھی امریکی فوجی نہیں رہے اور وہاں سے ایک بھی امریکی فوجی کی ہلاکت کی خبر نہیں آتی، اس طرح وہ افغانستان سے بھی نکل جائیں گے اور وہاں پر بھی امن ہوگا۔ آخر امریکا کے خواب ادھورے رہ گئے۔ ہنری کسنگر کی کتاب "Diplomacy" کے صفحہ 805 میں امریکا کے اس خواب کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"For the third time in this century, America thus proclaimed its intention to build a new world order by applying its domestic Values to the world at large. The end of cold war produced even greater temptation to recast the international environment in America's image."

''بیسویں صدی میں (پہلی اور دوسری عظیم جنگوں کے بعد) اب تیسری بار بھی امریکا کے دل میں ایک ایسی نئی دنیا کو ترتیب دینے کی خواہش بیدار ہوئی جو امریکی داخلی اقدار کے مطابق ہو۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد بین الاقوامی ماحول کو امریکی تصور کے مطابق سنوارنے سے متعلق خواہش میں اضافہ ہوا۔''

امریکا نے اپنی اس خواہش کی تکمیل کی خاطر افغانستان میں جنگ کا آغاز کیا اور بعد ازاں عراق میں جنگ چھیڑ دی۔ عراق میں سے شکست خوردہ ہو کر امریکی فوجیں اخراج کر گئیں اور اب افغانستان میں بھی انہیں شکست ہو گئی ہے۔ نہ تو وہ افغانستان کو جدید ملک بنا سکے نہ ہی اس جنگ کے اختتام تک دنیا میں معاشی خوش حالی آئی البتہ دنیا کے کئی ممالک میں انسانوں کے دکھوں میں اضافہ ہوا اور معاشی بدحالی عام ہو گئی ہے۔ لیکن سابق امریکی صدر بل کلنٹن کی خواہش کچھ اور تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ ''آج کل کے خطرات اور مواقعات سے بھرپور دور میں ہمارا غالب مقصد یہ ہونا چاہیے کہ ہم (امریکا) دنیا میں مارکیٹ کی بنیاد پر بنی جمہوریتوں کو مضبوط کریں اور انہیں وسعت دیں۔''

"In the era of peril and opportunities, our over riding purpose must be to expand and strengthen the worlds community of market based democracies."

"For our dream is of a day when the opinions and energies of every person in the world will be given full expression in a world of thriving democracies that cooperate with each other and live in peace."

> ترجمہ: ''کیونکہ ہمارا خواب ایک ایسے دن کو دیکھنے کا ہے جب دنیا میں ہر شخص کی رائے اور قوتوں کو ایسے پھلنے پھولنے والی جمہوری دنیا میں کلی طور پر (کھل کر) بیان کیا جائے جس میں (قومیں) ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور امن کے ساتھ رہیں۔''

اس حکمت عملی کے تحت کام کرتے ہوئے سابق امریکی صدر بل کلنٹن نے اپنے دور صدارت میں آٹھ برس تک دنیا کے تمام ممالک کے ساتھ تجارتی روابط بڑھائے اور عظیم چین کے ساتھ تجارتی تعاون کو فروغ دینے کے لیے کوشاں رہا، جس کی وجہ سے دنیا میں امن رہا اور امریکا میں بھی معاشی استحکام رہا اور معیشت میں Growth کا عنصر غالب رہا۔ امریکی حکمرانوں میں بل کلنٹن جیسے حکمران امن کے حامی رہے اور دنیا میں تجارتی

مواقع سے استفادہ کرتے رہے جبکہ سابق امریکی صدور بش اور جارج ڈبلیو بش اور بارک اوبامہ نے جنگ کی حکمت عملی کو اپنانے کو ترجیح دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ وسائل سے مالا مال کمزور ممالک پر قبضہ کر کے ان کے وسائل لوٹ کر لے جائیں اور یوں امریکی معیشت میں بہتری لائی جا سکے۔ عراق اور افغانستان میں امریکی جنگوں سے ثابت ہوا کہ اس میں خطرات Perils زیادہ ہیں اور Oppertunities سے استفادہ ممکن نہیں ہے۔ سمجھ داری تو اس امر میں ہے کہ آج کل کے Peril and Oppertinities خطرات اور مواقعات کے دور میں خطرات سے بچا جانا چاہیے اور مواقع سے فائدہ حاصل کرنا چاہیے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے افغانستان اور عراق پر جنگ مسلط کر کے امریکی عوام اور 48' اتحادی ممالک کے عوام اور فوجوں کو خطرات کے گہرے کنوئیں میں دھکیل دیا جبکہ امریکی صدر بارک اوبامہ نے امریکی عوام اور امریکی عساکر کے علاوہ اقوام عالم کے 48 ممالک کے عوام اور عساکر کو جنگ کی آگ میں جلتے رہنے دیا۔ ایسی ہی ایک تاریخی غلطی امریکا نے ویت نام میں جنگ کو طول دے کر کی تھی۔ سابق امریکی صدر جانسن نے ویت نام کی جنگ بند کرنے کی بجائے مارچ 1965ء میں مسلسل بے رحمانہ بمباری شروع کی اور جولائی 1965ء میں مزید ایک لاکھ امریکی فوج کو ویت نام کی جنگ میں جھونک دیا اور ابھی یہاں پر پانچ لاکھ سے زائد امریکی فوجی برسرپیکار ہو گئے۔ امریکا نے اپنے ایک زیرک صلاح کار Advisor ہنری کسنگر کو ویت نام روانہ کیا تاکہ وہ حالات کا جائزہ لے کر امریکی انتظامیہ کے لیے اپنی سفارشات دے سکے۔ سائیگان میں تعینات امریکی سفیر ہنری کیبٹ لاج Henry Cabot Lodge نے ہنری کسنگر Henry Kissinger سے استفسار کیا کہ ویت نام کے خطہ کو محکوم کرنے میں کتنا عرصہ درکار ہوگا

"How long it would take to pacify the country"

ویت نام میں دو ہفتہ کی مدت گزارنے کے بعد ہنری کسنگر نے محسوس کیا کہ ہم نے (امریکا نے) اپنے آپ کو ایک ایسی جنگ میں مبتلا کیا ہے جس کا نہ ہمیں معلوم ہے کہ اسے کیسے جیتا جا سکتا ہے اور نہ ہی ہمیں معلوم ہے کہ اسے کیسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ ہم (امریکا) ایک انتہائی مہلک بمباری کی مہم میں مصروف ہیں جس کی وجہ سے پوری دنیا

ہماری مخالف ہو رہی ہے۔ مجھے کوئی بھی یہ بات ہرگز نہیں بتا سکتا کہ ویٹ نام جنگ کی امکانی بہترین نتائج حاصل کرنے کے بعد یہ جنگ کبھی ختم بھی ہوگی۔

"We had involved ourselves in a war which we knew niether how to win nor how to conclude....... we are engaged in a bombing campaign powerful enough to mobilize world opinion against us........ No one could really explain me how even on the most favourable assumptions about the war in Vietnam the war was going to end." (Nixon and Kissinger: by US Historian Robert Dallek)

افغانستان اور عراق میں امریکی مہم جوئی اور جنگ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ امریکا نے ویٹ نام کی جنگ سے کوئی سبق نہیں سیکھا۔ جو غلطی امریکا نے ویٹ نام میں جنگ کو طول دے کر کی تھی اس غلطی کو امریکا نے افغانستان میں دہرایا ہے۔ افغانستان میں مسلسل اور شدید بمباری کے کوئی سود مند نتائج حاصل نہیں کر سکے۔ امریکا نے افغانستان، پاکستان اور عراق کے خلاف جنگیں کر کے سوا دو ملین (2.25 ملین) یعنی بائیس لاکھ پچاس ہزار مسلمانوں کو قتل کیا اور اس قتال کرنے پر امریکا کو تین ٹریلین ڈالر سے زائد رقم خرچ کرنی پڑی ہے جس کا امریکا کی معیشت پر بہت بھاری بوجھ پڑا ہے۔ ابھی تک (32) بتیس امریکی ریاستوں نے دستور کے مطابق حق استعمال کرتے ہوئے ریاست ہائے متحدہ امریکا سے علیحدگی کی درخواست کی ہے۔ ان ریاستوں کے عوام کا مطالبہ ہے کہ ان کے ٹیکسوں کو استعمال کر کے بے مقصد اور بے فائدہ جنگیں لڑی گئی ہیں جب کہ عوام کو شدید معاشی مشکلات اور بے روزگاری کا سامنا ہے۔ اس لیے اپنی عوام کی خوش حالی کی خاطر امریکی انتظامیہ کی جنگی جنون کی حکمت عملی کا مزید ساتھ نہیں دے سکتے اور اس سے لاتعلق ہونے کے لیے ان 32 ریاستوں کو علیحدہ اور آزاد کیا جائے۔

امریکا نے پاکستان کے ساتھ "Gradual employment of force" یعنی بتدریج دباؤ بڑھاتے رہنے کی حکمت عملی اختیار کی ہوئی ہے۔ مگر افغانستان میں جنگ اور اب وہاں سے آبرومندانہ اخراج کی خاطر امریکا کو پاکستان کی اشد ضرورت ہے اور اب،

امریکی رویہ میں بھی لچک نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے۔ امریکی سیکریٹری خارجہ ہلیری کلنٹن نے عندیہ دیا ہے کہ امریکا نے بہت جنگیں لڑ کر دیکھا ہے مگر فائدہ کی بجائے نقصان ہوا ہے، اب امریکا نے جنگ کو ترک کر کے تجارت کی طرف توجہ دینی شروع کی ہے۔ امریکا چاہتا ہے کہ پاکستان اور افغانستان کے راستے وسط ایشیائی ممالک کی تجارتی منڈیوں تک رسائی حاصل کر لیں۔ یہ وہ خواہش ہے جو سنہ 2000ء میں امریکی انتظامیہ ڈپلومیسی کے ذریعے بھی پوری کر سکتے تھے۔ ستمبر سنہ 2001ء میں افغانستان کے طالبان حکومت کے نمائندے نیویارک میں موجود تھے اور امریکا سے مذاکرات کر رہے تھے کہ ان کی حکومت کو تسلیم کیا جائے تو وہ بلا روک ٹوک امریکا اور دیگر اقوام عالم کے لیے براستہ افغانستان تجارتی راہداری کھول دیں گے اور پاکستان کی بندرگاہوں اور راستوں کا استعمال تو امریکا کے ساتھ بہترین تعلقات کی بنا پر امریکا اور دیگر اقوام عالم کے لیے ممکن ہی تھا۔ مگر امریکی انتظامیہ کے پالیسی سازوں نے ڈپلومیسی کو رد کیا اور جنگ کا راستہ اختیار کیا۔ امریکا اور اس کے اتحادی خود بھی تباہ ہوئے اور خطہ کے دیگر ممالک، ایران، پاکستان، چین اور روس کے لیے بھی مشکلات پیدا ہوئیں اور دنیا کی اہم راہداری گیارہ برسوں تک تجارت کے لیے بند رہی۔ طویل جنگ کی تباہی کے بعد آج پھر سے ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جس پر سنہ 2001ء میں تھے۔ ابھی جب کہ امریکی انتظامیہ اور ان کے اتحادی ممالک کو ادراک ہوا کہ وسط ایشیائی جمہوری معیشتوں کو ملانے کے لیے افغانستان میں امن، سیاسی استحکام اور معاشی ترقی بہت ضروری ہے تو امریکی انتظامیہ نے جنگ اور تباہی کی حکمت عملی کو ترک کیا اور امن اور معاشی ترقی کو ترجیح دینے کی حکمت عملی اختیار کرنا بہتر سمجھا ہے۔

پاکستان کی خارجہ پالیسی کی نئی سمت:

جون 2012ء میں چین کے شہر شنگھائی میں شنگھائی تعاون تنظیم کا سربراہ اجلاس ہوا جس میں روس، چین، ایران، افغانستان اور پاکستان کے صدور نے شرکت کی۔ اس اجلاس کے دوران پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کی چین، روس، ایران اور

افغانستان کے صدور سے ملاقاتیں ہوئیں۔ چین کے صدر ہوجن تاؤ، روس کے صدر ولادی میر پیوٹن، ایران کے صدر محمود احمدی نژاد، افغانستان کے صدر حامد کرزئی اور پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کی آپس میں ملاقاتوں میں عالمی سطح پر حالیہ علاقائی صورت حال پر طویل غور وخوض ہوا اور کچھ اہم فیصلے بھی کیے گئے۔ پاکستان اور امریکا کے درمیان بھی کشیدگی کم ہو رہی ہے اور پاکستان اب بتدریج اپنی ملکی مفاد کی خارجہ پالیسی اپنانے کی طرف گامزن ہے۔ ویسے بھی امریکا نے افغانستان پر قبضہ کرنے کے بعد جنوب ایشیا کو غیر مستحکم کیا ہے جس سے افغانستان کے علاوہ چین، روس، ایران اور پاکستان سب سے زیادہ متاثر ہوئے ہیں۔ چین اور روس ابھرتی قوتیں ہیں اور ایشیا کی بڑی طاقتیں ہیں۔ موجودہ صورت حال میں پاکستان، ایران، افغانستان، چین اور روس کے مفادات مشترکہ ہیں۔ خطہ کے ان پانچ ممالک کا باہمی تعاون خطہ کے علاوہ عالمی امن کے لیے نہایت فائدہ مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ گزشتہ برسوں میں سنہ 2008ء سے 2012ء تک سابق روسی صدر دیمتری کے ساتھ پاکستان کے صدر آصف علی زرداری کی چھ ملاقاتیں ہو چکی ہیں جس کے نتیجے میں پاکستان، روس تعاون کی نئی سمت کے تعین میں اہم پیش رفت ہوئی ہے۔ علاقائی تعاون کے پروان چڑھنے والی اس سازگار فضا میں موجودہ روسی صدر ولادیمیر پیوٹن کی طرف سے تعاون کی کاوشیں پاک ، روس تعلقات میں مزید استحکام کا باعث بن گئی ہیں۔ صدر پاکستان اور چیف آف آرمی اسٹاف روس کے دورے بھی کر چکے ہیں۔ پاکستان اور روس نے توانائی، مواصلات، زراعت اور تعلیم کے شعبوں میں تعاون کو فروغ دینے کے معاہدات پر دستخط کر دیئے ہیں۔ اس کے علاوہ روس نے پاکستان اسٹیل مل کی پیداوار میں اضافہ کے لیے، اسے وسعت دینے اور جدید ٹیکنالوجی کی تنصیب کے لیے 50 کروڑ ڈالر کی سرمایہ کاری پر بھی رضامندی ظاہر کی ہے۔ روس پاکستان کو بھاشا اور منڈا ڈیموں کی تعمیر میں [illegible] ہے اور امریکا کی مخالفت کے باوجود روسی حکام نے پاکستان اور ایران کے درمیان گیس پائپ لائن کی تعمیر کے لیے مالی اور تکنیکی معاونت فراہم کرنے کا بھی عندیہ دیا ہے۔ یہ یقینی ہے کہ روس خطے کا اہم ملک ہے اور خطے میں اور عالمی سطح پر امن اور استحکام کا سبب سمجھا جاتا

ہے جب کہ چین بھی خطہ کے امن اور استحکام کے لیے کوشاں ہے۔ ستمبر 2012ء میں چین کے اعلیٰ عہدیدار کے اہم دورہ کابل کے دوران بیجنگ نے افغانستان کے ساتھ سیکیورٹی اور اقتصادی سمجھوتوں پر دستخط کیے ہیں۔ ان سمجھوتوں کو 2014ء تک نیٹو فورسز کے انخلاء سے قبل چین کا افغانستان میں اثر و نفوذ بڑھانے کے مقصد کے طور پر لیا جا رہا ہے۔ چین کے اندرونی سلامتی کے سربراہ ژو یانگ نے بھی 20 ستمبر 2012ء کو کابل کا غیر اعلانیہ دورہ کیا اور افغان صدر حامد کرزئی کے ساتھ مذاکرات کر کے باہمی تعاون کو مستحکم کیا۔ چین، روس، ایران اور پاکستان کی کوشش ہے کہ امریکا اور اس کے اتحادی افغانستان سے مکمل انخلا کریں اور 2014ء کے آخر تک تمام امریکی اور اتحادی افواج افغانستان سے نکل جائیں تو ایسی صورت میں چین، روس، پاکستان اور ایران مل کر افغانستان میں امن اور استحکام کو یقینی بنائیں۔ یہ صورت حال نہایت خوش آئند ہے۔ اس طرح پاکستان بھی آزاد خارجہ پالیسی اپنانے میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہو سکتا ہے اور اقوام عالم کے ساتھ برابری کی سطح پر تعلقات استوار کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔

بلوچستان کا مسئلہ اور مرکز کی چشم پوشی:

2002ء میں امریکا نے انڈیا اور اسرائیل کو افغانستان میں پہنچا دیا۔ انڈیا اور اسرائیل نے امریکی مفاد کی پروا نہیں کی۔ انہوں نے اپنے قومی مفاد کی تکمیل کے لیے پاکستان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ شروع کی۔ 2004ء تک انڈیا نے مالاکنڈ ڈویژن، وزیرستان ایجنسی اور صوبہ خیبر پختون خوا کے دیگر سرحدی علاقہ جات میں اپنے ایجنٹوں کے ذریعے تخریب کار نیٹ ورک مستحکم کیا۔ حکومت پاکستان نے آنکھیں بند کیے رکھیں اور معاملے کو قالین کے نیچے (Under the Carpet) ڈالتی رہی۔ دوسری جانب بلوچستان میں انڈیا نے مختلف مقامات پر منظم گروہ تیار کیے اور انہیں مسلح کیا اور ورغلا کر پاکستان کے خلاف دہشت گردی کے لیے تیار کیا۔ گزشتہ ساٹھ سال سے حکومت پاکستان نے بلوچستان کو پس پشت ڈالا ہوا تھا اور یہ صوبہ پس ماندہ رہا۔ اس کے اوپر ستم در ستم یہ کہ بلوچستان کے وسائل کو لوٹنے کے لیے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ ایک مرتبہ میں آزاد کشمیر گیا۔ باغ

کی طرف جاتے ہوئے دھیر کوٹ نام کی ایک وادی سے گزر ہوا۔ یہ ایک چھوٹی سی وادی ہے مگر یورپ کے ملک سوئٹزرلینڈ سے مماثلت رکھتی ہے۔ گاڑی روک کر کافی دیر تک وادی کی خوب صورتی سے محظوظ ہوا۔ واپس آ کر ایک دوست کے ساتھ صلاح کی کہ دھیر کوٹ میں زمین کا قطع لے کر وہاں پر ایک چھوٹا سا ٹھکانہ بنایا جائے۔ اتفاق سے میرے دوست کرنل (ر) الطاف حسین ملک کشمیری ہیں۔ کہنے لگے کہ میں (کرنل الطاف ملک) تو زمین لے سکتا ہوں کیونکہ میرے بزرگ کشمیر سے ہجرت کر کے پنجاب میں آئے مگر ہگٹی آپ وہاں پر زمین نہیں خرید سکتے۔ آزاد کشمیر کے لیے قانون ہے کہ غیر کشمیری وہاں پر زمین نہیں لے سکتا۔ اگر آزاد کشمیر کے متعلق حکومت نے ایسا قانون بنایا تو گوادر اور اس کے مضافات کی زمین کے متعلق بھی اس نوعیت کا قانون بن سکتا ہے تاکہ بلوچستان کے عوام کو تسلی ہو سکے کہ گوادر کو کراچی آئیز (Karachise) نہیں کیا جا سکے گا۔ گوادر بندرگاہ کی توسیع اور ترقی ہوئی تو کراچی کے مہاجرین اور دیگر صوبوں کے لوگوں نے زمین خرید کر اس نئی Oportunities کے شہر میں آباد ہونے کا بندوبست کیا۔ گوادر بلوچستان کی سرزمین پر واقع ہے اور بلوچستان کے باسیوں نے اس پر امیدیں وابستہ کی ہوئی ہیں۔ بلوچستان کی ترقی اور تعمیر پر خرچ کرتے وقت دیگر صوبوں کی انتظامیہ اعتراض کرتی ہے کہ بلوچستان کو آبادی کے حساب سے فنڈز کا حصہ ملنا چاہیے۔ جب بلوچستان کے اندر روزگار کے مواقع پیدا ہوں تو دیگر لوگ ان پر قبضہ کریں اور بلوچستان کے عوام کے لیے قلیوں، مزدوروں اور گھریلو نوکروں کی آسامیاں تجویز کریں جبکہ بہتر مواقع پر دیگر صوبوں کے بااثر اور امیر لوگ قبضہ کریں۔ یہ نامناسب ہے۔

بلوچستان کے رہنماؤں، انٹیلی جینشیا اور عام آدمی کے کچھ اس قسم کے احساسات ہیں۔ یہ لوگ اپنے صوبے کے وسائل کے متعلق نہایت حساس ہیں۔ بلوچستان صوبہ وسائل کے لحاظ سے مالا مال ہے۔ کوئٹہ کے شمال میں شہ رگ میں کوئلے کا وسیع ذخیرہ ہے جس میں کان کنی کی جا رہی ہے۔ شہ رگ اور گردونواح کے دیہات کے لوگ کہتے ہیں کہ یہ پراجیکٹ ان کے لیے دبئی ہے۔ ہر مزدور کو ماہانہ کثیر اجرت ملتی ہے جس کی بدولت اگر انہیں دبئی جانے کا آپشن دیا جائے تو اسے رد کریں گے۔ شہ رگ اور

گردونواح کے عوام خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔ اسی طرح بلوچستان میں سونا، چاندی، پلاٹینم، یورینیم، تانبا اور دیگر معدنیات کے وسیع ذخائر ہیں۔ بلوچستان کے عوام کا صرف اتنا مطالبہ ہے کہ یہ وہاں کے باسیوں کا حق ہے کہ اپنے علاقے میں معدنیات کے سلسلے میں ہر سطح پر ان کو روزگار دیا جائے۔ اپنے اس حق کو حاصل کرنے کے لیے کئی دہائیوں سے بلوچستان کے عوام پرامن جدوجہد کرتے رہے۔ 1968ء میں جب میں سندھ یونیورسٹی میں ایم اے سیاسیات کا طالب علم تھا تو کراچی میں جناب میر غوث بخش خان بزنجو مرحوم سے ملاقات ہوئی۔ جناب میر غوث بخش خان بزنجو بلوچستان کے ایک تعلیم یافتہ، روشن دماغ اور سلجھے ہوئے انسان دوست سردار تھے۔ گفتگو کے دوران انہوں نے جن حقوق کو حاصل کرنے کا ذکر کیا وہ سارے کے سارے حقوق دینے حکومت پاکستان کے لیے آسان تھے۔ جناب میر غوث بخش بزنجو کا اصرار تھا کہ بلوچستان کے عوام کے لیے تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع پیدا کرنا حکومت کے لیے مشکل نہیں۔ اگر بلوچستان کی معدنیات کو حاصل کریں تو اس سے ایک طرف تو مائننگ کرنے کے لیے بھی وہاں کے لوگوں کو نوکریاں دی جا سکتی ہیں اور ان کو روزگار مل سکتا ہے تو دوسری طرف اربوں روپوں کی آمدنی سے بلوچستان کے عوام کے لیے بہتر تعلیم، صحت اور روزگار کا بندوبست کیا جا سکتا ہے اور پاکستان کے دیگر صوبوں کے لیے بھی کافی رقم بچ سکتی ہے۔ یہ کام حکومت کے لیے مشکل نہیں۔ لیکن حکومت پاکستان بلوچستان کے وسائل حاصل کر کے لے جائے اور بلوچستان کے عوام کے لیے کچھ بھی نہ کریں تو پھر بلوچستان کے عوام اور رہنما اور سردار اس کی اجازت نہیں دیں گے۔ 1960ء کی دہائی میں حکومت پاکستان نے شہ رگ کے علاقے میں منرل ڈیپارٹمنٹ کا ایک بڑا کامپلیکس بنایا جس میں دفاتر، لیبارٹریز، رہائشی بنگلے، کوارٹر، سکول، ہسپتال، ڈاک خانہ اور دیگر تمام ضروریات مہیا کی گئیں۔ گزشتہ پچاس برسوں سے یہ کامپلیکس مکمل تیار ہے اور غیر آباد پڑا ہے۔ حکومت پاکستان نے اس پراجیکٹ کے لیے فنڈز مہیا نہیں کیے نہ ہی عملہ تعینات کیا۔ مائننگ کا یہ منصوبہ جوں کا توں پڑا ہوا ہے۔ بلوچستان کے ساتھ مرکزی حکومت کے رویے کی یہ ایک مثال ہے۔

ارسطو کا کہنا ہے کہ اگر معاشرے کے ایک طبقے کو پس ماندہ رکھا جائے تو پس ماندہ طبقے کے لیے انقلاب کے سوا کوئی اور راستہ نہیں رہ جاتا۔ بلوچستان کے متعلق حکومتی کوتاہیوں کا کچھ یہ ہی حال ہے۔ 1971ء میں انڈیا نے مشرقی پاکستان کے عوام کی غربت اور پس ماندگی کو Exploit کر کے وہاں کے عوام کو بغاوت کے لیے تیار کیا۔ اس بغاوت کو تقویت دینے کے لیے انڈیا نے چالیس ہزار فوجی سادہ لباس میں پہنچا دیئے۔ انڈین فوجیوں نے مشرقی پاکستان میں قتل و غارت گری، لوٹ مار اور عصمت دری کی انتہا کر دی۔ مرکز میں پاکستان کی قیادت نے اس ساری صورت حال کا ملبہ مشرقی پاکستان کے سیاسی رہنماؤں پر ڈال دیا اور ملٹری آپریشن کیا۔ نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا۔

2006ء تک بلوچستان میں گڑبڑ ہوتی رہی۔ گاہے بگاہے کوئٹہ میں دھماکے ہوتے رہے۔ اس کے علاوہ سوئی اور بلوچستان کے دیگر علاقوں میں بھی اکثر و بیش تر دھماکے ہوتے رہے۔ بلوچ سرداروں سے ان کے حقوق کے متعلق مذاکرات ہوئے اور پھر حکومت طے شدہ معاملات میں پس و پیش کرتی رہی۔ بلوچوں کا پہاڑوں میں جا کر بیٹھنا شدید ناراضگی کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس کے علاوہ کئی برے نتائج کی غمازی بھی ہے۔ حکمرانوں کو چاہیے تھا کہ بلوچ سرداروں کو منا لیتے اور انہیں راضی کر کے بلوچستان کے عوام کو حقوق دے دیتے۔ ان کی کوئی ذاتی دشمنی تو نہ تھی۔ جہاں تک بلوچستان میں گڑبڑ کی بات ہے تو حکومت کو اچھی طرح ثبوتوں کے ساتھ علم ہے کہ یہ کام افغانستان کی ایجنسی خاد اور انڈیا کی ایجنسی را کر رہی ہے۔ اس لیے ان کے تیار کردہ جنگ جوؤں کا تعاقب کر کے انہیں تباہ کرنا چاہیے مگر حکومت نے بلوچ سردار کی حویلی کو نابود کیا اور پہاڑوں میں اس کا تعاقب کر کے بلوچوں کا خون بہایا اور سردار کو بھی قتل کیا۔ اپنے ہی عوام کے ساتھ، قابض انگریزوں کی طرح کا سلوک کرنا نہایت نامناسب ہے یہ سب کچھ کرنے کے باوجود بلوچستان اندر ہی اندر سلگ رہا ہے۔ بلوچستان مسئلے کا صرف ایک ہی حل ہے۔ وہاں کے عوام کے ساتھ کی گئی زیادتیوں کی نشان دہی کی جائے۔ بلوچستان کے عوام کے حقوق کی نشان دہی کرنا اور ان کا واضح ازالہ کرنا جو کہ عوام کو نظر بھی آئیں اور

وہ محسوس بھی کر سکیں کہ یہاں ان کو برابر اپنے حقوق مل رہے ہیں۔

بلوچستان سلگ رہا ہے:

وسط ایشیا اور جنوب مغربی ایشیا پر قبضہ کرنے کی کوشش روس کے زار پیٹر اعظم نے شروع کی تھی جو کہ زار پیٹر اعظم کے بعد بھی انیسویں صدی کے وسط تک جاری رہی۔ روس کی توسیع پسندی کی راہ میں اس پورے عرصے میں بھی افغانستان کی سنگلاخ پہاڑی سرزمین اور بہادر پٹھان عوام حائل ہو گئے تھے۔ یوں روس کو بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی نہ مل سکی۔ پھر برطانیہ نے اپنی نوآبادی انڈیا سے افغانستان کی طرف توسیع کی اور بلوچستان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بیسویں صدی کے اوائل ہی سے برطانیہ کو ہندوستان میں مشکلات کا سامنا ہوا۔ بالآخر 1947ء میں برطانیہ کو انڈیا اور پاکستان کو آزادی دینا پڑی اور یوں برطانیہ اور روس کے درمیان افغانستان اور ایران کے متعلق کش کمش ختم ہو گئی مگر گرم پانیوں تک روس کی رسائی کی جستجو ختم نہ ہوئی۔ 1970ء کی دہائی میں پاکستان کے وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے روس کے لیے براستہ افغانستان بحر ہند تک رسائی دینے کے لیے گفت وشنید شروع کی تھی تاکہ افغانستان اور پاکستان کی علاقائی سالمیت اور خودمختاری کو برقرار رکھتے ہوئے روس کو تجارت کے لیے راستہ دے دیا جائے۔

جولائی 1977ء میں فوجی بغاوت کر کے جنرل ضیاء الحق نے ذوالفقار علی بھٹو کو قید کر کے بعدازاں تختہ دار پر چڑھا دیا اور اپنے آپ پاکستان کا مختار کل حکمران ہو کر امریکی ایجنڈے کے تحت افغانستان میں روس کے ساتھ پاکستان کو الجھا دیا۔ اس وقت بھی حکومت پاکستان کی طرف سے پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ روس گریٹر بلوچستان بنانا چاہتا ہے اس لیے روس کا افغانستان سے اخراج پاکستان کے حق میں بہتر ہے۔

1980ء کی دہائی میں پاکستان روس کے ساتھ الجھا ہوا تھا اور امریکی حمایت یافتہ مجاہدین افغانستان میں روس کے ساتھ جنگ میں مصروف تھے۔ ان دنوں میں بلوچستان اور صوبہ خیبر پختون خواہ پاکستان کے سب سے زیادہ پرامن علاقے تھے۔ سندھ میں ایک طرف سندھو دیش کی تحریک چل رہی تھی تو دوسری طرف ڈاکو راج تھا۔ پنجاب میں بھی

انتہائی بدامنی تھی اور ڈکیتیاں عروج پر تھیں جبکہ صوبہ بلوچستان اور صوبہ سرحد کے طول و عرض میں مثالی امن و امان تھا۔ 1980ء کی دہائی میں فاٹا اور صوبہ بلوچستان میں کہیں بھی علیحدگی پسندی کی تحریک نہیں تھی۔ اس سے واضح ہے کہ روس کی طرف سے پاکستان کے اندرونی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوئی۔ روس کے افغانستان سے اخراج کے بعد افغانستان میں خانہ جنگی رہی جو نئی ملینیئم تک جاری رہی۔ نئی ملینیم کے پہلے برس یعنی 2001ء میں طالبان حکومت کے نمائندے نیویارک میں موجود تھے اور واشنگٹن کے ساتھ ایک معاہدہ ہونے کے انتظار میں تھے تاکہ ان کی حکومت کو تسلیم کیا جائے تو وہ افغانستان کے راستے امریکی تجارت کھول دیں گے۔ مگر امریکی پالیسی سازوں کی نیت کچھ اور تھی اور امریکی انتظامیہ مظلوم افغان عوام کے متعلق کچھ اور فیصلہ کر چکی تھی۔ یہ وہ فیصلہ تھا جس کے متعلق پیٹر ہاپکنز نے اپنی تصنیف ''گریٹ گیم'' میں نشان دہی کی تھی۔ اس گریٹ گیم کے خدوخال بالآخر 2006ء میں امریکا کے رسالے یو ایس آرمڈ فورسز جرنل کے جون کے شمارے میں رالف پیٹرز نے نمایاں کیے۔

اس مضمون میں گریٹر بلوچستان کی سرحدیں کچھ اس طرح وضع کی گئیں کہ مغرب میں (Persian Gulf) خلیج فارس میں ایرانی بندرگاہ پورٹ عباس کو شامل کر کے ایک خط کھینچا گیا جو کرمان سے ہوتے ہوئے مشہد کے جنوب سے ہو کر ترکمانستان سے جا ملتا ہے اور ترکمانستان کے ساتھ تقریباً ایک سو کلومیٹر تک کی ایک سرحدی پٹی بھی بلوچستان کو ملاتی ہے۔ یوں ایران کے صوبہ کرمان اور صوبہ زاہدان گریٹر بلوچستان میں شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح ایران کی بندرگاہ چاہ بہار اور بندر عباس گریٹر بلوچستان میں آ جاتے ہیں۔ ادھر پاکستان کے شہر نوشکی کی سیدھ میں سے ایک لائن کھینچی گئی ہے جو قندھار سے گزرتی ہوئی افغانستان، ایران اور ترکمانستان کی سرحدوں کے سنگم کے قریب ترکمانستان کے ساتھ جا ملتی ہے جبکہ پاکستان کا صوبہ بلوچستان، پنجاب کا مغربی ضلع ڈیرہ غازی خان، خیبر پختونخواہ کا جنوبی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، صوبہ سندھ میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے کو سرحد بناتی ہوئی پورے مغربی صوبہ سندھ اور کراچی ضلع کو بھی بلوچ آبادی ہونے کے ناطے گریٹر بلوچستان میں ظاہر کیا گیا ہے۔ یوں بلوچوں کے زیر آباد

سرزمین میں میدانی، صحرائی اور پہاڑی علاقوں کے علاوہ سمندر کے ساتھ ایک ہزار کلومیٹر سے بھی زیادہ ساحلی پٹی بھی ہے۔ اسٹریٹیجک اہمیت کے بندرگاہ بھی بلوچستان کے نقشہ میں دکھائے گئے ہیں۔ اور بین الاقوامی اہمیت کی راہ گزر گریٹر بلوچستان میں ہے۔ جو براہ راست ترکمانستان سے ہوتے ہوئے روس کے شہر ماسکو اور یورپ تک جاتا ہے۔ اگر نیا ملک (گریٹر) بلوچستان بن جاتا ہے تو نہ صرف معاشی طور پر فعال ہوسکتا ہے بلکہ ایک عظیم ترقی یافتہ خوش حال ملک بھی بن سکتا ہے۔ بلوچوں کی زیرِ آبادی اس مجوزہ ملک میں سونا، چاندی، پلاٹینم، یورینیم، تانبا اور دیگر دھات کے وسیع ذخائر کے علاوہ تیل اور گیس کے بھی وسیع ذخائر ہیں۔ بلوچوں کے خطہ زمین میں بارانی دریا اور مستقل دریا بھی ہیں جن پر ڈیم بنا کر پانی کو ضائع ہونے سے بچایا جاسکتا ہے اور نہایت زرخیز زمین کو آباد کیا جاسکتا ہے۔ وسیع ساحل ہونے کی وجہ سے آبی حیات اور مچھلیاں وافر مقدار میں حاصل ہوسکتی ہیں اس لیے خوراک میں خودکفیل ہونے کے ساتھ بے شمار دولت حاصل کرنے کے لیے معدنیات موجود ہیں۔ اپنے مضمون میں رالف پیٹرز نے کچھ اس طرح منظر کشی کی ہے کہ گریٹر بلوچستان کا دنیا کی سیاست میں اہم کردار ہوگا اور یہ ایک امیر ترین ملک ہوگا جہاں بلوچ عوام آسودہ زندگی گزار رہے ہوں گے۔ گویا یہ ملک بلوچ قوم کے خوابوں کی جنت ہوگا۔ اس خواب کو حقیقت بنانے میں امریکا اور اس کے اتحادیوں نے بڑی رازداری اور محنت سے کام کیا اور ہماری ناعاقبت اندیش قیادت نے امریکا اور یورپی ممالک کے جاسوسوں کو اپنی مذموم کارروائیاں کرنے کی کھلی اجازت دے رکھی ہے۔

بلوچ قوم کی ایک باوقار ماضی کی تاریخ ہے۔ ابن ہشام نے سیرت النبی ﷺ میں لکھا ہے کہ ملکہ صبا کے ملک یمن میں ازد قبیلہ آباد تھا۔ قبیلہ کے سردار عمرو بن عامر سد معارب ڈیم کو زوال پذیر جان کر یمن سے ہجرت کر کے شام میں آباد ہوا تو ازد قبیلہ کے دیگر لوگ بھی شام، بحرین اور جنوبی ایران میں ہجرت کر کے آباد ہوئے۔ ازد قبیلہ بلوچ قوم کے آباؤاجداد ہیں۔ جنوبی ایران میں آباد بلوچوں کا علاقہ کرمان سے لے کر قندھار تک سندھ کی سلطنت میں موجودہ پاکستان میں شامل تھا۔ اس علاقہ میں سلطنت ایران کی سلطنت سندھ کے ساتھ جنگیں ہوتی رہیں۔ ساتویں صدی عیسوی میں سندھ کے راجہ چچ

نے بلوچ قوم کی سرزمین کرمان سے لے کر قندھار تک جس میں کیچ، مکران، خاران، سبی، ژوب اور لس بیلہ ہیں کے تمام علاقہ کو اپنی سلطنت میں شامل رہنے کو یقینی بنایا اور اس وسیع علاقہ کو سیوستان کے صوبہ میں شامل کیے رکھا۔ ساتویں صدی عیسوی میں سندھ کی سلطنت کے سات صوبے تھے۔ ہر ایک صوبہ کا حکمران راجہ کہلاتا تھا اور مرکز میں سلطنت کا حکمران رائے کے لقب سے حکومت کرتا تھا۔ رائے بھی ایک صوبے کا براہ راست حکمران ہوا کرتا تھا۔ پندرھویں ہجری میں خلیفہ عمرؓ کے دور خلافت میں عربوں نے ایران فتح کیا تو سندھ میں کوہ سلیمان کے مغرب تک کا تمام علاقہ یعنی ہلمند، قندھار، کرمان، مکران، کیچ خاران اور لسبیلہ کا علاقہ عربوں نے راجہ چچ سے چھین لیا اور اسے ولایت سندھ کا نام دے کر اپنا گورنر مقرر کیا۔ حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں ولایت سندھ کے عرب گورنر عبداللہ بن عامر تھے۔

ولایت سندھ سے عربوں کی سندھ کی افواج سے جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ لسبیلہ (ارمابیل) کا قلعہ کبھی عربوں کے پاس ہوتا تو کبھی راجہ چچ اور بعد میں راجہ چندارا اور راجہ داہر کی حکومت میں آجاتا تھا۔ عربوں کی ولایت سندھ پر قبضہ کرنے کے بعد کئی بلوچ قبیلے یہاں پر آ کر آباد ہوئے۔ یوں ولایت سندھ (موجودہ گریٹر بلوچستان) میں بلوچوں کی کثرت آبادی ہوئی۔ عرب سلطنت کے زوال کے بعد پوری اسلامی سلطنت کئی ممالک میں بٹ گئی اور بلوچوں کی سرزمین میں بلوچوں کی حکومت بنی رہی۔ بلوچوں کی حکومت میں بلوچستان کے ساتھ افغانستان اور ایران کی جنگیں ہوئیں اور بلوچستان کی سرزمین بھی سکڑ گئی۔ آخری بلوچ حکمران میر چاکر خان رند یعنی چاکر اعظم تھے۔ سولہویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کی میر گہرام خان لاشاری کے ساتھ جنگ ہوئی جس میں میر بالاچ خاں نے بھی لاشاری سردار کا ساتھ دیا۔ اس 30 سالہ خانہ جنگی نے بلوچستان کی مرکزی حکومت کو ختم کیا اور یہ ملک مختلف قبائل کے سردار کے زیر دست چھوٹے چھوٹے علاقوں میں بٹ گیا۔ بیرونی خطرہ کی صورت میں البتہ سارے بلوچ سردار مل کر مقابلہ کرتے تھے اس لیے ابھی تک ان کا وجود باقی ہے۔

1947ء میں سردار محمد اکبر خان بگٹی کی کاوشوں سے ایک جرگا ہوا جس میں تمام

بلوچ سرداروں کی شرکت ہوئی اور اس جرگے میں قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت پر یقین کرتے ہوئے بلوچستان کو پاکستان میں شامل کیا گیا۔ بعد میں Princely States کے حکمرانوں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے لیے Instrument of accesion پر دستخط کیے تو بلوچستان کے Princely States نے بھی ایسا کیا اور پاکستان کے ساتھ الحاق کیا۔ اس پس منظر کے ساتھ بلوچستان اب پاکستان کا ایک صوبہ ہے۔ مگر گزشتہ باسٹھ برسوں سے بلوچ عوام کو ان کے جائز حقوق سے محروم کیا گیا۔

مشرق وسطیٰ، ایران، افغانستان، پاکستان اور ترکی کے متعلق امریکا نے ایک نئی حکمت عملی اپنائی ہے جس کے مطابق کسی تیسری عظیم جنگ کی تباہی سے بچتے ہوئے جدید نوآبادیاتی نظام کے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے امریکا نے یورپ کے تمام ممالک اور اپنے زیر قبضہ اور زیر اثر ممالک کو ساتھ ملا کر اتحادی کے نام سے ایک عسکری قوت بنا لی ہے جس کی طاقت کو استعمال کر کے قدرتی وسائل سے مالا مال ایشیا کے ان تمام ممالک پر ایک وقت میں قبضہ کرنے کے بجائے ان پر ایک ایک کر کے قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔ امریکا چاہتا ہے کہ ایران، عراق اور ترکی میں بٹا ہوا کردستان ایک آزاد ملک بن جائے تاکہ اس خطہ زمین کے بے تحاشا تیل اور معدنیات پر قبضہ کر کے لوٹ کر لے جائے۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے امریکا نے اتحادیوں سمیت عراق پر عسکری یلغار کر دی۔ دس لاکھ سے بھی زیادہ عراقی مسلمان قتل کرنے کے باوجود امریکا، ترکی اور ایران سے کردستان کو الگ نہ کر سکے۔ نہ ہی عراق میں آزاد کردستان بنا سکے جب کہ عراق پر تو امریکا کا مکمل قبضہ تھا۔ آخر کار مار کھا کر نامراد ہو کر عراق سے انخلا کر گئے۔

امریکا نے اسرائیل کو لبنان پر حملہ کرنے کے لیے عسکری اور مالی وسائل دیے اور جنگ کرنے کے لیے مکمل پشت پناہی کی۔ جون 2006ء میں منصوبہ کے مطابق اسرائیل نے لتانی دریا تک لبنان کی جنوبی زراعتی سرزمین پر ہمیشہ کے لیے قبضہ کرنے کے لیے حملہ کیا مگر سید حسن نصر اللہ کی ملیشیا نے انہیں ایسی شکست دی کہ اسرائیل کی طاقت کی قلعی کھل گئی۔ اب امریکا کو بھی یقین ہو گیا کہ علاقہ میں اسرائیل کی بدمعاشی ختم

ہوگئی۔ دنیا بدل گئی ہے اور اسرائیل کو اپنے دفاع کی فکر کرنی چاہیے اس لیے اب امریکا نے اسرائیل کو جارحی ہتھیار دینے بند کر دیئے ہیں۔ امریکا نے افغانستان، ایران اور پاکستان میں بٹے ہوئے بلوچستان کو الگ کر کے ایک نیا ملک گریٹر بلوچستان کے نام سے بنانا چاہا تا کہ اس خطہ کے وسیع معدنی وسائل سے مستفید ہو سکے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے اکتوبر 2001ء میں افغانستان پر قبضہ کیا۔ امریکا نے ایران اور پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے اربوں ڈالر خرچ کیے تا کہ ضرورت کے وقت اپنے خاص افراد کے ذریعے ان ممالک میں خانہ جنگی کروائی جائے مگر دس برس گزرنے کے باوجود امریکا نہ تو ایران میں خانہ جنگی کروا سکا، نہ ہی پاکستان میں ایسا کرنے میں کامیاب ہو سکا۔ پاکستان میں امریکا نے اپنے ایجنٹوں کو نیٹو لاجسٹک کے کنٹینروں کے ذریعے بے تحاشا اسلحہ اور گولہ بارود بہم پہنچایا جس کے نتیجے میں چھتیس ہزار سے بھی زیادہ بے گناہ پاکستان شہری ہلاک ہوئے مگر پاکستان میں خانہ جنگی کی حکمت عملی ناکام ہوگئی۔ افغانستان میں امریکا اور اس کے اتحادیوں نے چند بڑے شہروں پر قبضہ کیا مگر پورے افغانستان پر ان کا قبضہ نہ ہو سکا۔ پاکستان نے امریکی عزائم کا شروع سے ہی اندازہ کر لیا تھا اس لیے مجاہدوں کے صوبہ ہلمند پر قبضہ کو نیک شگون تصور کیا گیا۔ کیا مجاہدوں نے اپنے آپ ہی یہ فیصلہ کیا کہ وہ ہلمند صوبہ پر 2002ء ہی میں قبضہ کر لیں تا کہ امریکا کا گریٹر بلوچستان بنانے کا منصوبہ ناکام ہو جائے یا ایسا کرنے کے لیے ان کو کسی طاقت کی پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ ایک طویل موضوع ہے مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ جنوبی افغانستان میں پاکستان کی سرحدوں سے لے کر ترکمانستان تک کا علاقہ افغان مجاہدین کے قبضہ میں ہے اور افغان بلوچ بھی ان مجاہدین کے ساتھ شامل ہو کر امریکا کے خلاف لڑ رہے ہیں۔

- 2011ء میں امریکی نائب صدر جو بائیڈن نے افغانستان میں امریکی اور اتحادی عساکر کے کمانڈر جنرل میک کرسٹل کو جنوبی افغانستان پر قبضہ کرنے کا حکم دیا تا کہ وہاں پر بلوچستان بنایا جا سکے مگر جنرل میک کرسٹل نے کہا کہ نائب صدر کا منصوبہ مسائلستان بنانے کے سوا کچھ نہیں اور امریکا کو اس سے کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں۔ جنرل میک کرسٹل کو ہٹایا گیا مگر بعد میں کوشش کے باوجود ہلمند پر امریکی اور اتحادی افواج

قبضہ برقرار نہ رکھ سکیں۔ البتہ اس مہم میں امریکی اور اتحادی عساکر کا کافی جانی نقصان ہوا۔ اب افغانستان پر قبضہ کرنے کے باوجود امریکا اپنی تمام طاقت کا استعمال کر کے بلوچستان کو افغانستان سے الگ نہ کر سکا تو پھر پاکستان اور ایران سے کیسے الگ کر سکتا ہے۔ واضح ہے کہ امریکا بلوچ عوام کو سراب دکھا رہا ہے۔ 2006ء کے پورے برس میں ڈیرہ بگٹی اور کوہلو میں جنرل پرویز مشرف نے بلوچ عوام کا قتل کیا اور سردار محمد اکبر بگٹی کو شہید کیا تب امریکا کہاں تھا؟ تاریخ نے ثابت کیا ہے کہ امریکی سوڈان میں دارفور اور مشرقی تیمور میں بھی عیسائیوں اور فلسطین میں یہودیوں کی آزاد مملکت بنوا سکتے ہیں مگر فلسطین اور کشمیر میں مسلمانوں کے لیے حق خود ارادیت کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بے شک وہاں پر ہندو اور یہودی نسل پرست مسلمانوں کا قتل عام ہی کرتے رہیں۔ یہ سب اپنی جگہ مگر ہمیں ایک قوم کی حیثیت سے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ ہم نے بلوچستان کے ساتھ بے شمار زیادتیاں کی ہیں۔ کیا ان کے ازالہ کے لیے تیار ہیں۔ بلوچستان کے عوامی نمائندے مرکز میں حکمران جماعت کے اتحادی ہیں۔ صوبہ بلوچستان کے ان نمائندوں کے کتنے مرکزی وزیر ہیں جب کہ ایک اقلیتی لسانی سیاسی جماعت جس کی نمائندگی سندھ کے ایک شہر تک محدود ہے ان کے کتنے وزیر ہیں۔ اس طرح مرکز اور صوبہ بلوچستان میں اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز کتنے بلوچ ہیں۔ بلوچستان کے لیے اعلیٰ سرکاری عہدوں کے لیے ماضی میں ساڑھے تین فی صد کوٹہ تھا جس کو بڑھا کر پانچ فیصد کیا گیا۔

کیا یہ انصاف ہے؟ گوادر بندرگاہ کے تمام مواقعات Oppertunities کو کراچی اور ملک کے دیگر سیٹھوں میں بانٹ دیا گیا۔ وہاں پر اعلیٰ عہدوں پر بھی غیر بلوچی تعینات ہیں جبکہ سونا، چاندی، تانبہ، پلاٹینم وغیرہ کے ذخائر غیر ملکیوں کو کوڑیوں کے بھاؤ ٹھیکہ پر دیئے گئے ہیں۔ ان ذخائر پر اعلیٰ عہدوں پر کارندے غیر بلوچی ہیں۔ یہ تمام ناانصافیاں ختم کرنی ہوں گی۔ بلوچ عوام میں آسودگی لانی ہوگی۔ بلوچ عوام اور سردار محمد اکبر خان بگٹی کے قاتلوں کے ٹولے کو پکڑ کر لانا ہوگا اور ان پر مقدمات چلا کر بلوچوں کو انصاف دینا ہوگا۔ جب تک بلوچ عوام کو ان کے حقوق نہیں ملیں گے تب تک سرزمین

بلوچستان کے وسائل زیر زمین دفن رہیں گے۔ عظیم دولت کے موجود ہونے کے باوجود پاکستان اس سے محروم رہے گا۔ اس لیے ضروری ہے کہ بلوچستان کے معاملہ کو اولیت دی جائے اور مسائل حل کیے جائیں۔ پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے۔ مزید لاپرواہی بے حد خطرناک ہو سکتی ہے۔

پاکستان کی خودمختاری اور بلوچستان کا معاملہ:

دورِ حاضر میں معیشت، خودمختاری اور قومی ہم آہنگی کے معاملات میں پاکستان کی تعمیر نو میں مصروف ہے۔ اس کاوش میں حکومت کے ساتھ حزب اختلاف اور دیگر سیاسی جماعتیں تعمیری مفاہمت کر رہی ہیں۔ جنرل محمد ایوب خان، جنرل یحییٰ خان، جنرل ضیاء الحق اور جنرل پرویز مشرف نے کیوں کر فوجی بغاوتیں کی ہیں یہ سب پر عیاں ہو چکا ہے۔ انہوں نے حکومت پر قابض ہو کر امریکی ایجنڈے پر عمل درآمد کر کے ملک کو اس نہج پر پہنچا دیا کہ آج امریکی سیکریٹری خارجہ ہلیری کلنٹن صاحبہ فرماتی ہیں کہ اگر پاکستان نے اپنے قومی مفاد کی خارجہ، داخلی اور معاشی پالیسیاں اپنائیں تو پاکستان پر امریکا کی جانب سے سخت ترین پابندیاں عائد کی جائیں گی اور پاکستان کی کمزور معیشت ڈھیر ہو جائے گی۔ ساتھ ہی پاکستان میں موجود اپنے پروردہ لوگوں کے ذریعے پاکستانی عوام کو خوف زدہ کرنے کی بھرپور مہم اور کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ایسی ہی ایک مہم اس وقت چلائی گئی تھی جب مئی 1998ء میں پاکستان نے ایٹمی دھماکہ کر کے اپنی ایٹمی قوت کو دنیا پر ظاہر کیا تھا۔ چودہ برس گزر جانے کے باوجود امریکا بہادر کی پابندیاں ابھی تک عائد ہیں پھر بھی پاکستان قائم ہے اور ایٹمی معاملہ کو ترقی دی جا رہی ہے۔

ابھی بلوچستان کے متعلق امریکا نے ہنگامہ کھڑا کیا ہوا ہے اور کانگریس میں قرار داد لائے ہیں جو کہ اقوام متحدہ کے چارٹر کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔ بلوچستان میں ہر ڈکٹیٹر نے بلوچ عوام کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں۔ جنرل ایوب خان نے خان آف قلات کے خلاف فوج کشی کی تھی مگر سب سے زیادہ نقصان جنرل ضیاء الحق نے کیا۔

جنرل ضیاء الحق کے دور حکومت میں راقم خود فوج میں کیپٹن، میجر اور کرنل کے عہدوں پر رہا۔

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو تختہ دار پر پہنچانے کے ساتھ ضیاء الحق نے افغانستان میں مداخلت کے لیے امریکی ایجنڈے پر کام شروع کیا ہوا تھا۔ فوج میں نفسیاتی جنگ کا شعبہ قائم ہو چکا تھا اور فوجی افسران کے ذہنوں میں امریکی بالادستی کی دھاک بٹھائی جا رہی تھی۔ وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے تو روس کے ساتھ بہتر تعلقات استوار کیے ہوئے تھے۔ روس اور پاکستان کے مابین طے ہو چکا تھا کہ روس اپنا رسوخ استعمال کرے پاک افغان ڈیورنڈ لائن کا معاملہ طے کرائے تو پاکستان بھی بلوچستان کے راستے اور پشاور کے راستے روس کو تجارت کے لیے راہداری دینے کے لیے تیار ہے۔

افغانستان کے صدر سردار داؤد کے ساتھ طے ہو چکا تھا کہ افغانستان ڈیورنڈ لائن کو مستقل سرحد تسلیم کرنے کے لیے راضی ہے اور اگست 1977ء میں اسلام آباد میں دونوں ملکوں کے سربراہوں کے اس تاریخی معاہدہ پر دستخط ہونا تھے۔ روس کی افغانستان کے ساتھ تجارتی راہداری کا معاملہ پہلے ہی سے طے ہو چکا تھا اور روس نے وسط ایشیائی مسلمان ممالک میں سے کابل اور طورخم تک دو رویہ موٹر وے بنا لیے تھے۔

ترکمانستان سے ہرات اور قندھار سے ہوتے ہوئے چمن تک پاکستان کی سرحدوں تک بھی سڑکیں بنا چکا تھا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید نے بھی نیشنل ہائی وے اتھارٹی (NHA) کا ادارہ بنایا اور کراچی سے لاڑکانہ، شہداد کوٹ، خضدار، قلات اور کوئٹہ تک سڑکیں بن رہی تھیں تاکہ کراچی سے پشاور اور طورخم کے علاوہ کراچی سے لاڑکانہ، خضدار کے راستے چمن تک کا جنوبی راستہ بھی روس کے ساتھ تجارت کے لیے کھولا جا سکے۔

ذوالفقار علی بھٹو شہید کی سوچ کے مطابق اس عمل سے خطے میں استحکام کے ساتھ پاکستان اور افغانستان میں معاشی ترقی اور عوام میں خوش حالی آ سکتی ہے۔ خطہ میں طویل عرصہ کے لیے امن بھی قائم ہو سکتا ہے۔ اس راہداری کو استعمال کرنے کے لیے انڈیا بھی کوشاں ہوتا اور انڈیا کے ساتھ کشمیر اور دیگر مسائل کا حل بھی ممکن ہو سکتا تھا۔ مگر

امریکا کو یہ قبول نہ تھا۔ امریکا، پاکستان کے مفاد کی ہر کوشش میں ٹانگ اڑاتا رہا۔

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو شہید کو امریکی سیکریٹری خارجہ ہنری کسنجر اس طرح دھمکیاں دیتے رہے جس طرح آج کل ہلیری کلنٹن صاحبہ دے رہی ہیں۔ جب بھٹو شہید سے امریکی توقعات پوری ہونا ممکن نہ رہا تو امریکا نے جنرل ضیاء الحق کے ذریعے فوجی بغاوت کرائی اور جمہوری حکومت ختم ہوگئی۔

1977ء میں روس نے افغانستان پر قبضہ نہیں کیا تھا۔ روس کی کمپنیاں افغانستان میں روڈ نیٹ ورک کو جدید بنانے میں مصروف تھیں اور دیگر ترقیاتی کام بھی کر رہی تھیں۔ روس کا بلوچستان میں خانہ جنگی کرانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ روس کو تو بغیر جنگ کے بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی مل رہی تھی پھر وہ پاکستان اور افغانستان میں جنگ کیوں کرتا؟ اس لیے یہ تاثر غلط ہے کہ روس گریٹر بلوچستان بنانے کی کوشش کرتا رہا ہے۔

جنرل ضیاء الحق کے حکومت پر قبضہ کرتے ہی پاکستان پر امریکی بالادستی قائم ہو چکی تھی۔ GHQ میں نفسیاتی آپریشنل سیل نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ پاک فوج کے افسران کے ذہنوں پر امریکی فوقیت کی دھاک بٹھانے کی کوشش کی جاتی رہی اور 1979ء میں جی ایچ کیو کے نفسیاتی آپریشنز سیل نے ایک نئی تھیوری وضع کر دی۔ یہ کہ روس نے افغانستان پر قبضہ کیا ہوا ہے اور اب روس نے بلوچستان پر قبضہ کرنا ہے۔ افسران کی ترقی کے لیے امتحان کے پرچہ میں بلوچستان کے معاملہ پر سوال لازمی ہوا کرتا تھا اور اس کا جواب دیے بغیر پاس ہونا ناممکن تھا۔

اس سوال کے صحیح حل کے لیے فوج کی طرف سے نیوز لیٹر Psychological operations cell سے جاری ہوتے تھے۔

ڈاکٹروں، انجینئروں اور چند دیگر پڑھے لکھے افسران کے سوا باقی تمام مسلح افواج کے افسران انٹرمیڈیٹ پاس ہوا کرتے ہیں۔ عسکری تربیت کے دوران ان کو بی اے کی ڈگری عطا ہوتی ہے۔ سٹاف کالج اور وار کالج کی تربیت مکمل کرنے پر افسران کو ایم اے اور ایم فل وغیرہ کی ڈگری عطا ہوتی ہے جن میں نفسیاتی طور پر افسران کی ایک مخصوص ذہنیت تیار کی جاتی ہے۔ افسران کا ذہن ایک مخصوص سوچ کے مطابق بنانے کے

لیے اکثر اسٹڈی پیریڈ بھی ہوا کرتے ہیں مگر جنرل ضیاء الحق کے دور میں روس کے پاکستان کے خلاف عزائم کے متعلق تشہیر کرنے کے موضوعات پر بحث ہوا کرتی تھی۔ ان میں شامل ہونا ہر افسر پر لازم ہوتا تھا۔

راقم اکثر اپنی دفتری مصروفیات کا بہانہ بنا کر ایسے کئی اسٹڈی پیریڈز کے اجتماعات سے غیر حاضر ہوا کرتا تھا۔ ایک بار اے کیو کی معرفت جنرل صاحب کی جانب سے مجھے تنبیہہ ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ یقیناً میں دانستہ غیر حاضر ہوتا ہوں کیوں کہ اگر وہاں پر سوال کروں گا تو جنرل صاحب کو اچھا نہیں لگے گا مگر اے کیو نے پھر بھی ضد کی کہ میں اپنی حاضری کو یقینی بناؤں۔ افسران کے اجتماع میں اقبالیات کے ماہر پروفیسر (مہمان مقرر) فرما رہے تھے کہ علامہ اقبالؒ نے افغانستان کی اہمیت کے پیش نظر افغانستان میں جہاد کی تلقین کی ہے۔

تقریر ختم ہوئی تو پہلا سوال میں نے ہی کیا کہ جناب پاکستان کا قومی مفاد افغانستان کی بجائے کشمیر میں جہاد کرنے میں ہے۔ کیا علامہ اقبال نے کشمیر میں ظلم سہتے ہوئے مسلمانوں کی آزادی کے لیے جہاد کی تلقین نہیں کی؟ پروفیسر صاحب کی بجائے جنرل صاحب نے فرمایا کہ جنٹلمین کوئی مزید سوال نہیں ہوگا۔ پروفیسر صاحب کے پاس وقت کی کمی ہے وغیرہ۔ فوج کے افسران میں امریکا کی بالادستی کی دھاک کا یہ عالم ہے کہ ایک اور اسٹڈی پیریڈ میں بتایا جا رہا تھا کہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی لیبارٹری کے انجینئروں نے آر پی جی کا رینج بڑھا دیا ہے اور پاکستان ساختہ آر پی جی گرنیڈ کی رینج غیر ملکی ساختہ سے زیادہ ہے تو ایک کرنل صاحب فرمانے لگے کہ امریکا ٹی او ڈبلیو میزائل کا رینج نہیں بڑھا سکا تو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کیسے کر سکتا ہے۔ اس پر بھی راقم کو اٹھ کر چند تکنیکی معاملات سمجھا کر واضح کرنا پڑا کہ بھائی یقین کر لیں ایسا ہو چکا ہے اور آر پی جی کے گرنیڈ کی رینج بڑھائی جا چکی ہے۔ یہ چند واقعات بیان کیے جا رہے ہیں تا کہ قارئین پر واضح ہو کہ ضیاء الحق دور میں کیا ہوتا رہا ہے۔ بلوچستان کے معاملہ میں میڈیا میں بھی یہ ہی پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ روس نے بلوچستان میں تخریب کاری کے لیے سینکڑوں تربیت گاہیں بنائی ہوئی ہیں اور افغانستان کی جنگ میں استعمال ہونے والا اسلحہ روس کی کوششوں

سے ان تربیت گاہوں میں پہنچایا جا رہا ہے۔طرح طرح کی کہانیاں اور افسانے گھڑے جاتے رہے مگر 1979ء سے 1988ء تک جنرل ضیاء الحق کے پورے دور حکومت میں ایک بھی ایسا کیمپ پکڑا نہیں گیا۔فوج کی تربیت گاہوں اور افسران کی نجی محافل میں یہ تاثر دیا جاتا رہا کہ بلوچستان میں لاوا پھٹنے والا ہے جس کے لیے فوج کو تیار رہنا چاہیے بلوچستان میں ترقیاتی کام کرنا بے سود ہے کیوں کہ وہاں پر روس نے بہت تباہی پھیلانے کا منصوبہ بنایا ہوا ہے اور جنگ کر کے روس نے بحر ہند کے گرم پانیوں تک رسائی حاصل کرنی ہے۔ اس طرح کئی روسی افسران کے نام سے منسوب کر کے گریٹر بلوچستان کی خود ساختہ تھیوریاں بیان کی جاتی رہی ہیں۔اتنا جھوٹ بولا گیا کہ فوج کے افسر اسے سچ سمجھنے لگے۔ یوں جنرل ضیاء الحق کے دور میں بلوچ عوام کو صرف سمگلنگ میں مصروف رکھا گیا تا کہ ان کو روٹی ملتی رہے اور وہ صوبہ کی ترقی کے لیے آواز ہی نہ اٹھائیں۔ جنرل ضیاء الحق کے دس سالہ دور حکومت میں کبھی بھی بلوچستان میں شورش نہیں ہوئی۔

اگست 1988ء میں جنرل ضیاء الحق اور ان کے رفقاء جہاز کے حادثہ میں وفات پا گئے۔ بعد کے دس سالہ جمہوری دور میں بھی بلوچستان میں کسی قسم کی علیحدگی کی کوئی تحریک یا کسی گریٹر بلوچستان تحریک کا نام ونشان نہیں تھا۔ جنرل پرویز مشرف کے آنے کے بعد حکومت نے ہزاروں امریکی جاسوسوں کو ملک کے اندر آپریٹ کرنے کی کھلی اجازت دی اور کوئٹہ میں امریکا کو قونصل خانہ کھولنے کی بھی اجازت دے رکھی تھی۔ امریکی، اسرائیلی اور انڈیا کے جاسوسوں نے بلوچستان میں تخریب کاری کی تو اس کا ملبہ بلوچ عوام اور سرداروں پر ڈال دیا گیا اور بلوچوں پر فوج کشی کر کے ہزاروں بلوچوں کا قتل عام کیا۔فروری 2008ء کے بعد جمہوری حکومت آئی مگر بلوچستان میں بلوچ عوام کے دکھوں کا مداوا نہ ہوا۔ تا آنکہ اب امریکا نے بلوچ عوام کے حقوق کی بات کی۔ حکومت کے لیے ضروری ہے کہ بلوچستان کے مسائل کے حل کے لیے ٹھوس اقدامات اٹھائے۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اب بھی بلوچوں کو قصوروار بتایا جاتا ہے۔ جو سراسر ناانصافی ہے۔ بلوچوں میں جو بے چینی ہے وہ حکومتی اعمال کا ردعمل ہے۔حکومت کو چاہیے کہ سرکاری ٹی وی چینل پر بلوچوں کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کا موثر جواب دے اور

پاکستان کے عوام کو اصل حقائق سے آگاہ کر کے غیر ملکی کاسہ لیسوں کے گمراہ کن پروپیگنڈہ کے اثر سے بچایا جائے۔ بلوچستان کے معاملہ میں غیر ملکی مداخلت کے ثبوت عوام کو پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بتائے جائیں۔ مہذب ممالک میں رائے عامہ کو ملک کے معاملات سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں بھی ایسا ہی کیا جائے۔

مجھے میرا بلوچستان چاہیے:

1968ء کا قصہ ہے کہ میں یونیورسٹی کی چھٹیوں میں کوئٹہ اپنے پھوپھی زاد بھائی علی گوہر بگٹی جو کہ کوئٹہ کے محکمہ خزانہ کے سربراہ تھے، ان کے پاس گیا ہوا تھا۔ بھائی مجھے ریڈیو پاکستان کوئٹہ میں تقریب میں شرکت کے لیے لے گئے۔ یہ خاص بلوچی نشست تھی۔ فیض بلوچ نے بلوچی گیت گا کر داد تحسین حاصل کی اور مرید بلیدی نے شہ مرید اور حانی کی رومانی داستان مخصوص بلوچی موسیقی اور مردانہ وجاہتی انداز میں گا کر حاضرین کو محظوظ کیا اور دیگر بلوچی گائیک اور موسیقار حضرات نے اپنے اپنے انداز میں محفل میں رنگ بھرے۔ یوں رات کے پچھلے پہر یہ نشست برخواست ہوگئی۔ آج بھی اس کی یاد میرے ذہن میں تازہ ہے۔ گزشتہ دنوں میں اپنے گھر میں بلوچی گیت کے کیسٹ سنتے سنتے ماضی میں غوطہ زن ہوا۔ یہ کہ بلوچستان کی ایک وادی میں چاندنی رات ہے اور بلوچ قبیلہ میں شادی کی تقریب ہے۔ بلوچی ثقافت میں دلہن کی مایوں کے بعد سات دن یا نو دن یا گیارہ دن تک جشن ہوتا ہے۔ سردی کی اس چاندنی رات میں عورتیں بلوچی ہالو (یہ شادی گیت ہے) گا رہی ہیں تو باہر کھلے میدان میں مرد حضرات دہکتی ہوئی آگ کے نزدیک تلواروں سے ڈھول کی تھاپ پر مخصوص بلوچی رقص کر رہے ہیں اور دیگر مرد حضرات ان کی چاروں سمت ہالہ بنا کر اپنی پھشتی (یہ ایک چادر ہے جو اتنی بڑی ہے کہ اس سے کفن بن سکتا ہے اور بلوچ اس چادر کو کندھے پر رکھ کر باہر نکلتے ہیں) وہ اس چادر (پھشتی) کو اپنی کمر کے گرد گھما کر دونوں زانوؤں کے گرد لا کر گرہ دے کر ایسے براجمان ہیں کہ جیسے انہوں نے اپنے لیے کرسی بنا رکھی ہے۔ تلواروں کے ساتھ رقص ختم ہوتا ہے تو سازندے سرندے، نڑ، بین اور ڈھولک کے امتزاج سے بلوچی دھنیں شروع کرتے ہیں۔

رومانوی گیت ختم ہوتے ہیں تو رزمیہ گیت گائے جارہے ہیں۔ اب گائیک نے میر چاکر خان رند اور میر گہرام خان لاشاری کی صلح کا قصہ شروع کیا ہوا ہے کہ کیسے دونوں سردار بغل گیر ہو گئے اور پھر مہمانوں کی دودھ اور شہد کے ساتھ تواضع کی جارہی ہے۔ محفل میں حاضرین میں سکوت چھایا ہوا ہے۔ رات ڈھل گئی تو نڑ کی ساز کی آواز کے ساتھ گورخ نے مخصوص بلوچی انداز میں نغمہ سرائی شروع کردی جیسے کہ مغربی موسیقی میں گٹار کی دھنوں کے ساتھ ماتمی انداز میں کوئی Cow Boy گا رہا ہو۔ یوں رات ڈھل گئی حاضرین اونگھنے لگے نڑ کی دھنیں مدھم ہوتے ہوتے بند ہوئیں اور حاضرین منتشر ہو گئے تو میں بھی سوچوں کی دنیا سے واپس آ گیا۔

آج سے کئی برس پہلے بلوچستان میں امن تھا۔ پھر ایک ایسا وقت بھی آیا کہ اس پُرامن صوبے کے پُرامن شہریوں پر پاک فوج نے آپریشن شروع کیا۔ بلوچوں نے انگریزی دور کی وردیوں میں ملبوس پاک فوج کے جوانوں کو فرنگی سمجھ لیا اور اپنے وطن پاکستان کی آزادی کی خاطر جنگ لڑی۔ بلوچستان کی وادیوں میں موسیقی کی دھنوں اور گائیکوں کے سریلے گیتوں کی بجائے گولیوں کی تڑتڑاہٹ، توپوں کی گھن گرج اور بمبار طیاروں سے بارود کی بارش سے دھماکوں کی گونج سنائی دیتی رہی اور وادی کے لوگ لہولہان ہوتے رہے۔ جون 1977ء میں پارلیمان کے اندر اجلاس کے دوران جب جنرل ضیاء الحق سے کہا گیا کہ یہ جنگ بند کی جائے تو انہوں نے ایسی منظر کشی کی کہ گویا بلوچستان عنقریب پاکستان سے الگ ہونے والا ہے مگر جب فوج نے اقتدار پر قبضہ کیا تو اسی جنرل ضیاء الحق نے بلوچستان میں جنگ بند کر دی۔ جنرل ضیاء الحق کے پورے دور حکومت اور اس کے بعد دس سالہ جمہوری حکومت کے دور میں بلوچستان پرامن ترین صوبہ تھا۔

اس وقت امریکا نے اسلام آباد میں سفارت خانہ میں جدید مواصلاتی نظام سے لیس دنیا کا سب سے بڑا جاسوسی کا اڈہ بنایا ہوا ہے اور اپنے مخصوص ایجنٹوں کے ذریعے بلوچستان میں فرقہ وارانہ غارت گری کر کے وہاں پر خانہ جنگی کو ہوا دے رہا ہے۔ حکومت کے متعلقہ وزراء کبوتر کی طرح ہر سانحہ پر آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں اور فقط رنج وغم و غصے

کے اظہار کا بیان دے کر خاموش ہو جاتے ہیں۔ بلوچستان کے معاملہ میں بھی حکومت کا کچھ ایسا ہی رویہ ہے۔ اسلام آباد میں امریکی سفارتخانے میں موجود سی آئی اے کے جاسوسی اڈہ کو بند کرنے کی بجائے بلوچ نوجوانوں کو اٹھا کر غائب کیا جاتا ہے اور کچھ عرصہ کے بعد لواحقین کو ان کی گلی سڑی لاشیں مل جاتی ہیں۔ بلوچ قبیلے اپنے پیارے بیٹے اور بیٹیوں کی شادی کے شادیانے، خوشیاں اور جشن منانے کی بجائے صف ماتم بچھائے بیٹھے ہیں۔ حکومت نے اگر امریکی سی آئی اے کے جاسوسی کے اس اڈہ کی طرف سے ان کی مذموم کارروائیاں نہ روکیں تو بلوچستان میں بھی مشرقی پاکستان جیسا سانحہ ہوسکتا ہے۔ جناب محمد نواز شریف نے بجا طور پر مسئلہ کے حل کے لیے فوج اور رینجرز اور دیگر ایجنسیوں کو بلوچ نوجوانوں کا قتال بند کرنے کی تجویز دی ہے مگر پی پی پی کی حکومت کے وزیر اطلاعات کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پر عمل نہیں ہو رہا جبکہ آرمی چیف جنرل اشفاق پرویز کیانی نے فوج، رینجرز اور ایجنسیوں کی قتال کی کارروائیاں بند کرنے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ حکومت سے قوم کی التجا ہے، ہمیں بلوچستان واپس دلا دیں جس میں بلوچ عوام خوش ہوں۔ ہمیں بلوچستان کے بلوچ عوام کو ان کی اولادوں کی خوشیاں واپس دلائیں۔ بلوچستان کی وادیوں میں قبیلوں کے بیٹے اور بیٹیوں کی شادیوں میں رقص گیت اور ان کی آپس کی محبت کے دن واپس لائیں۔ مجھے میرا بلوچستان چاہیے۔ خوش بخت محب وطن بہادر بلوچوں کے چہروں پر اداسی اور غم کی بجائے خوشیاں اور مسکراہٹ چاہیے۔ یہ سب ممکن ہے بشرطیکہ حکومت خواب گراں سے بیدار ہو۔

باب یازدہم

پاکستان کی بقا کے لیے ذوالفقار علی بھٹو کا کردار

پاکستان کی بقا کی جنگ کے متعلق اکثر اوقات میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کا ذکر آ چکا ہے، یہاں پر ان کے متعلق تفصیل سے ذکر کرنا ضروری ہے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے خاندان کے ساتھ میرے بزرگوں کے دیرینہ تعلقات رہے ہیں۔ بھٹو صاحب ان تعلقات کی بے حد قدر کرتے تھے۔ جناب بھٹو نے اپنی کتاب (If I am Assassinated) میں ذکر کیا کہ "میرے حلقۂ انتخاب میں کئی سندرانی رہتے ہیں" تو یہ ذکر ہمارے قبیلے سندرانی بگٹیوں کے متعلق ہی ہے۔ زمانہ طالب علمی میں اپنے دوستوں کے ہمراہ کئی بار مجھے جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ جناب بھٹو صاحب اقتدار میں آئے تو کہا کرتے تھے کہ:

"Most of all I want to say to younger generation. The younger generation that was ever so kind to me. This is the generation I adore and I am terribly fond of younger generation. The youth of my country gave me illumineous support".

"سب سے پہلے میں نوجوان نسل سے کہنا چاہوں گا۔ نوجوان نسل جو ہمیشہ میرے ساتھ مہربان رہی۔ یہ ہی نسل ہے جس سے مجھے بے حد محبت ہے اور میں نوجوان نسل سے شدت کے ساتھ عقیدت رکھتا ہوں۔ میرے وطن کے نوجوانوں نے مجھے منور کرنے والی حمایت دی۔"

یہ وجہ ہے کہ جناب بھٹو صاحب ہمیشہ نوجوانوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے تھے۔ یہ ان کی شفقت کی کشش تھی کہ بھٹو صاحب جب بھی لاڑکانہ تشریف لاتے تو

نوجوان اکثر ان سے ملنے جایا کرتے تھے۔

میں گورنمنٹ کالج لاڑکانہ میں سیکنڈ ایئر کا طالب علم تھا۔ 1964ء میں آر سی ڈی (RCD) ممالک کے رہنما جناب ذوالفقار علی بھٹو، جناب عصمت انونو (ترکیہ) اور جناب امیر عباس ہویدا (ایران) خصوصی طور پر کالج میں طلباء سے خطاب کرنے تشریف لائے۔ طلبا نے جن میں مَیں بھی شامل تھا سٹیج شو، ٹیبلوز اور سندھی ثقافتی رقص ''ہو جمالو'' پیش کر کے مہمانوں کو سندھی ثقافت کی جھلکیاں دکھلائیں۔ برادر اسلامی ممالک کے مہمان بے حد محظوظ ہوئے۔ یہ تینوں وزرائے خارجہ امت مسلمہ کے عظیم مدبر تھے۔ جناب عصمت انونو نے اپنے خطاب میں ذوالفقار علی بھٹو کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''ذوالفقار علی بھٹو اس صدی کی عظیم شخصیت اور مدبر ہیں۔''

مئی 1975ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو امریکا کے دورے پر تھے۔ امریکا کے نائب صدر راک فیلر نے ان الفاظ میں بھٹو صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا:

"I have got to say to the Prime Minister that thank God he wasn't the democratic candidate. I know lot of statesmen, and politicians. I Know lot of politicians who want to be statesman. But this is the greatest combination of both."

بھٹو صاحب کا بازو تھام کر کہنے لگے:

> ''میں وزیراعظم کو یہ کہنا چاہوں گا اللہ کا شکر ہے کہ وہ ڈیموکریٹک امیدوار نہیں تھے (یعنی امریکی ڈیموکریٹک پارٹی کا امیدوار ہوتا تو امریکا کا صدر بن سکتا تھا)۔ میں کئی مدبروں اور سیاست دانوں کو جانتا ہوں۔ میں کئی سیاست دانوں کو جانتا ہوں جو مدبر بننا چاہتے ہیں مگر یہ (یعنی بھٹو صاحب) دونوں کا عظیم امتزاج ہیں۔''

جناب ذوالفقار علی بھٹو 5 جنوری 1928ء کو لاڑکانہ سندھ میں سندھی راجپوت خاندان میں پیدا ہوئے۔ لاڑکانہ شہر دریائے سندھ کے قریب آباد ہے۔ شہر کے درمیان رائیس کینال گزرتی ہے جس پر شہر کے عین وسط میں بیراج بھی ہے۔ کینال اور بیراج

کے ہونے سے شہر کی خوب صورتی میں اضافہ ہوا ہے۔ ریلوے لائن بھی شہر کے تقریباً درمیان سے گزرتی ہے۔ اگر رائس کینال کی سمت سے شہر میں داخل ہوں تو لاہوری محلے سے گزرتے ہوئے یہ سڑک ہائی اسکول، ضلع کچہری اور کالج کی طرف جاتی ہے۔ لاہوری محلے کے اختتام پر ایک چوڑی سڑک بندر روڈ کی طرف جاتی ہے۔ ان دونوں سڑکوں کے سنگم پر داہنے ہاتھ پر چار یا پانچ ایکڑ پر محیط ایک احاطے میں آموں کا باغ تھا۔ یہ احاطہ اور باغ سر شاہنواز بھٹو کی ذاتی ملکیت تھی۔

دونوں سڑکوں کے سنگم کے قریب اسی احاطے کے اندر ایک بنگلہ ہوا کرتا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو اسی بنگلے میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کی پیدائش پر شہر کے رؤساء (Elite) اور علاقے کے معززین مبارک باد دینے آتے رہے تو جشن کا سماں بنا رہا۔ سر شاہنواز بھٹو نے اس بچے کا نام ذوالفقار علی بھٹو رکھا۔

لاڑکانہ سندھ کا قدیمی شہر ہے۔ قریب ہی موئن جوڈرو کے دفینے ہیں۔ جس دور میں ذوالفقار علی بھٹو پیدا ہوئے ان دنوں لاڑکانہ علم و ادب کا گہوارہ، درویشوں کا کاشانہ، سیاست دانوں، مدبروں اور رہنماؤں کا مسکن تھا۔ شہر کے لوگ خوش حال اور کئی بہت امیر تھے۔

لاڑکانہ کے رہائشی ایک وکیل صاحب سنگھ نے اپنے نام کو امر کرنے کے لیے شہر میں ایک باغ بنوایا اور اس کے وسط میں گھنٹا گھر بنوایا جو آج تک صاحب سنگھ گھنٹا گھر کے نام سے منسوب ہے۔ سیٹھ گیان چند نے ایک خوب صورت باغ ''گیان باغ'' بنوایا۔ اس کے ایک باغیچے میں چار فٹ قطر کا بڑا پنکھا نصب کروایا جو ہمارے زمانہ طالب علمی تک کار آمد حالت میں تھا اور لوگ گرمیوں میں باغ میں اس جگہ بیٹھ کر ہوا سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ گیان باغ میں ایک جگہ تہہ خانہ (Basement) بھی بنا ہوا تھا۔ ہندو مخیر حضرات نے سیوا منڈلی (ٹرسٹ) کا ایک چھوٹا سا ہسپتال بھی بنوایا ہوا تھا جو ہندوؤں کے انڈیا ہجرت کر جانے کے بعد لاڑکانہ میونسپلٹی کے زیر اہتمام چلتا رہا۔ لاڑکانہ ایک منظم اور مکمل شہر تھا اور تجارت کا بڑا مرکز تھا۔ سندھ میں ایک کہاوت بہت مشہور ہے کہ: ''ہجیئی نازوں تہ گھم لاڑکاڑوں'' (یعنی اگر پاس پیسے وافر ہیں تو پھر

لاڑکانہ گھومنے جائیں)۔ یہ اس طرح ہے جس طرح لاہور کے متعلق کہتے ہیں'' جنے لاہور نہیں ویکھیا او جمیا ای نئیں۔''

ذوالفقار علی بھٹو کچھ بڑے ہوئے تو ممبئی کے علاقے وورلی میں سر شاہنواز بھٹو کے اپنے ملکیتی بنگلے میں منتقل ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے ممبئی کے کیتھڈرل سکول اور جان کین سکول میں حاصل کی۔ ان کے والد نے نوعمری ہی میں 1943ء میں اپنے خاندان میں سے محترمہ شیریں امیر بیگم کے ساتھ ذوالفقار علی بھٹو کی شادی کر دی تھی۔ بھٹو صاحب کی شادی کا واقعہ قائداعظم محمد علی جناح کی نوعمری کی شادی سے مماثلت رکھتا ہے۔ 15 جنوری 1950ء کو بھٹو صاحب نے امریکا میں کیلیفورنیا کی برکلے یونیورسٹی سے سیاسیات میں آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ 1950ء میں انہوں نے برطانیہ میں کرائسٹ چرچ آکسفورڈ میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے لیے داخلہ لیا۔ 1952ء میں قانون کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد جناب بھٹو نے 1953ء میں برطانیہ کے مشہور تعلیمی ادارے لنکنز ان سے بار ایٹ لاء کی ڈگری حاصل کی۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو کی دوسری شادی محترمہ بیگم نصرت اصفہانی کے ساتھ 8 ستمبر 1951ء کو ہوئی۔ 1958ء میں سندھ مسلم کالج کراچی میں قانون کے مدرس کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ یہاں سے انہیں ڈاکٹر آف لاء کی اعزازی ڈگری عطا ہوئی۔

سر شاہنواز بھٹو نے لاڑکانہ میں باغ کے احاطے کے اندر یک منزلہ جدید طرز کا بنگلہ المرتضیٰ کے نام سے تعمیر کروایا۔ یہ بنگلہ 1956ء میں مکمل ہوا۔ اسی دوران سر شاہنواز بھٹو کا انتقال ہوگیا۔ المرتضیٰ اور اس کے احاطے کی تمام جائیداد اب میر مرتضیٰ بھٹو کے صاحبزادے ذوالفقار علی بھٹو (جونیئر) کی ملکیت ہے۔

جنرل محمد ایوب خان اقتدار میں آئے اور انہوں نے سول کابینہ بنائی تو ذوالفقار علی بھٹو کو انہوں نے اپنی کابینہ میں ایندھن، بجلی اور قدرتی وسائل کا وزیر رکھا۔ اس وزارت میں جناب بھٹو صاحب کا ایک خواب تھا، وہ یہ کہ پاکستان کی ہر بستی میں عوام کو بجلی کی سہولت مہیا کی جائے گی۔ ان کے اس خواب کی تعبیر کے متعلق کاوشوں کا ذکر آگے آئے گا۔ کچھ عرصے کے بعد بھٹو صاحب کی وزارت تبدیل کر کے انہیں وزیر برائے

تجارت، صنعت اور معدنیات مقرر کیا گیا۔ اس حیثیت میں بھٹو صاحب نے 1961ء میں روس کے ساتھ پاکستان میں تیل کی تلاش کے معاہدے کے متعلق مذاکرات کیے اور اس ضمن میں سوویت یونین (روس) پاکستان کو معاشی اور تکنیکی مدد دینے پر راضی ہوا۔ 1962ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کے وزیر خارجہ مقرر ہوئے۔ اپنے دور وزارت خارجہ میں بھی بھٹو صاحب نے روس کے ساتھ تعلقات کو فروغ دینے کی کوشش کی۔ انہوں نے چین کے ساتھ خاص طور پر بہترین دوستانہ تعلقات استوار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ چین کو اقوام متحدہ میں ممبر شپ کے علاوہ چین کے امریکا کے ساتھ تعلقات کی بنیاد ڈالنے اور اسے فروغ دینے میں جناب ذوالفقار علی بھٹو کا اہم کردار ہے۔ پاک، چین سرحدی معاہدہ مورخہ 2 مارچ 1963ء کے تحت عظیم چین کے ساتھ سرحدی تنازع کو انہوں نے نہایت خوش اسلوبی سے نمٹایا۔ اس معاہدے کے معاملے میں انڈیا نے بہت واویلا کیا اور اقوام متحدہ میں دہائی ڈالی تھی۔ 26 مارچ 1963ء کو جناب ذوالفقار علی بھٹو صاحب نے اقوام متحدہ میں پاکستان کی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے فرمایا:

> ''حقائق یہ ہیں کہ پاکستان نے ایک مربع انچ علاقہ بھی چین کو نہیں دیا بلکہ پاکستان نے ساڑھے سات سو مربع میل کا علاقہ حاصل کیا جو چین کے قبضے اور کنٹرول میں تھا۔''

24 جولائی 1963ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی میں سوالوں کا جواب دیتے ہوئے وزیر خارجہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے فرمایا:

> ''ایوان کے بعض ارکان نے حکومت پر الزام لگایا ہے کہ اس نے تین ہزار مربع میل پاکستانی علاقہ ایوان کو مطلع کیے بغیر ایران کے حوالے کر دیا ہے۔ ایران اور پاکستان کا سرحدی معاہدہ /فروری 1958ء کو طے ہوا تھا۔ 16 جولائی 1963ء کو بعض متعلقہ علاقوں کی منتقلی کی رسمی کارروائی ہوئی تھی۔ اس علاقے کی منتقلی کی ذمہ داری پاکستان پر/ فروری 1958ء کے معاہدے کے تحت عائد ہوتی تھی۔ اس میں کوئی صداقت نہیں کہ ہم نے ایران کو تین ہزار مربع میل کا علاقہ دیا ہے بلکہ ہم اسے تین سو

دس مربع میل کا صرف وہ علاقہ منتقل کرنے پر رضامند ہوئے ہیں جس پر برطانیہ نے اس وقت زبردستی قبضہ کیا تھا جبکہ وہ اس برصغیر کا حکمران تھا اور اس قبضے کے خلاف ایران ہمیشہ احتجاج کرتا رہا۔ حکومت پاکستان جب تین سو دس مربع میل کا علاقہ منتقل کرے گی، جس پر برطانیہ نے قبضہ کرلیا تھا تو ایران بھی پچانوے مربع میل کا علاقہ پاکستان کو منتقل کرے گا جس پر ایران نے قبضہ کر رکھا تھا۔ اگر ایران اور برطانیہ کے سرحدی معاہدے 1905ء کے تحت حد بندی کی جاتی تو ایران کو تین سو دس مربع میل کا علاقہ مل جاتا مگر اسے پچانوے (95) مربع میل کے علاقے سے دست بردار نہ ہونا پڑتا.......... 15 جولائی 1963ء کو کوئٹہ میں جو تقریب ہوئی ہے اس نے بالآخر پاکستان اور ایران کے تعلقات کو مزید مضبوط کر دیا ہے۔"

ان دنوں میں مغرب کی پوری کوشش تھی کہ انڈیا اور پاکستان کے درمیان No war pact یعنی جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو جائے۔ جیسا کہ آج کل امریکا کی طرف سے پاکستان کو کہا جا رہا ہے کہ پاکستان کا دشمن انڈیا نہیں ہے بلکہ پاکستان کے اپنے عوام ہیں جنہیں امریکا نے دہشت گرد کا نام دیا ہوا ہے۔ امریکا اور مغرب کی شدید خواہش ہے اور اس سلسلے میں پاکستان پر دباؤ بھی ڈالا جا رہا ہے کہ پاکستان مسئلہ کشمیر کو پس پشت ڈال کر انڈیا کے ساتھ دوستی کرے۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ایسے کسی بھی معاہدے کو رد کیا تھا۔ جناب بھٹو صاحب قومی اسمبلی کے فلور پر فرماتے ہیں:

''بھارت کے ساتھ جنگ نہ کرنے کے معاہدے کا ہم پر صرف یہ اثر ہوگا کہ ہم سلامتی کے جھوٹے احساس میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور یہ محسوس کرنے لگیں گے کہ بھارت ہمارے خلاف طاقت کا استعمال نہیں کرے گا۔ جب ہم پر یہ احساس حاوی ہو جائے گا تو ہم بھارتی جارحیت کا آسانی سے شکار ہوں گے۔ پچھلے پندرہ سال میں بھارت پانچ مرتبہ جارحیت کا ارتکاب کر چکا ہے...... ہم اس لمحہ بھارت کے ساتھ جنگ نہ

کرنے کا معاہدہ کریں گے جب وہ مسئلہ کشمیر کو حل کرے گا۔ ہم بھارت کے ساتھ اقتصادی تعاون کے بھی خواہاں ہیں بہ شرطے کہ وہ اس مسئلے کا تصفیہ کرے۔''

قارئین تصور کیجیے کہ ایسی صورت حال جس میں پاکستان کے شمال میں چین کے ساتھ تنازعات ہوں، جنوب مغرب میں ایران کے ساتھ تنازعات ہوں، مغرب میں افغانستان کا بادشاہ ظاہر شاہ انڈیا کا حلیف بن کر پاکستان کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف ہو اور مشرق میں انڈیا دشمنی اور کینہ رکھتے ہوئے پاکستان کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہو ایسی صورت حال میں پاکستان کی بقاء کو کئی خطرات لاحق ہو سکتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو نے تدبر اور دوراندیشی سے پاکستان کو خطرناک صورت حال سے نکال کر ملک کی بقاء کو یقینی بنایا۔ اب شمال میں چین پاکستان کا عظیم دوست اور حمایتی ہے۔ برادر اسلامی ملک ایران کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں۔ پاکستان کے خلاف انڈیا کی ہر مہم جوئی میں چین اور ایران نے پاکستان کی مثالی مدد کی ہے۔ 1962ء سے پہلے پاکستان کے کئی وزرائے اعظم اور وزرائے خارجہ ہو گزرے مگر سرحدی تنازعات حل نہیں کیے گئے۔ فروری 1958ء کے ایران کے ساتھ معاہدے پر دستخط کیے پانچ برس گزر چکے تھے مگر سرحدی حد بندی نہیں کی گئی تھی۔ یہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کی کاوشوں کا ثمر ہے کہ چین اور ایران کے ساتھ سرحدی معاملات خوش اسلوبی سے طے ہوئے۔

ستمبر 1965ء کی پاک بھارت جنگ کے بعد تاشقند میں سوویت یونین (روس) کے توسط سے معاہدہ طے ہوا۔ بقول جناب ذوالفقار علی بھٹو ''جنرل ایوب خان جیتی ہوئی جنگ مذاکرات کی میز پر ہار گیا۔'' بھٹو صاحب صدر محمد ایوب خان کی قیادت سے مایوس ہوئے۔ 10 جون 1966ء کو انہوں نے ایوب خان کی کابینہ سے استعفیٰ دیا۔ بھٹو صاحب کے متعلق بعد کے واقعات اس کتاب کے موضوع کے دائرہ کار میں نہیں آتے البتہ 15 دسمبر 1971ء کو اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے بھٹو صاحب کے واک آؤٹ کے معاملے کو کچھ اس انداز سے پیش کیا گیا کہ بھٹو صاحب کی شخصیت کچھ حلقوں میں متنازع بن گئی۔ اس معاملے پر میں اپنی ذاتی رائے دینے سے معذرت خواہ ہوں البتہ 4 دسمبر

1971ء سے 15 دسمبر 1971ء تک اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں جو کارروائی ہوتی رہی وہ جوں کا توں بیان کرنا مناسب سمجھتا ہوں۔ یہ کارروائی اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ کوئی بھی شخص اس تک رسائی حاصل کر کے اس کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ ان واقعات کو بیان کرنے سے پہلے جناب بریگیڈیئر صدیق سالک کی تصنیف Witness to Surrender کے اقتباسات لکھنا بھی معاملے کے اسرار سے پردہ ہٹانے میں معاون ہے۔

جناب صدیق سالک لکھتے ہیں: 14 دسمبر 1971ء مشرقی پاکستان کا آخری دن تھا۔ اسی دن صدر (یحییٰ خان) نے جنرل نیازی کو حکم دیا:

"You should now take all necessary measures to stop the fighting and preserve the lives of the armed forces personnel, all those from West Pakistan and all loyal elements".

''آپ ہر ضروری اقدام اٹھائیں تاکہ لڑائی بند ہو جائے اور عساکر کے افراد کی جانیں بچ جائیں اور ان سب کی بھی جو مغربی پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں اور وفادار عناصر............''

اس حکم کے مطابق جنرل نیازی نے ڈھاکا میں موجود امریکی کونسل جنرل کے ذریعے انڈین آرمی چیف جنرل مانک شا کو جنگ بندی کا پیغام بھیجا۔ جنرل نیازی بے صبری سے انتظار کرتا رہا مگر اس رات کوئی جواب نہ آیا۔ درحقیقت امریکی کونسل جنرل نے یہ پیغام وعدے کے مطابق جنرل مانک شا کو نہیں بھیجا۔ انہوں نے یہ پیغام واشنگٹن ارسال کیا اور امریکی حکومت کسی بھی عملی اقدام سے پہلے اس معاملے پر یحییٰ خان سے مشورہ کرنا چاہتی تھی۔

.... 15 دسمبر 1971ء کو جنرل مانک شا نے جواب دیا:

"Ceasefire acceptable provided Pakistan Army surrenders."

''جنگ بندی پر راضی ہیں بہ شرطے کہ پاکستانی فوج ہتھیار ڈال دے۔''

جنرل مانک شا کا جواب فوراً راول پنڈی ارسال کیا گیا اور وہاں سے پاکستان آرمی چیف جنرل حمید کا جواب آیا:

"Suggest you accept ceasefire."

''تمہیں جنگ بندی قبول کرنی چاہیے۔''

اسی دن جنرل نیازی نے اپنے فارمیشن کمانڈرز کو برقیہ ارسال کیا کہ وہ اپنے مقابل انڈین کمانڈر سے جنگ بندی کے متعلق رابطہ کریں۔ اس برقیے میں یہ بھی تحریر تھا کہ بدقسمتی سے جنگ بندی کے ساتھ ہتھیار بھی ڈالنے ہوں گے۔ "Unfortunately it also involves the laying down of arms." آخر طے ہوا کہ 15 دسمبر 1971ء کو شام پانچ بجے سے اس پر عمل درآمد شروع ہوگا جبکہ 16 دسمبر 1971ء کو رسمی طور پر ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط ہونے تھے۔ بریگیڈیئر صدیق سالک ان دنوں مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی کے ہیڈکوارٹر میں متعین تھے اور اس سارے معاملے کے عینی گواہ تھے۔

ادھر مغربی پاکستان میں بھی عسکری حلقوں میں یہ خبر پھیل چکی تھی۔ میں فوج میں لیفٹیننٹ تھا اور سی او ڈی کالا جہلم میں تعینات تھا۔ 15 دسمبر 1971ء کو شام چھ بجے کے قریب میں آفیسرز میس کے اینٹی روم میں داخل ہوا تو میجر منظور، لیفٹیننٹ بی اے ندیم (بشیر احمد ندیم) اور کچھ اور افسر خاموش بیٹھے نظر آئے۔ میں بھی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں نے بی اے ندیم سے پوچھا کہ کیا ہوا، سب کے سب افسردہ اور خاموش بیٹھے ہو؟ لیفٹیننٹ بشیر احمد ندیم کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے۔ کہنے لگے Bugti it is all over. General Niazi has surrendered, Dacca has fallen. اس کے بعد پھر سے سکوت طاری ہوا۔ اور سب خاموش، آنسو بہاتے رہے۔ میجر منظور سینئر ریٹائرڈ آفیسر تھے۔ جنگ کے دوران دوبارہ بلائے گئے تھے اور ہماری یونٹ میں خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ ان کے فوج کے سینئر افسران سے دیرینہ تعلقات تھے اور جنگ کے متعلق ہر لمحے کی خبر رکھتے تھے۔ یہ خبر بھی انہوں نے GHQ سے اپنے طور پر معلوم کر کے سب کو بتا دی تھی۔

•

دسمبر 1971ء میں صدر جنرل آغا محمد یحییٰ خان نے ذوالفقار علی بھٹو اور آغا شاہی

کو وفد کے ساتھ پاکستانی مندوب کے طور پر اقوام متحدہ روانہ کیا۔ اقوامِ متحدہ کی سلامتی کونسل کے اجلاس کی کارروائی کی روداد درج ذیل ہے:

میٹنگ نمبر: 1606، مورخہ 4 دسمبر 1971ء۔ ڈرافٹ قرار داد پر بحث و تمحیص ہوئی کوئی فیصلہ نہ ہوا۔ معاملہ آنے والی کل پر ڈال دیا گیا۔

میٹنگ نمبر: 1607، مورخہ 5 دسمبر 1971ء۔ امریکا کی ڈرافٹ قرار داد 303 پر بحث ہوئی اور ریجیکٹ ہوئی۔ روس کی طرف سے ڈرافٹ قرار داد پر بحث ہوئی اور اسے رد کیا گیا۔ آٹھ ملکوں کی طرف سے مشترکہ ڈرافٹ قرار داد پیش ہوئی وہ بھی رد ہوئی۔ چین کی طرف سے ڈرافٹ قرارداد پیش ہوئی اور وہ بھی رد ہوئی۔

میٹنگ نمبر: 1608، مورخہ 6 دسمبر 1971ء۔ برطانیہ اور فرانس کی طرف سے پیش کی گئی ڈرافٹ قرار داد پر بحث ہوئی اور رد ہوئی۔ اسی طرح 14 دسمبر تک ٹال مٹول ہوتی رہی مگر جنگ بندی کے لیے کوئی بھی قرارداد پاس نہیں کی گئی۔

میٹنگ نمبر: 1615۔ مورخہ 15 دسمبر 1971ء اس میٹنگ میں ایک ڈرافٹ قرار داد سوویت یونین (روس) نے سلامتی کونسل میں پیش کی اور دوسری ڈرافٹ قرارداد پولینڈ نے سلامتی کونسل میں پیش کی۔

Revised Draft resolution of Poland, documents/10453/Rev.1 of 15 December 1971.

a: In the eastern theatre of conflict, the power will be peacefully transferred to the representatives of the people, lawfully elected in December 1970.

b: Immediately after the begining of the process of Power transfer, the military actions in all the areas will be ceased and an initial ceasefire will start for a period of 72 hours.

c: After the immediate commencement of initial period of ceasefire, the Pakistan armed forces will start withdrawal to the present locations in the eastern theatre of conflict with a view to

evacuation from eastern theatre of conflict.

d: Simalarly, the entire West-Pakistan civillian personnel and other persons willing to return to West Pakistan as well as the entire East Pakistani become civillian persons in West Pakistan willing to return home will be given an opportunity to do so under the supervision of United Nations, with the guarantees on the part of all appropriate authorities concerned that nobody will be subjected to repression.

e: As soon as within the period of 72 hours the withdrawl of the Pakistan troops and their concentration for that purpose will have started the ceasefire will become permanent. The Indian armed forces will be withdrawn from East Pakistan. Such withdrawl of troops will begin upon consultations with newly established authorities organized as a result of transfer of power to the lawfully elected representatives of the people.

f: Recognizing the principle to which territorial acquisitions made through the use of force will not be retained by either party of the conflict the governments of India and Pakistan will immediately begin negotiation through appropriate representatives of their armed forces with a view to the speediest possible implementaion of the principle in the Western theatre of Military operations.

پولینڈ کی نظرثانی شدہ ڈرافٹ قرارداد نمبر 10453 مورخہ 15 دسمبر 1971ء پر دن بھر بحث ہوتی رہی مگر اس قرارداد پر ووٹنگ کرنے کی بجائے درج ذیل فیصلہ ہوا:

Decision

"At its 1615th meeting on 15 December 1971, the council decided to invite the representative of Cylon to participate, without

vote in the discussion of the question."

اس میٹنگ نمبر: 1615 ، مورخہ 15 دسمبر 1971ء کے اختتام پر جناب ذوالفقار علی بھٹو نے تقریر کی۔ اس کے اقتباسات یہ ہیں:

So, Mr. President and members of Security Council, realize the implications. The Pakistani nation is a brave nation. One of the greatest British General said that best infantry fighters in the world are Pakistanis. We will fight. We will fight for a thousand years if it comes to that. So dont go by momentary military victories.........

Yesterday my eleven year old son telephoned me from Karachi and he said do not come back with document of Surrender. We dont want to see you back in Pakistan if you come like that. I will not take a document of Surrender from the Security Council. I will not be a party to the legalization of aggression. The Security Council has failed miserably..... shamefully. For four days we have deliberated here. For four days the Security Council has procrastinated. Why? Because the object was for the Dacca to fall. That was the object it was clear to me from the begining..... we will build a better Pakistan...... we will build a greater Pakistan........ If you had left us a margin of hope, we might have been a party to some settlement..... legalize aggression.... legalize occupation..... legalize everything that has been illegal till 14th or 15th of December 1971. I will not be a party to it. We will fight. We will go back and fight. My Country beckons for me. I am going. (tears the papers and walkout).

ترجمہ: اس لیے جناب صدر اور ارکانِ سلامتی کونسل، اس معاملے کے مضمرات کا احساس کیجیے۔ پاکستانی ایک بہادر قوم ہیں۔ ایک عظیم برطانوی جنرل نے کہا تھا کہ دنیا

میں بہترین انفنٹری لڑاکا پاکستانی ہیں۔ ہم لڑیں گے۔ اگر یوں ہے تو ہم ایک ہزار سال تک لڑیں گے۔ اس لیے عارضی عسکری کامیابی سے کوئی معنی اخذ نہ کیجیے۔ گزشتہ کل میرے گیارہ سالہ بیٹے نے مجھے کراچی سے فون کیا اور اس نے کہا کہ ہتھیار ڈالنے کی دستاویز کے ساتھ واپس نہ آنا۔ ہم نہیں چاہیں گے کہ آپ اس طرح واپس آئیں۔ میں سلامتی کونسل سے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز لے کر نہیں جاؤں گا۔ میں جارحیت کو جائز ٹھہرانے میں شامل نہیں ہوں گا۔ سلامتی کونسل بری طرح، شرمناک طرح سے ناکام ہوئی۔ چار دن تک ہم نے یہاں پر غور وخوض کیا، بحث و تمحیص کی ہے۔ چار دن تک سلامتی کونسل ٹال مٹول سے کام لیتی رہی ہے اور ہر بار معاملہ آنے والی کل پر ٹال دیا جاتا رہا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مقصد تھا کہ ڈھاکا پر دشمن کا قبضہ ہو جائے۔ یہ ہی مقصد تھا۔ مجھ پر شروع دن سے روز روشن کی طرح واضح تھا............ ہم بہتر پاکستان کی تعمیر کریں گے۔ ہم عظیم پاکستان بنائیں گے............ اگر ہمیں امید کی ذرہ بھر گنجائش دی جاتی تو ہم کسی تصفیے میں شامل ہو سکتے تھے............ جارحیت کو جائز ٹھہراؤ۔ قبضے کو جائز ٹھہراؤ۔ ہر اس عمل کو جائز ٹھہراؤ جو چودہ یا پندرہ دسمبر 1971ء تک ناجائز تھا۔ میں اس میں شامل نہیں ہوں گا۔ ہم واپس جائیں گے اور لڑیں گے۔ میرا ملک میری راہ دیکھ رہا ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ (یہ کہہ کر کاغذات پھاڑ دیئے اور سلامتی کونسل سے واک آؤٹ کر گئے)۔
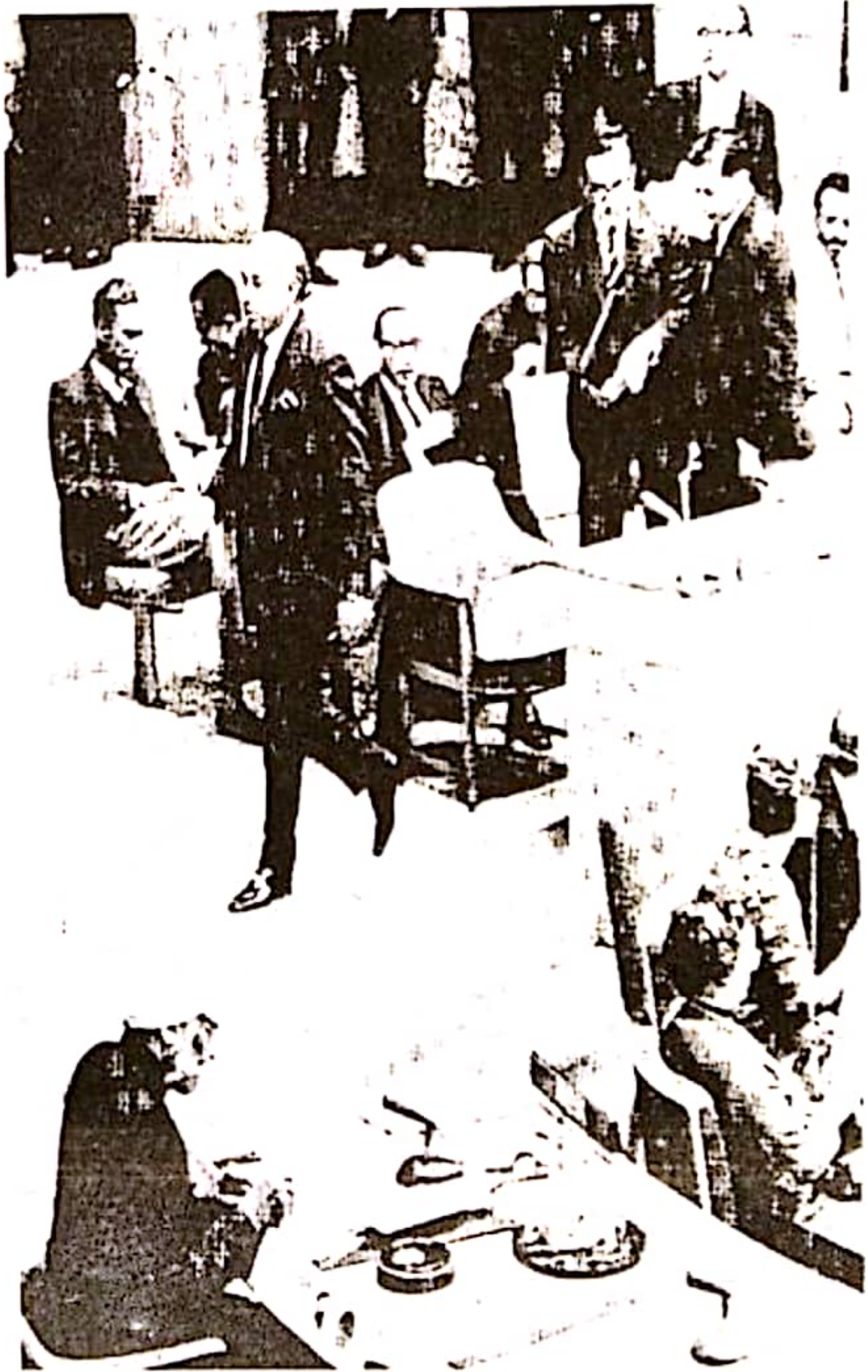
بھٹو واک آؤٹ انڈین D/1 یونائیٹڈ نیشن سیکورٹی کونسل

جس وقت ذوالفقار علی بھٹو نے سلامتی کونسل سے واک آؤٹ کیا اس وقت نیویارک (امریکا) میں شام کے ساڑھے تین بجے تھے۔ اس وقت مشرقی پاکستان میں 16 دسمبر 1971ء کو رات 2:30 بج چکے تھے۔ 16 دسمبر کو صبح کے وقت ڈھاکا کے پلٹن میدان میں جنرل امیر عبداللہ خان نیازی ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کر چکے تو اس وقت امریکا کے شہر نیویارک میں 15 دسمبر 1971ء کی رات کے تقریباً گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہوا ہوگا۔ 16 دسمبر 1971ء کو نیویارک میں سلامتی کونسل کا اجلاس نمبر 1616 منعقد ہوا۔ اب سری لنکا (Cylon) کے نمائندے نے بحث کرنا تھی مگر اجلاس کی کارروائی کی ابتدا ہی میں انڈیا کے مندوب نے بولنا شروع کیا۔ کارروائی کی روداد کچھ یوں ہے:

At the 1616th meeting on 16th December 1971 the representative of India quoted a statement by the Prime Minister of his counrty, which read: "In veiw of surrender by Pakistani forces in Bangladesh it was pointless to continue conflict. Therefore Indian forces had been ordered to ceasefire every where on western front with effect from 17th December 1971."

پولینڈ کی جس قرارداد سے امیدیں وابستہ تھیں وہ قرارداد بھی 16 دسمبر پر ٹال دی گئی تھی تا آں کہ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن چکا اور جنرل نیازی نے ہتھیار ڈالنے کی دستاویز پر دستخط کر دیے۔

20 دسمبر 1971ء کو جنرل گل حسن نے جنرل آغا محمد یحییٰ خان کی حکومت ختم کی۔ اسی دن یعنی 20 دسمبر 1971ء کو ذوالفقار علی بھٹو نے صدر پاکستان کے عہدے کا حلف اٹھالیا۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو 1962ء میں وزیر خارجہ بنے تو پاکستان کی بقاء کے لیے انہوں نے 1963ء میں چین اور ایران کے ساتھ سرحدی تنازعات طے کیے اور دونوں پڑوسی ممالک کے ساتھ سرحدی حد بندی کر کے دوستی کی بنیادیں مضبوط کر لیں۔ جناب بھٹو نے اپنے دور وزارت خارجہ میں افغانستان کے ساتھ بھی ڈیورینڈ لائن کو مستقل سرحد

ماننے کے لیے حکومت افغانستان کے ساتھ مذاکرات شروع کیے۔ 1966ء میں محمد ایوب خان کی حکومت سے علیحدہ ہونے کے بعد افغانستان کے ساتھ معاملات آگے نہ بڑھ سکے تھے۔ 1972ء میں جناب بھٹو نے افغانستان کے ساتھ سرحدی تنازعات کے متعلق مذاکرات کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ جون 1976ء میں اپنے دورہ کابل کے دوران جناب بھٹو نے افغانستان کے صدر سردار محمد داؤد خان کو ایک سمجھوتے پر راضی کیا جس کے تحت ڈیورینڈ لائن (Durand Line) کو مستقل سرحد تسلیم کیا جانا تھا۔ ڈیورینڈ لائن کو کابل والے پاک افغان تعلقات میں ''واحد سیاسی اختلاف'' کہتے ہیں۔ کابل کے دورے میں معاملات حتمی نتیجے تک نہ پہنچ سکے اس لیے فیصلہ ہوا کہ مذاکرات اور مفاہمت جاری رکھنے کے لیے افغانستان کے صدر سردار محمد داؤد خان پاکستان تشریف لائیں گے۔ افغانستان کے صدر سردار محمد داؤد خان اور ان کا وفد اگست 1976ء میں پاکستان آئے تو کابل میں جو مذاکرات ہوئے تھے ان کے تسلسل کو راولپنڈی کے مذاکرات میں جاری رکھا گیا۔ بالآخر یہ طے ہوا کہ افغانستان ڈیورینڈ لائن کو بین الاقوامی سرحد تسلیم کرتا ہے۔ افغانستان کے صدر سردار محمد داؤد خان اور پاکستان کے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو نے معاہدے کے مسودے پر اطمینان کا اظہار کیا۔ اب کابل میں ایک رسمی تقریب میں اس معاہدے پر دستخط ہونے تھے مگر اس کے بعد کے واقعات کی وجہ سے کابل کا یہ دورہ نہ ہو سکا۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو کو 5 جولائی 1977ء کو قید کیا گیا اور جنرل محمد ضیاالحق نے فوجی بغاوت کر کے جناب بھٹو کی حکومت ختم کر دی تھی اس لیے پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحدی تنازع کے خاتمے اور دوستی کے معاہدے پر دستخط نہ ہو سکے اور جناب بھٹو کی ساری محنت رائیگاں ہوگئی۔ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے موت کی کال کوٹھڑی میں لکھی ہوئی اپنی کتاب If I am Assassinated میں اپنے کرب کا اظہار یوں کیا:

''موجودہ حالات اور تبدیلیوں کی روشنی میں جو میری واحد اور سب سے اہم کامیابی، جس کے بارے میں میرا یقین ہے کہ وہ میری پبلک لائف کی تصویر میں سب سے نمایاں رہے گی، ایک معاہدہ ہے جو میں نے گیارہ برسوں کی ان تھک محنت اور مذاکرات اور مفاہمت کے بعد جون

1976ء میں اختتام تک پہنچایا تھا۔ یہ میری سب سے بڑی کامیابی ہے اور اپنے ملک اور عوام کی بقا کے لیے سب سے بڑی عطا ہے۔''

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار میں آتے ہی پاکستان کو عظیم ملک بنانے کے خواب کی تعبیر پر کام شروع کیا۔ 20 جنوری 1972ء کو جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ملتان میں ایٹمی سائنس دانوں اور ایٹمی انجینئروں کی کانفرنس بلائی جناب بھٹو نے ان سے مخاطب ہو کر کہا: ''ہم نے ایٹم بم حاصل کرنا ہے۔ کیا تم مجھے یہ دے سکتے ہو؟ اور اس میں کتنا وقت لگے گا؟'' سائنس دانوں نے کہا ''ہاں ہاں ہم دے سکتے ہیں۔'' مذاکرات کے دوران ایک سائنس دان نے کہا کہ ہاں آپ کو پانچ سال میں ایٹم بم ملے گا۔ بھٹو صاحب مسکرائے۔ اپنا ہاتھ اوپر بلند کیا۔ تین انگلیاں دکھا کر کہنے لگے، تین سال۔ مجھے تین سال میں ایٹم بم چاہیے۔ (بھٹو صاحب نے تین سال اس لیے کہا ہوگا کہ انڈیا ان دنوں ایٹمی دھماکہ کرنے کے قریب پہنچ چکا تھا اور بالآخر اس نے مئی 1974ء میں ایٹمی تجربہ کا دھماکا کیا تھا)۔ اس کے بعد جناب بھٹو نے پاکستان کے لیے ایٹم بم کی ضرورت کی وضاحت کی۔ سائنس دانوں نے کہا ''جی ہاں اگر سارے وسائل اور سہولیات مہیا کی جائیں تب ہم تین سال میں ایٹم بم تیار کر سکتے ہیں۔'' جناب بھٹو نے فرمایا: ''میں آپ کے لیے وسائل اور سہولیات ڈھونڈ نکالوں گا۔'' حقیقتاً یہ سائنسدان جناب ذوالفقار علی بھٹو کو ایک سراب دکھا رہے تھے۔ ان دنوں تک حکومت پاکستان غیر ملکی ایجنٹوں کی آماجگاہ بن چکی تھی۔ ان ایجنٹوں کی اعلیٰ عہدوں پر موجود ہوتے ہوئے پاکستان کی بقا کی منزل تک پہنچنا ناممکن تھا۔ اب مختصراً پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے پس منظر کو بیان کرنا ضروری ہے۔ 1956ء میں پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کی بنیاد ڈالی گئی تھی جس کے پہلے سربراہ ڈاکٹر نذیر احمد کاٹن ایکسپرٹ تھے۔ بعدازاں ممتاز سائنس دان ڈاکٹر عثمانی کو 1960ء میں اس کا سربراہ مقرر کیا گیا جنہوں نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (PAEC) کو مستحکم ادارہ بنایا۔ یہ بنیادی ادارہ تھا جس کے ذریعے پاکستان میں ایٹم بم بنانا ممکن ہوا۔ 1961ء میں لاہور میں اٹامک انرجی کمیشن سینٹر قائم ہوا۔ اس سینٹر نے ایٹمی ماہرین کو تربیت دی۔ پنسٹیک، زرعی ترقیاتی سینٹر، میڈیکل سینٹر، معدنیات کے مراکز اور کراچی

نیوکلیئر پاور پلانٹ کے لیے اٹامک انرجی کمیشن سینٹر لاہور سے تربیت یافتہ افرادی قوت مہیا کی جاتی رہی۔ 1965ء میں اسلام آباد کے قریب نیلور میں پانچ میگاواٹ کا ریسرچ ری ایکٹر تعمیر کیا گیا جسے امریکا نے Atom for Peace Programme کے تحت پاکستان کو دیا تھا۔ 1972ء میں ڈاکٹر عثمانی کی زیرنگرانی 137 میگاواٹ کے کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ (KANUPP) کی تنصیب کے کام کا آغاز ہوا۔ 1972ء میں ڈاکٹر عثمانی سبک دوش ہوئے اور ڈاکٹر منیر احمد خان پاکستان اٹامک انرجی کمیشن (PAEC) کے چیئرمین مقرر ہوئے۔ 18 مئی 1974ء کو پوکھران کی ایٹمی ٹیسٹ سائیٹ پر انڈیا نے ایٹمی دھماکا کیا تو اس کے منفی اثرات پاکستان پر پڑے۔ دسمبر 1974ء میں کینیڈا نے KANUPP کے لیے ایٹمی ایندھن اور پرزہ جات کی فراہمی بند کر دی۔ یہ کینیڈا کی طرف سے بین الاقوامی معاہدے سے انحراف تھا۔ پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے سائنس دانوں اور انجینئروں نے اپنے وسائل سے پرزہ جات تیار کیے۔ کان کنی کر کے خام دھات سے پراسیس کر کے یورینیم ایندھن تیار کیا اور 1976ء سے کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ کو چالو کر دیا جس کا افتتاح ذوالفقار علی بھٹو نے کیا۔

کینیڈا کا ایٹمی ایندھن اور پاور پلانٹ کے پرزوں کی فراہمی سے انحراف پاکستان کے لیے نعمت خداوندی ثابت ہوا۔ اب پاکستان یورینیم کے حصول میں خودکفیل ہوگیا تھا۔ یہ کارنامہ جناب ذوالفقار علی بھٹو کے دورحکومت میں ہوا۔ 1967ء میں لکھی گئی اپنی کتاب ''متھ آف انڈیپنڈنس'' Myth of Independence کے باب 16 میں جناب ذوالفقار علی بھٹو نے لکھا تھا کہ انڈیا ضرور ایٹم بم بنائے گا اس لیے پاکستان کی بقا کے لیے لازم ہے کہ وہ بھی ایٹم بم بنائے۔

18 مئی 1974ء کو انڈیا نے ایٹمی دھماکا کیا تو پاکستان کے لیے ضروری ہوا کہ اپنے ایٹمی پروگرام کو سرعت سے آگے بڑھائے اور ایٹمی استعداد حاصل کر لے۔ ستمبر 1974ء میں ہالینڈ میں مقیم پاکستانی سائنس دان ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ خط کے ذریعے رابطہ کیا کہ وہ کم سے کم وقت میں پاکستان کو ایٹمی قوت کا حامل ملک بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ جناب بھٹو نے انہیں پاکستان آنے

کی دعوت دی اور ساتھ میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی صلاحیتوں کے متعلق تمام معلومات حاصل کر لیں۔ اس کے بعد دسمبر 1974ء میں ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی جناب بھٹو سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان فرماتے ہیں کہ انہیں جناب بھٹو نے کہا کہ ''ڈاکٹر خان مجھے صاف صاف اور سچ سچ بتا دیجیے کیا آپ ایٹم بم تیار کر سکتے ہیں؟ اس پر ڈاکٹر قدیر خان نے کہا ''سر یقیناً...... کیوں نہیں...... میں آپ کو اور پاکستانی قوم کو مایوس نہیں کروں گا......مگر کام میں مجھے مکمل آزادی چاہیے۔''

جناب بھٹو نے سوال کیا ''مگر ڈاکٹر خان آپ ایٹم بم بنانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کر سکتے ہیں؟'' ڈاکٹر خان نے جواب دیا ''میں ری پراسیسنگ پلانٹ کی بجائے الٹرا سنٹری فیوج پلانٹ کے ذریعے یورینیم کی افزودگی کروں گا۔ اس سے ہم بہت جلد ایٹم بم بنا لیں گے۔'' اس پر بھٹو صاحب کہنے لگے ''یہ تو بہت مشکل کام ہے۔ آپ جس ادارے میں کام کرتے ہیں وہاں بیس سال سے کام ہو رہا ہے اور سارے یورپ کا ذہن المیلو کے پلانٹ میں صرف ہو رہا ہے۔ اربوں ڈالر خرچ ہو چکے ہیں۔ پاکستان جیسا غریب ملک اس نظام سے کیسے مستفید ہو سکتا ہے؟'' ڈاکٹر خان نے کہا کہ ''میرا خدا مجھے مایوس نہیں کرے گا۔ سر دنیا حیران رہ جائے گی کہ پاکستان جیسا ملک اس جدید ٹیکنالوجی سے کیسے بہرہ مند ہو گیا۔'' اس کے بعد ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جناب بھٹو کے ساتھ تمام تفصیلات کے متعلق گفتگو کر کے انہیں مطمئن کیا۔ ساری تفصیلات معلوم کر کے جناب بھٹو نے ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو کہا کہ ''مسٹر خان! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ جب تک میں زندہ ہوں آپ کے ارادوں پر آنچ نہیں آنے دوں گا۔ آپ ملک کی خاطر اس کام کے آغاز کی تیاریاں شروع کر دیں۔''

ڈاکٹر عبدالقدیر خان ''سحر ہونے تک'' کے صفحہ 70 پر لکھتے ہیں:

''ستمبر 1974ء کو میں نے بھٹو صاحب کو بم بنانے کی پیش کش کی تو انہوں نے فوراً آنے کی دعوت دی۔ ان کو تمام چیزیں بتلا کر واپس چلا گیا مگر جب اواخر دسمبر 1975ء کو میں ان کی دعوت پر دوبارہ آیا تو کچھ کام نہیں ہوا تھا۔ جب میں نے بتلایا تو انہوں نے درخواست کی کہ میں

واپس نہ جاؤں اور رک کر ایٹم بم بناؤں۔ باقی حالات کہ کس طرح سب کچھ چھوڑا، کتنی خطیر تنخواہ پر کام کیا اور کن کن مشکلات و سازشوں کا سامنا کرنا پڑا اب ہماری تاریخ کا حصہ ہیں۔ میرے رفقائے کار اور میں نے نہایت کم عرصے میں اس ملک کو ایٹمی اور میزائل قوت ملک بنا دیا اور ملک کے دفاع کو نا قابل تسخیر بنا دیا۔ میں نے اربوں ڈالر کی ٹیکنالوجی دی اور ایک پائی معاوضہ کا نہیں ملا لیکن اب موجودہ حالات میں غور کرتا ہوں تو اکثر یہ خیال آتا ہے کہ کیا یہ ٹھیک قدم تھا؟ وہ فوج............... جو واحد طور پر میرے کام سے مستفید ہوئی تھی اس نے اپنے محسن کے ساتھ جو سلوک کیا وہ اس ملک کی تاریخ میں ایک سیاہ ترین باب ہے۔ ٹیکنالوجی میری تھی، میں لایا تھا اور پاکستان نے ایک روپیہ بھی خرچ نہیں کیا تھا اور ہم نے این۔ پی۔ ٹی (NPT) پر دستخط بھی نہیں کیے تھے پھر بھی کم ظرف ڈکٹیٹر نے مجھے ذلیل کرنے کی کوشش کی۔''

''دنیا میں عام رواج ہے کہ اگر فوج شکست کھائے تو افسران کی فوراً چھٹی کر دیتے ہیں مگر ہمارے افسران خوش قسمت تھے کہ نہ صرف باعزت بحال رہے بلکہ اعلیٰ عہدوں پر ترقی بھی مل گئی۔ ان کی اور ہماری خوش قسمتی یہ ہے کہ انہیں دوبارہ جنگ نہ لڑنا پڑی۔''

وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کا عدالتی قتل کیا گیا مگر ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے 1984ء میں ایٹم بم بنا دیا۔ 10 دسمبر 1984ء کو ڈاکٹر عبدالقدیر خان نے جنرل محمد ضیاالحق کو تحریری طور پر مطلع کیا کہ ایٹم بم تیار ہے۔ پاکستان کو نا قابل تسخیر اور عظیم بنانے کے اپنے خواب کی تعبیر کے مطابق جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید یوں بیان کرتے ہیں:

''میں اکتوبر 1958ء سے جولائی 1977ء کی انیس سالہ طویل مدت کے دوران پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے نہایت سرگرم اور گہرے طور پر وابستہ رہا ہوں۔ وزیر برقیات، ایندھن اور قدرتی وسائل، وزیر ایٹمی توانائی اور وزیر خارجہ کی مختلف حیثیتوں میں میرا اس سے براہ راست تعلق

اور واسطہ رہا ہے۔ میں نے جب ایٹمی نوانائی کمیشن سنبھالا تو یہ ادارہ صرف دفتر کے بورڈ کی حد تک اپنا وجود رکھتا تھا۔ اس کا بس نام ہی نام تھا۔ انتہائی مستقل مزاجی اور فولادی ارادے کے ساتھ میں نے اپنی تمام قوت و فعالیت ایٹمی صلاحیت کے حصول کی عظیم مہم کے لیے وقف کر دی۔ میں نے نیوکلیئر سائنس کی تربیت حاصل کرنے کے لیے سینکڑوں نوجوانوں کو شمالی امریکا اور یورپی ممالک میں بھیجا...... ۔

میں نے مذاکرات کے ذریعے پانچ میگا واٹ کے ریسرچ ری ایکٹر کا معاہدہ کیا جو پنسٹیک (Pinstech) میں نصب ہوا۔ وزیرخزانہ شعیب اور پلاننگ کمیشن کے ڈپٹی چیئرمین سید حسن کی شدید مخالفت کے باوجود میں کینیڈا سے 137 میگاواٹ (کا نیوکلیئر پلانٹ) حاصل کرنے میں کامیاب ہوا جو کراچی نیوکلیئر پاور پلانٹ بنا اور اس کی افتتاحی تقریب میں حصہ لیا۔ 1976ء کے وسط میں میں نے چشمہ نیوکلیئر پلانٹ کی منظوری دی۔ میری اکلوتی جدوجہد اور کوشش کے نتیجے میں پاکستان میں نیوکلیئر اہمیت و استعداد کے لیے ڈھانچہ بنا اور اس پر کام شروع ہوا...... جب میں نے پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کا چارج سنبھالا تو پاکستان بھارت سے بیس برس پیچھے تھا۔ جب میں وزیراعظم نہ رہا تو مجھے یقین ہے کہ پاکستان بھارت سے پانچ یا چھ سال پیچھے تھا...... جب میں حکومت چھوڑ کر اس موت کی کوٹھڑی میں آیا ہوں تو ہم مکمل نیوکلیئر استعداد حاصل کرنے کی دہلیز تک پہنچ چکے تھے۔" (If I am Assassinated by Z.A.Bhutto)

جناب ذوالفقار علی بھٹو نے پاکستان کو نیوکلیئر استعداد کے لیے ساری سہولیات مہیا کیں اور ایٹم بم کی تیاری پر کام شروع ہوا جس کے نتیجے میں پاکستان ایٹمی اور میزائل قوت ملک بن گیا اور پاکستان کی بقا کو یقینی بنایا گیا۔

پاکستان کی خودمختاری کے لیے جناب ذوالفقار علی بھٹو نے Billatralism یعنی برابری کی بنیاد پر بقائے باہمی کے اصول کے تحت باہمی تعلقات استوار کرنے کو یقینی

بنایا۔ یوں پاکستان کسی بھی طاقت کا حاشیہ بردار نہیں رہا تھا اس لیے جن ممالک کے ساتھ پاکستان معاملات طے کرتا انہیں یقین تھا کہ پاکستان ایک باوقار، آزاد اور خودمختار ملک ہے جس کی وجہ سے حکومت پاکستان ملکی اور عوامی مفاد کو اولیت دینے کی حیثیت میں آ گئی تھی۔ مارچ 1977ء میں جناب ذوالفقار علی بھٹو اوکاڑہ چھاؤنی مین تشریف لائے اور آفیسرز میس میں گیریژن کے فوجی افسران کے ساتھ چائے نوش فرمائی۔ اس وقت میں سینئر کیپٹن تھا۔ وہاں پر موجود تھا اور لاڑکانہ سے میرے تعلق کے ناطے ان سے مختصر گفتگو بھی ہوئی تھی۔ نوجوان افسران نے جناب بھٹو صاحب سے درخواست کی کہ وہ انہیں ایڈریس کریں۔ بھٹو اور سارے افسر کھڑے تھے۔ بھٹو صاحب ان میں گھل مل گئے تھے اور اپنے اونچے قد کی بدولت ساری محفل میں نمایاں تھے۔ ان کی تقریر کے چند الفاظ مجھے آج بھی یاد ہیں۔ جناب بھٹو نے فرمایا:

''1971ء کے بعد امریکا میں ایڈمنسٹریشن کے اعلیٰ عہدیدار مجھے کہتے کہ پاکستان کی اب کوئی حیثیت نہیں رہی۔ پاکستان کی حیثیت بس سکم، بھوٹان اور نیپال جیسی ہو کر رہ گئی۔ دنیا کی سیاست میں پاکستان کا کوئی کردار نہیں رہا۔ میں نے ان کو کہا کہ ہم پاکستان کو عظیم بنا کر دکھائیں گے اور یہ کہ پاکستان عالمی سیاست میں اہم کردار ادا کرے گا۔ جنٹلمین! میں نے ٹکڑے ٹکڑے اٹھا کر اس ملک کی تعمیر اور تکمیل کی اور اسے عظیم بنایا۔ آج پاکستان کا دنیا میں ایک باوقار مقام ہے اور عالمی سیاست میں خاص اہمیت ہے۔ مجھے وقت دیا گیا تو میں پاکستان کو عظیم تر ملک بنا کر رہوں گا۔''

جناب ذوالفقار علی بھٹو پاکستان کو معاشی طور پر مضبوط بنانے اور دیہی آبادی کو زندگی کی آسانیاں مہیا کرنے کی غرض سے توانائی کے وسائل کو فروغ دینے میں کوشاں رہے۔ 1976ء میں بھٹو صاحب نے بین الاقوامی ایٹمی انرجی ایجنسی (IAEA) کی منظوری سے چوبیس ایٹمی بجلی گھروں کا سودا کیا جو مرحلہ وار 2000ء تک پاکستان میں نصب ہونے تھے۔ اس سے نہ صرف ملک میں سستی بجلی فراہم ہونی تھی بلکہ اتنی وافر بجلی مہیا ہونی تھی

جس سے ہر قصبے اور بستی میں عوام کو بجلی فراہم کی جاتی تھی۔ ملک کے کارخانوں کو سستی بجلی کی فراہمی سے معیشت میں بہتری یقینی تھی۔ اس طرح پاکستان کی بقاء بھی یقینی ہو جاتی ہے مگر جناب ذوالفقار علی بھٹو کو ہم سے چھین لیا گیا اور وہ سب کچھ نہ ہو سکا جو جناب ذوالفقار علی بھٹو شہید ملک اور قوم کے لیے کرنا چاہتے تھے۔

5 جولائی 1977ء کی فوجی بغاوت نے ملک کو سنگین صورت حال میں ڈال دیا۔ اس صورت حال کے متعلق میں جناب بھٹو شہید کے الفاظ میں بیان کرنا چاہوں گا اور یہ بھی بیان کروں گا کہ جناب بھٹو صاحب نے سامراجی ایجنٹوں کی تقدیر کے متعلق جو پیش گوئی کی وہ کس طرح سچ ثابت ہوئی۔ پاکستان میں 1977ء کی فوجی بغاوت اور مستقبل میں آنے والی فوجی بغاوتوں کے متعلق جناب بھٹو شہید نے جو پیشین گوئیاں کیں وہ بھی کس قدر سچ ثابت ہوئیں۔ بھٹو صاحب نہایت دور اندیش تھے اور بین الاقوامی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے۔

جناب بھٹو صاحب If I am Assassinated میں لکھتے ہیں: ''اب یہ وقت آ گیا ہے جنرل نے پاکستان میں جو بحران پیدا کیا ہے اس کے گہرے کنوئیں کے اندر دیکھے۔ مجھے اجازت دیجیے کہ میں اس بات کو کھرے انداز میں واضح کر سکوں، خودغرضانہ رویے اور طرز عمل، جہنمی انتقام نے یہ سارے بحران جنم دیئے ہیں۔ آج پاکستان جن بحرانوں کا سامنا کر رہا ہے یہ 1971ء کے بحرانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ خوف ناک اور تباہ کن ہیں۔ معروضی طور پر بات کرتے ہوئے کہوں گا کہ اس وقت حقیقی سیاست اور سیاست کے مطابق پانچ پڑوسی ملکوں کا گہرا واسطہ بنتا ہے۔ اگر پاکستان عدم استحکام اور گڑبڑ کا اس طرح مستقبل میں شکار رہا تو یہ تصور بھی بہت خطرناک ہے، ان پانچ ہمسایہ ملکوں میں سے کوئی ایک پاکستان کو اس صورت حال میں مبتلا دیکھ کر ہڑپ کر جائے گا۔ یہ انتہائی قسم کی رجائیت پسندی ہوگی کہ یہ پانچوں ملک تارک الدنیا بن کر دوسری طرف دیکھنے لگیں گے۔ ان میں سے ہر ایک کی فوجی حکمت عملی اور جغرافیائی سیاسی مفادات کا پاکستان سے تعلق ہے۔ کوئی ملک بھی اسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔ ہمارا پیارا ملک ویت نام سے زیادہ تباہ کن میدان جنگ بن سکتا ہے۔'' افسوس کہ گزشتہ کئی برسوں سے ہمارا پیارا

ملک پاکستان ویت نام سے بھی زیادہ تباہ کن جنگ میں مبتلا ہو چکا ہے۔

کرنل شاہ رفیع عالم نے اپنی تصنیف بھٹو کے 323 دن کے صفحہ 59 میں لکھا ہے کہ ''بھٹو صاحب...... چند لمحے خاموشی کے بعد کہنے لگے'' آج ہمارا جنرل امریکیوں کا منظور نظر ہے لیکن کل جب اس نے ہز ماسٹرس وائس (His Master`s Voice) پر توجہ نہ دی تو اس کا انجام بھی ویسا ہی ہوگا جو اس طرح کے سامراجی ایجنٹوں کا ہوا کرتا ہے۔''

جناب بھٹو کے یہ کلمات بھی سچ ثابت ہوئے۔ جنرل محمد ضیاالحق اپنے رفقا کے ہمراہ ایک پراسرار ہوائی حادثے میں ہلاک ہوئے جبکہ دوسرے سامراجی ایجنٹ جنرل پرویز مشرف ملک بدر ہو کر در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور ہوئے۔ جنرل پرویز مشرف اپنے اوپر دائر کیے گئے مقدمات کی وجہ سے پریشانی اور گھبراہٹ کا شکار ہیں۔

باب دوازدہم

پاکستان کے اہم مفادات اور ترجیحات

1۔ معیشت کی بحالی:

حکومت پاکستان کو ملک کی معاشی بدحالی کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔ آج کے ترقی یافتہ دور میں کسی بھی ملک کی اصل طاقت معیشت کی مظبوطی کو سمجھا جاتا ہے۔ ایک طاقتور معیشت کے حامل ملک کو ہی طاقتور ملک تصور کیا جاتا ہے۔ پاکستان کی معیشت نہایت کمزور اور خستہ حال ہو چکی ہے کیونکہ معیشت کو تباہ کرنے کے عناصر طویل عرصہ سے مصروفِ کار ہیں۔ اس سے قطع نظر کہ معیشت کی تباہی کی کیا وجوہات ہیں جبکہ وجوہات تو سادہ اور عام فہم ہیں، کہ عرصہ دراز سے ملکی وسائل کی لوٹ مار ہوتی رہی ہے اور مزید وسائل پیدا کرنے کے برعکس زیرِ تعمیر اور زیرِ عمل ترقیاتی پراجیکٹ منجمد کیے گئے اور کمیشن، کرپشن اور لوٹ مار کرنے کے ذرائع بڑھائے جاتے رہے۔ جس سے معیشت کھوکھلی ہو کر رہ گئی۔

پاکستان کو اللہ جل شانہ نے ایسے تمام وسائل سے مالا مال کیا ہے جو کہ ایک قوی اور طاقتور معیشت کی تعمیر کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ پاکستان کی سرزمین کچھ اس طرح کی ہے کہ جغرافیائی طور پر یہاں پر وسیع زرعی میدانی علاقہ ہے۔ دریاؤں میں پانی کی فراوانی ہے اور آبپاشی کے لیے دنیا کا جدید ترین اور جامع نہری نظام بھی موجود اور فعال ہے۔ دریاؤں کا بہاؤ کچھ اس طرح سے ہے کہ ان پر متعدد مقامات پر ڈیمز، ہائیڈرو ورکس اور ہائیڈرو پاور بجلی کے پراجیکٹ تعمیر کیے جا سکتے ہیں اور زراعت کے لیے مزید

پانی کے بندوبست کے ساتھ ارزاں بجلی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ جبکہ یہ دونوں عناصر معیشت کی بحالی اور ترقی کے لیے نہایت اہم ہیں۔ معدنی اور قدرتی وسائل بھی لامحدود ہیں جبکہ ہزاروں کلومیٹر طویل ساحلی پٹی ہے جس پر جہاز رانی کے لیے بہترین بندرگاہیں ہیں اور سمندر میں بے تحاشا آبی حیات موجود ہے۔ ان تمام وسائل کو بروئے کار لانے کے لیے پاکستان میں قابل اور محنتی انجینئر، سائنسدان، ٹیکنیشن اور جفاکش ورک فورس کے علاوہ جدید ٹیکنالوجی بھی موجود ہے۔ زراعت، نہری نظام، معدنیات اور آبی حیات کی موثر منصوبہ بندی کر کے پاکستان قلیل عرصہ میں نہ صرف معیشت کو بحال کر سکتا ہے بلکہ ایک ترقی یافتہ ملک بن سکتا ہے۔

محکمہ شماریات کی 2005ء کے اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں قابل کاشت زمین کا رقبہ تقریباً 50.50 ملین ایکڑ ہے جو ساری کی ساری زیر کاشت نہیں ہے۔ جبکہ موجودہ زیر کاشت رقبہ کو پانی کی فراہمی میں کمی کی وجہ سے مشکلات کا سامنا ہے اور سالانہ چلنے والی نہروں پر بھی وارا بندی کی جاتی ہے۔

زراعت پاکستان کی معیشت کا سب سے بڑا شعبہ ہے۔ ملک کی آبادی کی اکثریت اس شعبہ سے منسلک ہے۔ ملک کی GDP کا 24 فیصد زراعت کے شعبہ سے حاصل ہوتا ہے۔ 1947ء میں مغربی پاکستان یعنی موجودہ پاکستان میں 11.6 ملین ایکڑ رقبہ زمین زیر کاشت تھی۔ بعد ازاں سکھر بیراج میں سے مزید نہریں نکالی گئیں، منگلا اور تربیلا ڈیموں میں پانی ذخیرہ کر کے آبپاشی کے لیے فراہم کیا جاتا رہا۔ پانچ ہائیڈرو ورکس یعنی بیراج اور سات لنک کینالوں کے ذریعے دریائے راوی اور دریائے ستلج کو فعال بھی کیا گیا اور زراعت کے لیے پانی مہیا کیا گیا۔ محکمہ شماریات حکومت پاکستان کے مطابق 2005 میں پاکستان میں 38.20 ملین ایکڑ رقبہ زمین پر کاشتکاری ہو رہی ہے۔ اب بھی مزید 12.30 ملین ایکڑ رقبہ زمین ایسی ہے جو قابل کاشت ہونے کے باوجود زیر کاشت نہیں ہے۔ جس کے لیے آبی وسائل کو ترقی دینے کی ضرورت ہے تاکہ اس زمین کو بھی زیر کاشت لایا جا سکے۔ پاکستان کے دریاؤں میں 138.4 MAF ملین ایکڑ فٹ پانی کا بہاؤ ہے جبکہ اس پانی کے علاوہ 180.0 MAF ملین ایکڑ فٹ بارشوں کا پانی ہے۔ بارشوں

کے پانی میں سے 25 MAF ملین ایکڑ فٹ پانی بارانی کاشتکاری اور نیم بارانی کاشتکاری کے لیے استعمال ہو رہا ہے اور بقایا 155 MAF ملین ایکڑ فٹ برسات کا پانی سیلابوں کا سبب بن کر موجود فصلوں کو تباہ کرتے ہوئے، انسانی بستیوں کو برباد کرتے ہوئے سمندر برد ہو جاتا ہے۔ پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیم بنا کر سیلابوں کی تباہی سے بچا جا سکتا ہے۔ موجود فصلوں کو تباہی سے بچایا جا سکتا ہے (2010ء کے سیلابوں میں 885 ارب روپے کے نقصان کا تخمینہ ہے) اور غیر آباد 12.30 ملین ایکڑ رقبہ زمین کو زیر کاشت لا کر ملک میں زرعی اجناس کی فراوانی اور ارزانی کی جا سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ملک کے اندر انڈسٹری کے لیے خام مال مہیا کیا جا سکتا ہے اور زائد خام مال برآمد کر کے زرمبادلہ کمایا جا سکتا ہے۔

• پاکستان میں ایک بہترین آبی اور نہری نظام موجود ہے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے۔ ہر سال مون سون کے موسم میں بارانی پانی کی وجہ سے خریف کی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں، انسانی آبادیاں برباد ہوتی ہیں اور دیگر انفراسٹرکچر یعنی اسکول، ہسپتال اور سڑکیں وغیرہ تباہ ہوتی ہیں اور پھر یہ پانی سمندر برد ہو جاتا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ منصوبہ بندی کر کے اس پانی کا موثر استعمال کرنے کے لیے ڈیمز میں ذخیرہ بھی کر لیا جائے اور اسے اس طرح سے ریگولیٹ کیا جائے تاکہ سیلاب کی تباہیوں سے بچا جائے اور زائد پانی سمندر میں چلا بھی جائے تو کوئی نقصان کیے بغیر جا سکے۔ حکومت پاکستان کے واٹر اینڈ پاور ڈویلپمنٹ اتھارٹی WAPDA محکمہ نے اس ضمن میں کئی منصوبے بنائے ہوئے ہیں جن کے ذریعے بارانی پانی کو استعمال بھی کیا جا سکتا ہے اور اسے ریگولیٹ کر کے سیلاب کی تباہیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ ان میں دیامیر بھاشا ڈیم، اکھوڑی ڈیم، کالا باغ ڈیم، سہون ہائیڈرو ورکس بیراج، صوبہ خیبر پختونخوا بلوچستان اور دیگر صوبوں میں درمیانے اور چھوٹے ڈیمز شامل ہیں۔

دیامیر بھاشا ڈیم ایک خواہش ناتمام جیسا ہے۔ یہ ڈیم دریائے سندھ پر تعمیر ہونا ہے اور تربیلا ڈیم سے 315 کلومیٹر شمال میں صوبہ گلگت بلتستان کے شہر چلاس سے 40 کلومیٹر کے فاصلہ پر واقع ہے۔۔ 30 جون 2008 کی رپورٹ کے مطابق دیامیر بھاشا ڈیم

میں تجویز کردہ پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش 6.4 MAF ملین ایکڑ فیٹ ہے اور ہائیڈرو الیکٹرک یعنی بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت 4500 MW میگاواٹ ہے۔

ڈیزائن کے مطابق دیامیر بھاشا ڈیم کی اونچائی 660 فٹ ہے۔ اس ڈیم کے مکمل ہونے کے بعد شاہراہ ریشم کے 120 کلومیٹر سڑک زیرِ آب آئے گی یعنی پانی میں غرق ہو جائے گی۔ اس لیے شاہراہ قراقرم کو ملانے کے لیے متبادل راستہ 250 کلومیٹر نئی سڑک بنائی جائے گی، جو کہ سنگلاخ پہاڑوں میں سے نکالنی ہوگی۔ دیامیر بھاشا ڈیم کی ایک قباحت یہ بھی ہے کہ اس کی سائیٹ زلزلہ کی سیسمک فالٹ لائن کے قریب ہے لہٰذا مستقبل میں کبھی 2005 کے زلزلوں کی طرح کے کوئی اور زلزلے آتے ہیں تو پاکستان کے میدانی علاقہ کو برباد کرنے کے لیے اس ڈیم میں ذخیرہ کردہ پانی کافی ہے۔ بہ الفاظ دیگر دیامیر بھاشا ڈیم گویا قدیم یمن کے سدِ معارب کی طرح تباہی لا سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ دیامیر بھاشا ڈیم کو کچھ اس طرح ڈیزائن کیا جائے کہ اس میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کم کر دی جائے تا کہ شاہراہ ریشم بھی زیرِ آب نہ آئے اور آنے والے وقتوں میں کسی قدرتی آفت یعنی زلزلہ کی صورت میں ڈیم ٹوٹنے کا اندیشہ نہ رہے۔ اور اگر ڈیم کو نقصان پہنچے تو پھر اس سے بہنے والے پانی کو نیچے کی طرف بہاؤ میں واٹر مینجمنٹ کا بندوبست موجود ہو تا کہ تباہی سے بچا جا سکے۔ اس ڈیم کو دوبارہ ڈیزائن کرنے سے اور شاہراہ ریشم کو غرق ہونے سے بچانے سے دیامیر بھاشا ڈیم کی تعمیر میں لاگت بھی کم آئے گی اور ڈیم کی تعمیر کم وقت میں مکمل ہونا بھی ممکن ہو سکے گا۔ موجودہ ڈیزائن کے مطابق دیامیر بھاشا ڈیم نہ تو پاکستان کے معاشی وسائل سے بننا ممکن ہے نہ ہی کئی برسوں میں مکمل ہونے کی توقع ہے۔ اس لیے موجودہ ڈیزائن کے مطابق دیامیر بھاشا ڈیم کا بننا یقیناً ایک سہانا خواب ہے۔ ہمیں دیامیر بھاشا ڈیم کے ثمرات پر زیادہ امیدیں باندھنی نہیں چاہئیں۔ اس لیے دیگر پراجیکٹس پر انحصار کرنا ہوگا جو کم مدت میں کم لاگت سے مکمل ہو سکتے ہیں۔

صوبہ خیبر پختونخوا میں ٹانک زم ندی پر ٹانک شہر کے نزدیک ٹانک زم ڈیم گنجائش 0.289MAF، بنوں شہر کے نزدیک کرزم ندی پر کرزم تنگی ڈیم گنجائش 0.90MAF،

سوات کے نزدیک سوات ندی پر منڈا ڈیم گنجائش 0.676MAF اور ٹانک کے مغرب میں گومل زم ڈیم گنجائش 0.892MAF ہے اور یہ چاروں منصوبے مکمل ہوئے ہیں۔ ان کی مجموعی گنجائش 2.757MAF ہے۔ اس ذخیرہ کردہ پانی کو استعمال کر کے صوبہ خیبر پختونخوا میں زیر کاشت موجودہ زمین کے لیے پانی کی کمی کو پورا کرنے کے ساتھ مزید قابل کاشت بنجر زمین کو زیر کاشت لایا جائے گا۔ WAPDA کا ایک اور پانی ذخیرہ کرنے کا منصوبہ اکھوڑی ڈیم ہے۔ یہ ڈیم صوبہ پنجاب کے ضلع اٹک کے گاؤں اکھوڑی کے نزدیک دریائے ہارو کی معاون ندی، نندا کس پر بنایا جا رہا ہے۔ اکھوڑی ڈیم میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش 6.0MAF (چھ ملین ایکڑ فٹ) ہے۔ اور ہائیڈرو پاور کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت 600MW میگاواٹ ہے۔

اس کے بعد واپڈا کا ایک عظیم منصوبہ پنجاب کے ضلع میانوالی کے شہر کالاباغ کے نزدیم دریائے سندھ پر کالا باغ ڈیم ہے۔ اس ڈیم کا ڈیزائن کچھ اس طرح کا ہے کہ یہ بارانی پانی کو ریگولیٹ کرنے کے ساتھ ذخیرہ شدہ پانی میں سے ملک میں خریف اور ربیع کی فصلوں کے لیے بروقت پانی مہیا کر سکتا ہے۔ یوں موجودہ زیر کاشت رقبہ زمین پر کاشت کردہ فصلوں کی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ کالاباغ ڈیم کی تعمیر مکمل ہونے سے سیلاب کی تباہ کاریوں سے فصلوں کے بچاؤ، ڈیم کی ہائیڈرو پاور سے پیدا کردہ بجلی کی فروخت کی آمدن، خریف اور ربیع کی فصلوں کو بروقت پانی کی فراہمی کی وجہ سے زرعی پیداوار میں اضافہ، غیر آباد بنجر زمین کو زیر کاشت لانے کی صورت میں اضافی آمدن، اور صوبہ سندھ میں RBOD کے ذریعے موسم برسات میں حمل جھیل اور منچھر جھیل کو تازہ پانی کی فراہمی اور 542,500 ایکڑ سیم زدہ زمین کی بحالی، LBOD کے ذریعے سیلاب سے بچاؤ کے ساتھ سیم زدہ زمین کی بحالی، یعنی ان تمام صورتوں میں اربوں روپیہ سالانہ کا فائدہ ہوتا ہے جو معیشت کی بحالی کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے۔ کالاباغ ڈیم میں پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش 6.1MAF (چھ اعشاریہ ایک ملین ایکڑ فٹ) ہے۔ ہائیڈرو پاور کے ذریعے بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت شروع میں 3600MW میگاواٹ ہے جسے بعد میں ترقی دے کر 4500MW میگاواٹ تک بڑھایا جا سکتا ہے۔

سندھ میں سکھر کے مقام پر دریائے سندھ پر سکھر بیراج ہے جس کے پانی کے گزرنے کے 66 دروازے ہیں۔ ان میں سے 9 دروازے سلٹ جمع ہونے کی وجہ سے بند پڑے ہیں، یوں سکھر بیراج میں سے پانی گزرنے کی گنجائش کم ہوگئی ہے۔ اس کے علاوہ روہڑی سے لے کر سکھر بیراج تک دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر پختہ دیوار پہلے سے تعمیر شدہ ہے۔ ان دیواروں کے ساتھ سلٹ (بھل) جمع ہونے کی صورت میں سکھر کے مقام پر دریائے سندھ میں پانی کی گنجائش کم ہوگئی ہے جس کی وجہ سے سکھر بیراج کی پانی ریگولیٹ کرنے کی صلاحیت میں کمی آئی ہے۔ یہاں پر دریا کی بھل صفائی کرنی چاہیے تا کہ سکھر بیراج کی تعمیر شدہ صلاحیت بحال ہو سکے۔

میں نے حالیہ دورہ برطانیہ میں مشاہدہ کیا ہے کہ لندن کے مقام پر دریائے ٹیمز کی گنجائش کو بحال رکھنے کے لیے دریا کے پانی پر کئی Dredger موجود ہیں۔ اس طرح کے Dredger دریائے سندھ میں سکھر کے مقام پر ہونے چاہئیں جو کہ مسلسل دریا کو صاف کرتے رہیں۔ اسی طرح کے Dredger تربیلا اور منگلا ڈیم میں بھی ہوں جو ڈیم کی صفائی کرتے رہیں تو ان کے کناروں کی اونچائی بلند کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے۔ جہاں تک مجوزہ کالاباغ ڈیم کا معاملہ ہے تو اس ڈیم کا ڈیزائن ہی کچھ اس طرح ہے کہ ڈیم کے پیندے یعنی Bottom سے 50 فٹ نیچی سطح سے پانی کا اخراج ہونا ہے، اس لیے ڈیم میں سلٹ (بھل) جمع ہونے کی صورت نہیں بن سکتی۔

دریائے سندھ کے نیچے کی طرف بہاؤ کے راستہ میں down stream سہیون کے قریب ایک ہائیڈ رو ورکس، سہیون بیراج کی تجویز بھی ہے۔ سہیون بیراج سے نہریں نکال کر سندھ میں پانی کی کمی کو پورا کیا جا سکتا ہے۔ مزید بنجر اور غیر آباد زمین کو زیر کاشت لایا جا سکتا ہے اور موسم برسات میں سیلابی پانی کو ریگولیٹ کیا جا سکتا ہے تا کہ تباہی مچائے بغیر سیلابی پانی سمندر میں داخل ہو سکے۔

اس طرح دوبارہ ڈیزائن کردہ دیامیر بھاشا ڈیم، صوبہ خیبر پختونخوا اور بلوچستان میں درمیانے اور چھوٹے ڈیم اخوڑی ڈیم، کالاباغ ڈیم، سکھر بیراج کی بحالی، LBOD، RBOD، پنجاب اور بلوچستان کے لیے کچھی کینال اور گریٹر تھر کینال، سندھ کے لیے

رینی کینال، اور سیہون بیراج کے منصوبوں کی تکمیل کے بعد ایک جدید اور جامع نہری نظام کے ذریعے پاکستان میں بقیہ غیر آباد قابل کاشت رقبہ زمین کو زراعت کے لیے استعمال کر کے پاکستان کی معیشت کو بحال کیا جا سکتا ہے۔ دیامیر بھاشا ڈیم کے علاوہ بقیہ تمام مذکورہ منصوبہ جات پانچ سال کے اندر مکمل ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعمیر اور تکمیل کے لیے رقم بھی حکومت پاکستان مہیا کر سکتی ہے۔ فنڈز کی کمی کی صورت میں ٹریژری بلز کے ذریعے عوام سے ادھار بھی لیا جا سکتا ہے اور پراجیکٹ مکمل ہونے کے بعد ان کی آمدن سے یہ رقم عوام کو واپس کی جا سکتی ہے۔ فقط جامع منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔

معیشت کی بحالی کے لیے زراعت کے بعد صنعت کا شعبہ ہے۔ صنعت کے شعبہ کو ترقی دینے کے لیے توانائی کے سستے ذرائع کی ضرورت ہے۔ توانائی کی مد میں بجلی اور ایندھن ضروری لوازمات ہیں۔ بجلی کی ضروریات کے معاملے میں بھی WAPDA کے کیے ہائیڈرو پاور پراجیکٹس ہیں جن کو 2008/2013 کے دوران جمہوری حکومت نے منجمد کر رکھا ہے اور ان کی تعمیر اور تکمیل کے لیے مختص رقوم کو ملی بھگت سے رینٹل پاور پراجیکٹس کی طرف منتقل کر کے وزیر واپڈا اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں نے ہڑپ کر لیے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ سابق وزیر واپڈا کو سزا دی جاتی مگر پارلیمان میں موجود عوامی نمائندوں نے ان کو وزیراعظم منتخب کر لیا۔ ایسے نااہل اور بدعنوان وزیر کو وزیراعظم بنانا ملک اور قوم کی بدقسمتی ہے۔

محکمہ واپڈا حکومت پاکستان کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں گرمیوں میں بجلی کی کھپت 4 جولائی 2012ء کو 18,713 میگاواٹ تھی اور 4 اکتوبر 2012ء کو 14,200 میگاواٹ تھی۔ مئی 2013ء تک بجلی کی پیداواری صلاحیت، پن بجلی (ہائیڈروالیکٹرک) 7,818 میگاواٹ، تھرمل بجلی 4,838 میگاواٹ، کراچی الیکٹرک سپلائی کارپوریشن تھرمل بجلی 1,765 میگاواٹ، ایٹمی پاور سے مجموعی بجلی 1,462 میگاواٹ اور IPPs سے بجلی 6,185 میگاواٹ یعنی مجموعی طور پر 22,068 میگاواٹ ہے۔ سابق حکومت کے دور میں وزراء، مشیر، بااثر افراد کے ذمہ اربوں روپیہ بجلی کے بلوں کی نادہندگی کی مد میں واجب الادا ہیں۔ ان سے نہ تو رقم وصول کی جاتی ہے نہ ہی ان کے کنکشن منقطع کیے جاتے ہیں۔ اس

کی وجہ سے جو لوگ بجلی کے بلوں کی پوری ادائیگیاں کرتے ہیں ان سے فیول ایڈجسٹمنٹ چارجز کے بہانے مزید رقم وصول کی جاتی ہے اور لوڈشیڈنگ کے عذاب میں بھی مبتلا کیا جاتا ہے۔ حکومت کو چاہیے کہ نادہندگان سے وصولیاں یقینی بنائیں، تیل اور گیس پر چلنے والے یونٹوں کو اندرون ملک حاصل ہونے والے کوئلہ سے چلائیں۔ اس کے علاوہ ہائیڈرو پاور کے منصوبے جلد از جلد مکمل کریں اور IPPs سے جلد از جلد جان چھڑوائیں۔ ہائیڈرو پاور کے ذریعے بجلی کا حصول سستا ہے کیونکہ پاور پلانٹ کو چلانے کے لیے پانی کی قوت درکار ہوتی ہے جو مفت ہے۔ واپڈا کے مطابق ہائیڈرو پاور سے حاصل شدہ بجلی کی فی یونٹ قیمت 2.25 روپیہ ہے۔ پانچ برسوں میں پراجیکٹ پر لگی ہوئی رقم واپس وصول ہو جاتی ہے تو پھر 0.90 روپیہ (یعنی نوے پیسہ فی یونٹ) کے حساب سے بجلی فروخت ہو سکتی ہے۔ ملک میں جوں ہی ہائیڈرو پاور کے ذریعے سے بجلی کی پیداوار کے عنصر میں اضافہ ہوتا جائے تو صارفین کو سستی بجلی مہیا کی جا سکتی ہے۔

پاکستان میں ہائیڈل الیکٹرک اور تھرمل الیکٹرک اور نیوکلیئر الیکٹرک کو ملا کر مجموعی طور پر 14,118 میگاواٹ بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔ نئی جمہوری حکومت جسے 2013ء سے 2018ء تک حق حکمرانی ملے گا، وہ لگن سے کام کریں تو ایک یا ڈیڑھ سال کے اندر بونجی ہائیڈرو پاور پراجیکٹ جو کہ منصوبہ کے مطابق 2010ء میں مکمل ہونا چاہیے تھا، اسے اب مکمل کر کے 7,100 میگاواٹ بجلی کے قومی گرڈ میں شامل کر کے موجودہ بجلی کے بحران پر قابو پا سکتے ہیں۔ بونجی ہائیڈرو پاور کی تکمیل سے پاکستان میں بجلی کی پیداواری صلاحیت 21,218 میگاواٹ ہو جاتی ہے۔ یوں ہائیڈرو الیکٹرک کا عنصر غالب ہو جائے گا اور تھرمل پاور پلانٹ کو مقامی کوئلہ سے چلانے سے بھی اخراجات کم ہوں گے تو صارفین کو موجودہ قیمت کے مقابلہ میں نصف سے بھی کم قیمت پر بجلی مہیا کرنا ممکن ہوگا۔ اس کے علاوہ تھاہ کوٹ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ (پیداواری صلاحیت 2,800 میگاواٹ) اور پتن ہائیڈرو پاور پراجیکٹ (پیداواری صلاحیت 2,800 میگاواٹ) بھی رواں پراجیکٹ ہیں۔ ان پر بھی کام کو جاری کیا جائے تو دو برسوں کے اندر یہ مکمل کیے جا سکتے ہیں اور ملک میں بجلی کی پیداواری صلاحیت 26,818 میگاواٹ ہو جاتی ہے۔ نئی جمہوری حکومت یوں لگن

سے کام کرتی رہے تو 2018ء تک اپنے دور حکومت داسو ہائیڈرو پاور پراجیکٹ (پیداواری صلاحیت 4,320 میگاواٹ)، نیلم جہلم ہائیڈرو پاور پراجیکٹ (پیداواری صلاحیت 969 میگاواٹ)، کوہالہ ہائیڈرو پاور پراجیکٹ (پیداواری صلاحیت 1,100 میگاواٹ) کے علاوہ دیگر چھوٹے اور درمیانہ ہائیڈرو پاور پراجیکٹس مکمل کر کے بجلی کی پیداواری صلاحیت 33,207 میگاواٹ اور اس سے بھی زیادہ بجلی پیدا کر سکتے ہیں۔ ملک میں سستی اور مسلسل بجلی کی فراہمی سے عوام کا معیار زندگی بلند ہوگا۔ عام آدمی کو سہولیات ملنے میں اضافہ ہوگا اور کارخانے چلتے رہیں گے۔ مزدوروں کو روزگار کی فراوانی ہوگی تو ملک میں امن و امان کے مسائل میں بھی نمایاں کمی آئے گی۔ کارخانوں سے بنے ہوئے مال پر لاگت کم آئے گی تو ایک طرف مزدور کی اجرت میں اضافہ ممکن ہو سکے گا تو دوسری طرف پاکستان کی مصنوعات عالمی منڈی میں مقابلہ کر سکیں گے اور ملک کے لیے کثیر زرمبادلہ بھی کمایا جا سکے گا۔

پاکستان میں معیشت کی بحالی کے لیے تیسرا عنصر، کوئلہ، گیس اور تیل کی حسب ضرورت فراہمی ہے۔

پاکستان کے صوبہ سندھ اور بلوچستان میں کوئلہ کے وسیع ذخائر ہیں اور یہ ذخائر دریافت کی جا چکی ہیں۔ ان ذخائر میں سے ملکی ضروریات کے مطابق کوئلہ نکالنا چاہیے اور غیر ممالک سے کوئلہ کی درآمد بند کر دینی چاہیے۔ تیل کے سندھ اور بلوچستان کے علاوہ صوبہ پنجاب اور خیبر پختونخوا میں بھی وسیع ذخائر موجود ہیں۔ پاکستان کی حکومت کو چاہیے کہ تیل نکالنے کے لیے مغربی اور امریکی کمپنیوں کو نزدیک نہ آنے دیں۔ کیونکہ جب مغربی اور امریکی کمپنیاں پاکستان میں تیل نکالنے کے لیے گھس جائیں گے تو یہ طاقتور ممالک نیو امپیریلزم کے تحت وسائل سے مالا مال ممالک پر قبضہ کرنے میں مصروف عمل ہو جاتے ہیں۔ جس طرح امریکی اور یورپی ممالک نے عراق اور لیبیا کا حال کیا ہے اسی طرح یہ ممالک پاکستان کا بھی حال کریں گے۔ لہٰذا ہمیں چاہیے کہ اپنے ملک کے ادارہ کے لیے آئل رگ اور دیگر مشینی سہولیات مہیا کی جائیں تاکہ وہ خود یعنی OGDC زیادہ صلاحیتوں کی بدولت خود تیل اور گیس کے کنویں کھودیں اور ملکی ضروریات پوری ہو سکیں،

تا آنکہ پاکستان کو تیل اور گیس ممکنہ طور پر درآمد نہ کرنا پڑے۔ ہمیں زیادہ تیل نہیں نکالنا چاہیے۔ پاکستان کے پاس بیشک تیل کے وسیع ذخائر موجود ہیں لیکن تیل کو برآمد کرنے کا کبھی بھی نہیں سوچنا چاہیے تاکہ یورپی ممالک اور امریکہ کی رال نہ ٹپکے۔ تیل کی مصنوعات کی درآمد ہی رک جائے تو پاکستان کی معیشت انتہائی ترقی یافتہ بن جائے گی۔

سنہ 2013ء کے اوائل تک پاکستان میں گیس کی مجموعی پیداوار 4,292mmcfd ہے جبکہ کھپت 2,800mmcfd ہے اور گیس کی کھپت میں روزانہ اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ پاکستان نے تاشقند سے پائپ لائن کے ذریعے گیس درآمد کرنے کا معاہدہ کیا ہے جس میں افغانستان اور انڈیا بھی شامل ہے۔ یہ گیس امریکی کنسورشیم کمپنی سے خریدی جا رہی ہے جس میں یہودی، ہنری کسنگر، ڈک چینی کے علاوہ ڈونلڈ رمزفیلڈ حصہ دار ہیں۔ یہ گیس امریکی دباؤ کے تحت خریدی جا رہی ہے۔ اس معاہدہ اور منصوبہ کو TAPI کہتے ہیں۔ حال ہی میں افغانستان نے TAPI معاہدہ سے علیحدہ ہونے کا اعلان کیا ہے۔ قوی امکان ہے کہ امریکا کے افغانستان سے اخراج کے بعد انڈیا بھی TAPI سے علیحدہ ہو جائے گا۔ جس طرح ماضی میں انڈیا نے ایران، پاکستان، انڈیا گیس معاہدہ IPI سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ اس لیے TAPI کے گیس منصوبے پر زیادہ انحصار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اگر انڈیا TAPI سے باہر ہو جاتا ہے تو پھر پاکستان کے لیے تاشقند سے گیس لینا ممکن نہیں رہتا۔ البتہ اپنے پڑوسی ملک ایران سے گیس خریداری کا معاہدہ ہو چکا ہے۔ ایران نے اپنے ملک کے اندر پاکستان کی سرحدوں تک گیس پائپ لائن بچھا دی ہے اور پاکستان کو مالی معاونت کے طور پر پچاس کروڑ ڈالر بھی دیئے ہیں۔ پاکستان کو چاہیے کہ ایران کی سرحدوں سے گیس پائپ لائن بچھانے اور اسے گیس کے نیشنل گرڈ کے ساتھ جوڑنے میں دیر نہ کرے تاکہ ملک میں گیس کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرتے رہیں۔

پاکستان میں ڈیمز بنا کر پانی کی فراہمی میں اضافہ اور ہائیڈرو الیکٹرک پیدا کر کے بجلی کی فراہمی میں اضافہ، کوئلہ، تیل اور گیس کی ضروریات ملکی پیداوار سے پوری کرنے کے بعد ملک کی معیشت کی بحالی اور ترقی کے اہداف احسن طریقہ سے پورے کیے جا سکتے ہیں۔

2- ملک میں امن و امان کا قیام اور امریکی جنگ سے پاکستان کی علیحدگی:

گزشتہ کئی برسوں سے امریکا نے پاکستان کو اپنے مفاد کے لیے جنگ میں الجھائے رکھا۔ امریکا کا افغانستان میں جنگ کرنا ان کا اپنا مسئلہ ہے۔ یہ پاکستان کی جنگ نہیں ہے۔ حکومت پاکستان کو جاننا چاہیے کہ امریکا کا افغانستان میں جنگ کو جاری رکھنا اور اسے طول دینا پاکستان کے قومی مفاد کے خلاف ہے۔ اس جنگ میں امریکا کو جتنی بھی سہولیات دی جائیں گی جتنی بھی معاونت کی جائے گی اتنی ہی یہ جنگ طویل ہوتی رہے گی اور ہماری معیشت بھی نڈھال ہوگی۔ ملک کے اندر امریکی جاسوسی نیٹ ورک بھی مستحکم ہوگا۔ ماضی کے دس برسوں میں افغانستان میں آ کر امریکہ کی انتظامیہ نے پاکستان کو ہی برباد کرنے کی سازشیں کی اور بھرپور کوشش کی کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات کو اٹھا لے جائے۔ اس لیے امریکی انتظامیہ پر کسی صورت اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے لیے جواز بھی ہے۔ ایک یہ کہ پاکستان پچاس ارب ڈالر خرچ کر چکا ہے مگر امریکا سے پاکستان کو کیری لوگر بل جیسی ذلت آمیز شرائط کے ساتھ چند ارب ڈالر آنے والے دس سالوں میں شاید ملیں بھی یا نہ ملیں اور ساتھ میں امریکی سیکریٹری خارجہ محترمہ ہیلری کلنٹن کی طرف سے پاکستان آ کر یہ طعنے نصیب ہوئے کہ وہ ہمیں ڈالر دیتے ہیں اس لیے ہمیں ان کے مفاد میں اپنی معیشت کو نڈھال کرتے ہوئے ان کے مفاد کی جنگ ان کی مرضی کے مطابق جاری رکھنی چاہیے۔ اس کی وجہ سے پاکستان کی اپنی سلامتی کو خطرات ہی لاحق ہوں تو امریکا کی بلا سے۔ امریکا کو پاکستان کی سلامتی سے دلچسپی نہیں۔ اسے پاکستان کی بربادی سے دلچسپی ہے۔ اس لیے پاکستان کو اپنی ترجیحات طے کرنی چاہئیں اور پاکستان کی سلامتی کو یقینی بنانا چاہیے۔ جب امریکا افغانستان سے اخراج کر جائے گا تو برادر اسلامی پڑوسی ملک افغانستان کی پوری امداد کی جائے تاکہ وہاں امن قائم ہو سکے اور پھر پاکستان میں بھی امن بحال ہوگا۔

3- جنگ کو پاکستان سے دور رکھنے کی حکمت عملی اپنائی جائے:

پاکستان کو چاہیے کہ جنگ کو دور رکھنے کے لیے اپنی طاقت میں اضافہ کرے۔

پاکستان ایٹمی طاقت ملک ہے۔ پاکستان کے پاس اس وقت اتنے ایٹم بم ہیں کہ بقول ڈاکٹر عبدالقدیر خان پاکستان اپنے ایٹم بموں سے انڈیا کو تین مرتبہ تباہ کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کا اصل میں یہ مطلب ہے کہ اگر پاکستان پر انڈو امریکی یلغار ہوتی ہے تو پاکستان کے پاس اتنے ایٹم بم ضرور ہیں کہ انڈیا، امریکا، اسرائیل اور امریکی اتحادی تمام ممالک کو تباہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ انڈیا، امریکا، اسرائیل اور امریکی اتحادی اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ پاکستان کے پاس نیوکلیائی وسائل کی کمی ہے نہ ہی ان کو پاکستان کے نیوکلیئر آرسینل پر اعتراض کرنا چاہیے کیونکہ ان ملکوں نے پاکستان کے خلاف اپنی بدنیتی عیاں کی تب ہی پاکستان اپنی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے نیوکلیئر آرسینل میں اضافہ کرتا رہا تا آں کہ اگر یہ سب ممالک مل کر پاکستان کے خلاف جنگ کرنے کا سوچیں تو ان کو پاکستان کی نیوکلیائی آرسینل سے خوف زدہ ہونا پڑے اور وہ پاکستان کے خلاف اپنے مذموم ارادے ترک کر دیں۔ پاکستان پر امن اور نہایت ذمہ دار ملک ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے ایٹمی قوت ملک ہوتے ہوئے پاکستان نے اسے سنبھال رکھا ہے اور کسی بھی ملک کے خلاف پاکستان کے جارحانہ عزائم نہیں مگر اپنی سلامتی کے لیے پاکستان ہر قدم اٹھانے سے دریغ نہیں کرے گا۔

پاکستان ایک طاقت ور اور جدید ایٹمی اثاثہ رکھتا ہے۔ کیا پاکستان کے پاس ایسے میزائل ہیں یعنی ڈیلیوری نظام ہے جس کے ذریعے اپنے ایٹم بم دور دراز ملک کے شہروں کو نشانہ بنا سکے؟ 1999ء پاکستان کے لیے نہایت اہم تھا۔ 6 اپریل 1999ء کو پاکستان نے غوری ٹو اور شاہین ٹو میزائل کا تجربہ بھی کامیابی سے کیا۔ یہ دونوں میزائل 2000 اور 2400 کلومیٹر تک ہدف کو ایٹمی وار ہیڈ کے ساتھ نشانہ بنا سکتے ہیں۔ 29 ستمبر 1999ء کو غوری تھری میزائل کا Static Engine Test کیا گیا۔ غوری تھری میزائل بھی ایٹمی وار ہیڈ کے ساتھ 3500 کلومیٹر یا اس سے زیادہ فاصلے پر اپنے ہدف کو نشانہ بنا سکتا ہے۔ پاکستان سے اسرائیل کے شہر تل ابیب کا فاصلہ 3250 ناٹیکل کلومیٹر ہے۔ یوں وہ غوری تھری میزائل کی زد میں آتا ہے۔ انہی دنوں شاہین تھری میزائل تیار کیا گیا جس کی مار (رینج) 4000 سے 4500 کلومیٹر ہے مگر نہ تو غوری تھری میزائل کا رینج ٹیسٹ کیا گیا نہ

ہی شاہین میزائل کا رینج ٹیسٹ کیا گیا۔ اکتوبر 1999ء میں نواز شریف کی حکومت ختم ہو گئی۔ 2000ء سے آج تک کسی بھی ایسے میزائل کا رینج ٹیسٹ نہیں کیا گیا جو 2500 کلومیٹر سے زیادہ رینج کا ہو۔ یہ ایک معنی خیز معاملہ ہے۔ کیا پاکستان نے اپنا میزائل پروگرام بند کر دیا ہے؟ تو جواب نفی میں ہے۔ پاکستان کا میزائل ڈویلپمنٹ پروگرام جاری ہے اور پاکستان نے ملٹی سٹیج راکٹ موٹر ٹیکنالوجی پر عبور حاصل کیا ہوا ہے۔ پاکستان نے دور مار (لانگ رینج) میزائل بھی تیار کیے ہوئے ہیں۔

27 جنوری 2010ء کو امریکی صدر بارک اوباما نے اعلان کیا کہ وہ افغانستان سے اپنی فوجوں کو جولائی 2011ء سے واپس لانا شروع کریں گے۔ حالیہ امریکی اور نیٹو منصوبے کے تحت افغانستان سے غیر ملکی افواج کی واپسی 2014ء تک مکمل کی جائے گی۔ امریکا نے افغانستان میں AWACS لانے کا اعلان بھی کیا ہوا ہے۔ AWACS امریکی F-15 اور F-16 لڑاکا طیاروں کے علاوہ جدید بم بار Stealth کی رہنمائی کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ Stealth بم بار طیارہ نہایت بلند پرواز کرتے ہوئے بم اپنے ہدف پر ٹھیک نشانہ پر لگانے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر ان کو AWACS کی معاونت لازمی چاہیے ہوتی ہے۔ سمجھیں کہ AWACS اور Stealth مل کر ایک یونٹ بنتا ہے تب ہی ہدف پر ٹھیک نشانہ لگتا ہے۔ Stealth بم بار طیارہ راڈار میں نظر نہیں آتا لہٰذا یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کب اور کہاں پر بم باری ہو سکتی ہے اور اسے روکا بھی نہیں جا سکتا۔ صرف روس کے پاس ایسی ٹیکنالوجی ہے جس کے ذریعے Stealth کو مار گرایا جا سکتا ہے اور بلقان کے علاقے میں انہوں نے ایک امریکی Stealth بم بار طیارہ مار گرایا تھا۔ امریکی Stealth بم بار طیارے کے ذریعے نہایت مہلک بم جسے ڈپلیٹیڈ یورینیم بم کہتے ہیں انہیں ہدف پر گرایا جاتا ہے۔ یہ بم بے حد خطرناک ہیں اور ایٹم بم کی طرح ان میں بھی تابکار میٹریل ہے اس لیے ظاہری تباہی کے علاوہ طویل عرصے تک ریڈیائی شعاعیں ہدف پر موجود رہتی ہیں۔ جنرل ڈیوڈ پیٹریاس نے اپنے حالیہ بیان میں کہا کہ مستقبل قریب میں خطے میں شدید خون خرابہ ہونے والا ہے۔ امریکی انتظامیہ کئی بار پاکستان کو متنبہ کر چکی ہے کہ وہ پاکستان کے ان علاقوں میں کارروائی کریں گے جہاں سے مجاہدین افغانستان میں

آ کر امریکی اور اتحادی فوجوں پر حملے کرتے ہیں لہٰذا امریکا کی تیاریوں سے پاکستان کو خبردار رہنا چاہیے۔ یہ امریکا کا دستور رہا ہے کہ وہ اخراج کرتے وقت علاقے کو تہس نہس کر کے چلے جاتے ہیں۔ یہ ہی کچھ انہوں نے ویت نام میں کیا۔ صومالیہ سے اخراج کرنے کے بعد امریکی بحریہ نے موغادیشو پر بم باری کی اور ہزاروں بے گناہ شہری مارے گئے۔ یہی کچھ امریکا نے افغانستان میں کر کے جانا ہے۔ عین ممکن ہے کہ اچانک کسی وقت وہ پاکستان کے اندر کہیں پر بھی شدید بم باری کر کے تباہی مچا دے۔ امریکا اپنے ایک جاسوس شہری ریمنڈ ڈیوس، جس نے دو پاکستانی نوجوانوں کو بے دردی سے ہلاک کیا، اس کو بچا کر لے جانے کے لیے پاکستان کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کرنے کی حد تک پہنچ سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ امریکا کے لیے پاکستان کی کوئی وقعت نہیں۔ ان کا ایک شہری پاکستان کے سترہ کروڑ شہریوں سے زیادہ اہم ہے۔

آئے دن کے امریکی دباؤ سے نجات حاصل کرنے کے لیے پاکستان کو لانگ رینج میزائل کا رینج ٹیسٹ کر کے امریکی انتظامیہ اور مغربی دنیا کو پیغام دینا چاہیے کہ پاکستان کی سلامتی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے اور کسی بھی وقت کسی بھی Misadventure کرنے کے نہایت خطرناک نتائج نکل سکتے ہیں۔ رہی بات امریکی ڈالروں کی تو جب بھی ڈالروں سے ہاتھ کھینچیں ہمیں بھی ان کی دہشت گردی کے خلاف جنگ سے ہاتھ کھینچنا چاہیے۔ یوں جنگ نہ لڑ کر ہم امریکی امداد سے کہیں زیادہ ڈالر بچا سکتے ہیں۔

4- کشمیر اور پانیوں کا مسئلہ:

انڈیا نے کشمیر پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ کشمیر سے پاکستان میں آنے والے دریاؤں کے سلسلے میں انڈیا کے ساتھ سندھ طاس معاہدہ ہو چکا ہے مگر اب انڈیا دیدہ دلیری کے ساتھ اس معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ انڈیا نے بہت بڑی فوج کشمیر میں تعینات کی ہوئی ہے۔ کشمیری عوام پر ظلم و بربریت کی انتہا کر دی ہے۔ کشمیری عوام کی تحریک آزادی کو نصف صدی سے بھی زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ یہ پرامن تحریک کسی بھی وقت ایسی جدوجہد میں تبدیل ہو سکتی ہے جہاں کشمیری عوام مسلح جدوجہد

کے ذریعے کشمیر کے وسائل سے انڈیا کو محروم کر سکتے ہیں۔ انسانی تاریخ میں زمانہ قدیم سے کئی مثالیں ہیں جہاں مقبوضہ قوموں نے قابض قوموں کو اپنے خطے کے وسائل سے محروم کیا تو قابض قومیں لاچار ہو کر خطے سے اخراج کر گئیں۔

300 قبل مسیح میں سکندر اعظم مقدونیہ سے ایشیا کو فتح کرنے نکلا تو اس کے پاس نہ تو کوئی بڑی فوج تھی اور نہ ہی خزانہ تھا۔ جب اس کا باپ فلپ قتل ہوا تو خزانے میں ایک ٹوٹا ہوا چاندی کا جام اور چند سکے تھے۔ ملک بھی سازشیوں سے بھرا ہوا تھا۔ سکندر اعظم نے برفشار حکمت عملی اپنائی۔ وہ مفتوحہ ملک سے وسائل لوٹ کر فوج کے اخراجات پورے کرتا اور افرادی قوت بھرتی کر کے اپنی فوجی طاقت میں اضافہ کرتا جاتا تھا۔ اس نے شام، فلسطین، مصر اور ایران کو فتح کیا۔ جب وہ وادی سندھ پر حملہ آور ہوا تو اسے مدافعتی فوج کے ساتھ ساتھ عوام کی طرف سے وسائل سے محروم رکھنے کی صورت میں مدافعت کا سامنا کرنا پڑا۔ آخر لاچار ہو کر اس نے ہند (ہندوستان) پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کیا۔ پھر سندھ کو بھی چھوڑ کر بابل واپسی کا راستہ لیا۔ پوٹھوہار سے دیبل تک وادی سندھ سکندر اعظم کے تسلط سے آزاد رہی۔ یہی صورت حال چنگیز خان (تموچین) کے ساتھ رہی۔ چنگیز خان 1219ء سے 1225ء تک افغانستان اور وادی سندھ میں جنگیں کرتا رہا۔ اسے بھی شدید عسکری مزاحمت کے ساتھ وسائل سے محرومی کی حکمت عملی کا سامنا رہا۔ آخر چنگیز خان بھی ہند پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر کے سندھ سے انخلا کر گیا۔

فرانس کے حکمران نپولین بوناپارٹ نے روس پر یلغار کی تو روس نے بھی مدافعتی جنگ کے ساتھ حملہ آوروں کو وسائل سے محروم کرنے کے لیے Scorched Earth کی حکمت عملی اپنائی جس کے تحت کھیتوں کو جلا دیا گیا، مویشیوں کو ہانک کر پیچھے لے جایا گیا اور انسانی آبادی کا انخلا کر دیا گیا۔ نپولین بوناپارٹ کی طاقت ور فوج کو بھی روس میں شکست ہوئی۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران ہٹلر نے بھی روس پر حملہ کیا تو روس نے وہی حکمت عملی اپنائی جو اس نے نپولین کے خلاف اپنائی تھی۔ روسی عوام خود بھی بھوکوں مرتے رہے مگر ہٹلر کی فوج کو اپنے وسائل سے محروم رکھا۔ آخر ہٹلر کو بھی روس میں شکست نصیب ہوئی۔ یہ تو تھیں دور قدیم کی مثالیں۔ دور جدید میں جنوبی افریقہ کے عوام

نے قابض گورا اقلیت کے تسلط سے آزادی حاصل کی۔ جناب نیلسن منڈیلا کی جدوجہد آزادی کشمیری عوام کے لیے مشعل راہ ہے۔ جنوبی افریقہ میں نیلسن منڈیلا کی نسلی امتیاز سے نجات کے لیے جدوجہد، کشمیری عوام کی انڈیا کے امتیازی قوانین اور انسانیت سوز سلوک سے نجات حاصل کرنے کے لیے آزادی کی جدوجہد سے مماثلت رکھتی ہے۔ جنوبی افریقہ میں گوروں نے کالی نسل کے شہریوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا۔ جب کالے شہری ان قوانین کو ختم کرانے کے لیے پرامن جدوجہد کرتے تو ان کی آزادیاں مزید سلب کی جاتیں۔ 20 اپریل 1964ء کو پری ٹوریا کی سپریم کورٹ میں اپنے بیان میں نیلسن منڈیلا نے کہا کہ:

"The past thirty years have seen the greatest number of laws restricting our rights and progress until today we have reached a stage where we have no rights at all."

''گزشتہ تیس برسوں کے دوران ہماری آزادی اور ترقی کو کم کرنے کے لیے قوانین بنتے رہے، حتیٰ کہ آج ہم ایسی نہج پر پہنچ گئے کہ ہمارے کوئی بھی حقوق نہیں رہے۔''

جموں و کشمیر میں مسلمان آبادی کے متعلق انڈیا نے ایسے امتیازی قوانین بنائے کہ ان کے بھی کوئی حقوق نہیں رہے۔ جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز اپنی انتہا کو پہنچا تو جناب نیلسن منڈیلا کی افریقی قومی کانگریس (ANC) نے Umkhoto we sizwe کی بنیاد ڈالی جس کے تحت بتدریج چار قسم کے Options پر عمل کرنا تھا۔ پرامن عوامی تحریک کے نتیجے میں ان کے تمام حقوق سلب ہوئے اور ان کو آزادی دور دور تک نظر نہ آئی تو انہوں نے طے کیا کہ:

"(1)There will be sabotage. (2) There will be guerrilla warfare (3) There will be terrorism. (4) There will be open revolt."

''یعنی شروعات اس عمل سے کی جائے گی کہ انسانی جانوں کو کسی قسم کا خطرہ یا نقصان نہ ہو مگر وسائل کو برباد کیا جائے تاکہ گوری نسل ان سے

محروم رہے جبکہ کالے شہری ان وسائل کی قربانی دینے کے لیے تیار تھے۔
اگر اس عمل کی بدولت بھی ان کو آزادی نہ ملی تو پھر گوریلا جنگ کی جائے۔
اس سے بھی ان کو حقوق حاصل نہ ہوں تو پھر Terrorism کا راستہ اختیار کیا جائے گا۔ اگر پھر بھی گوری اقلیت نہ مانے تو وہ بے حد کمزور تو ضرور ہو چکی ہوگی اس لیے پھر کھلم کھلا بغاوت کر دی جائے گی۔"

جنوبی افریقہ میں سیاہ فام عوام کی نمائندہ جماعت ANC نے اپنا یہ پروگرام میڈیا پر بھی نمایاں طور پر دے دیا تھا۔ جب جنوبی افریقہ میں Sabotage کے چند واقعات ہوئے تو حکومت عوام کو حقوق دینے پر راضی ہوگئی۔ جناب نیلسن منڈیلا کو جیل سے آزاد کیا گیا اور جنوبی افریقہ میں نسلی امتیاز کا خاتمہ ہوا۔ کشمیر میں بھی پرامن جدوجہد آزادی عروج پر ہے۔ ظاہر ہے کہ تنگ آمد بہ جنگ آمد، جب جموں و کشمیر کے عوام کو پرامن جدوجہد کے ذریعے آزادی کی امید نہیں رہے گی تو وہ Millitancy کی راہ اختیار کریں گے۔ ایسی صورت میں انڈیا پاکستان کو مورد الزام ٹھہرا کر پاکستان سے جنگ کرنے پر اتر آئے گا۔ خطے کے دو ایٹمی قوت ممالک کے درمیان براہ راست جنگ کی صورت میں جنوبی ایشیا میں خطرناک صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ لہٰذا کشمیر کا مسئلہ کچھ ایسا ہے کہ آنے والے کسی بھی وقت جنوبی ایشیا میں ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔

پاکستان نے انڈیا کے ساتھ پرامن مذاکرات جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں انڈیا کے رہنماؤں کا رویہ کچھ مختلف ہے۔ اب جو حالات بنے ہوئے ہیں ان میں انڈیا نے کشمیر کے مسئلے کو امریکا اور مغرب کے پاکستان سے مفادات کے حصول کے لیے ایک ہتھیار کی صورت دی ہوئی ہے۔ امریکا نے پاکستان سے اپنے مفادات حاصل کرنے ہوتے ہیں تو انڈیا کو کہتے ہیں کہ مذاکرات تو کرو مگر پاکستان کو اس سے کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے۔ یوں یہ مسئلہ لٹکتا رہے تاکہ آسرے، دلاسے دے کر پاکستان سے اپنا مطلب نکالا جاتا رہے۔ فروری 2011ء میں تھمپو میں سیکریٹری خارجہ لیول کے مذاکرات کے متعلق فون پر انڈین وزارت خارجہ نے محترمہ ہیلری کلنٹن کو پوری آگاہی کر دی ہے۔ امریکا مذاکرات میں ثالثی سے تو انکار کرتا ہے مگر مذاکرات کو مانیٹر کرتے ہوئے اپنی مرضی

کی پیش رفت کرتا ہے۔ یہ بھی یقینی ہے کہ انڈیا اس وقت مغرب اور امریکا کا فیورٹ ملک ہے۔ مغربی ممالک اور امریکا کا کوئی بھی رہنما انڈیا جائے تو وہاں سے پاکستان کے خلاف زہرافشانی کرنے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتا۔ انڈیا کو یہ بھی یقین ہے کہ پاکستان کلی طور پر امریکا کے تسلط میں ہے۔ اس لیے امریکا اور مغرب کے توسط سے پاکستان پر دباؤ ڈال کر پاکستان کے قومی مفاد کے برخلاف بھی انڈیا اپنے قومی مفادات آسانی سے حاصل کرسکتا ہے تو پھر پاکستان کے ساتھ بامقصد مذاکرات کیوں کرے؟ جب انڈیا کو تسلی ہے کہ وہ کشمیر میں انسانی حقوق کی کتنی بھی خلاف ورزی کرے اسے مغرب اور امریکا کی طرف سے سرزنش نہیں ہوگی تو پھر وہ کیوں کشمیر کو حق خوداختیاری دے؟

انڈیا نے مغرب اور امریکا کے لیے افغانستان میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے انڈیا جا کر سول نیوکلیائی معاہدہ کیا۔ انڈیا کے لیے ماضی کی تمام پابندیاں ختم کر دی گئیں اور اسے نیوکلیئر سپلائی گروپ سے کچھ بھی حاصل کرنے کی اجازت دی گئی۔ امریکا نے پاکستان پر دباؤ ڈال کر افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ کا معاہدہ بھی کروا دیا۔ اس معاہدے پر دستخط کرنے کے دوران امریکی سیکریٹری خارجہ تینوں ممالک کے وزرائے خارجہ کے سر پر کھڑی رہیں۔ انڈین قیادت بے حد خوش ہوئی کہ انہیں افغان جنگ میں شامل ہونے کے عوض پاکستان سے راہداری کا Piece of Cake یعنی معاوضہ مل گیا جبکہ کشمیر کا معاملہ جوں کا توں لٹکا ہوا ہے۔ پاکستان کی خارجہ پالیسی کا یہ حال رہا تو انڈیا کبھی بھی پرامن مذاکرات کے ذریعے جموں و کشمیر کے عوام کو اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق حق خوداختیاری نہیں دے گا۔ کشمیر کے عوام مایوس ہو کر گوریلا جنگ اور Millitancy اختیار کریں گے۔ جب انڈیا پر گوریلا جنگ کا دباؤ بڑھے گا تو وہ بے دھڑک پاکستان پر حملہ کرے گا۔ ایسی صورت میں پوری مغربی دنیا انڈیا کی حمایت کرے گی۔ اب میں پھر سے یہ دہراتا ہوں کہ یہ وہ پوائنٹ ہے کہ پاکستان اپنی بقا کے لیے ایٹمی قوت کا استعمال کرسکتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ صورت حال مغرب اور امریکا کے غیر ذمہ دارانہ رویہ کی وجہ سے ہوگی۔ اول تو مغربی دنیا کو انڈیا کی طرف سے Cold Start یا جنگ کی مہم جوئی کے نتائج واضح طور پر سمجھنے چاہئیں اور کشمیر

کے مسئلے کو حل کرنے کے لیے انڈیا کو مذاکرات کی میز پر آنے کے لیے راضی کرنا چاہیے تا کہ بامقصد مذاکرات کے ذریعے کسی نتیجہ خیز حل تک پہنچ سکیں۔ باہمی مسائل کے تصفیے کا درست طریقہ یہ ہے کہ پرامن مذاکرات کے ذریعے مسائل حل کیے جائیں۔ جنگ کسی کے حق میں بہتر نہیں۔ انڈیا کو بھی پاکستان کے وجود کو تسلیم کرنا چاہیے اور باہمی مسائل کے حل کے لیے پرامن راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

پاکستان اگر چاہتا ہے کہ کشمیر اور دیگر مسائل انڈیا کے ساتھ پرامن طریقے سے حل ہوں تو پھر مغرب اور امریکا پر انحصار نہ کرے۔ پاکستان کے لیے ضروری ہے کہ آزاد خارجہ پالیسی اپنائے۔ دنیا پر واضح اور ظاہر ہو کہ پاکستان ایک خود مختار اور آزاد ایٹمی طاقت ملک ہے۔ انڈیا کو بھی یقین ہوگا کہ جب تک پاکستان کے ساتھ صلح نہیں ہوگی انڈیا بھی معاشی طور پر لہولہان ہوتا رہے گا (They will Bleed)۔ کشمیر کا معاملہ لٹکا کر امریکا یا مغرب کے ذریعے پاکستان کے قومی مفادات کے خلاف انڈیا کو کچھ بھی حاصل نہ ہو سکے گا۔ Business Recorder کے 8 فروری 2011ء کے شمارے میں خبر چھپی ہے کہ پاکستان کے حکام نے افغانستان، پاکستان، انڈیا ٹرانزٹ ٹریڈ کی واضح تشریح کی ہے جس کا لب لباب یہ ہے کہ انڈیا کو افغانستان سے پاکستان کے راستے تجارتی مال کی ترسیل کی اجازت تو ہوگی مگر انڈیا کسی بھی صورت میں پاکستان کے زمینی راستے سے گزر کر افغانستان کو اپنا تجارتی مال نہیں بھیج سکتا۔ یوں برادر اسلامی ملک افغانستان کے لیے انڈیا کے ساتھ تجارت کرنے کی سہولت تو ہوگی مگر انڈیا کے لیے افغانستان کی طرف برآمدات کی اجازت نہیں ہوگی۔ پاکستان کو اپنی اس حکمت عملی پر قائم رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں کسی بھی مغربی دباؤ کو قبول نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کے ذریعے پاکستان دنیا پر اپنا آزاد اور خود مختار ملک ہونا واضح کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی پاکستان اپنی قومی غیرت، خود مختاری اور مفادات کا تحفظ کرے۔ یوں پاکستان اپنی حیثیت کو برقرار رکھ سکے گا تو انڈیا بھی پاکستان کے ساتھ بامقصد مذاکرات کرنے پر راضی ہوگا۔ انڈیا نے ایران کی چار بہار بندرگاہ سے افغانستان تک راہ گزر بنائی ہے مگر یہ راستہ دور بھی ہے اور دشوار گزار بھی ہے۔ جب تک ایران کے راستے کو بہتر

بنا سکے گا تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی۔ دنیا کی دیگر قومیں وسط ایشیائی منڈی پر قبضہ کر چکی ہوں گی جبکہ اس وقت انڈیا کے لیے پاکستان کے راستے وسط ایشیائی ممالک کے ساتھ تجارت کرنا آسان بھی ہے، سیک بھی ہے تو سستا بھی ہے۔ پاکستان اگر انڈیا کو اپنے ریل اور روڈ راستے سے محروم رکھتا ہے تو اس میں انڈیا کا بہت بڑا معاشی نقصان ہے۔ کشمیر کے مسئلے کے حل کی چابی پاکستان کے ہاتھ میں ہے۔ پاکستان اگر اپنی آزادی، خودمختاری اور جغرافیائی اہمیت کو یقینی بناتا ہے تو کشمیر کا مسئلہ بھی پرامن اور باوقار طریقہ سے حل ہو سکتا ہے۔

5۔ ملک میں اسلامی نظامِ حیات کے متعلق قانون سازی:

پاکستان کے آئین میں پندرہویں ترمیم ایکٹ 28 اگست 1998ء کے ذریعے آرٹیکل 2B شامل کیا گیا۔ اس کے مطابق قرآن وسنت کا قانون پاکستان کا سپریم قانون ہوگا۔

آرٹیکل (1) 2B: قرآن پاک اور سنت رسول پاک (ﷺ) پاکستان کا سپریم قانون ہوگا۔

تشریح: اس قانون کے لاگو ہونے کی صورت میں کسی بھی مسلمان فرقے کے اپنے عقیدے کے متعلق قوانین لاگو ہوں گے۔ قرآن وسنت کے قوانین کا مطلب قرآن وسنت کے قوانین جن کو متعلقہ فرقہ اپنے عقیدے کے مطابق تعبیر کرتے ہیں (اس طرح ان پر لاگو ہوں گے)۔

آرٹیکل (2) 2B: وفاقی حکومت پر لازم ہے کہ شریعت کو لاگو کرنے کے لیے اقدامات اٹھائے۔ (ملک میں مسلمان) نماز قائم کریں، زکوٰۃ کا نظام قائم کرے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو فروغ دے۔ قرآن پاک اور سنت میں وضع کیے گئے اسلامی اصولوں کے مطابق معاشی اور معاشرتی انصاف مہیا کرے۔

آرٹیکل (3) 2B: دستور کے آرٹیکل 2B میں شامل کسی قانون کا غیر مسلموں کے متعلقہ قوانین پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ غیر مسلم اپنے مذہبی عقیدے اور رسم و رواج کے مطابق

قوانین کے تحت ہوں گے اور ان کو ہر طرح کی مذہبی آزادی ہوگی۔ دستور پاکستان 1973ء کے آرٹیکل (3)239 میں بھی ترمیم کر کے سب آرٹیکل (3A) (3B) (3C) اور (3D) شامل کیا گیا ہے جس کے تحت اسلامی نظام کو نافذ کرنے کے لیے قانون سازی کا طریقہ کار وضع کیا گیا ہے۔ 1973ء کے دستور میں پندرھویں ترمیم قومی اسمبلی میں کثرت رائے سے منظور ہوگئی تھی مگر سینیٹ میں حکمران پارٹی مسلم لیگ (ن) کی اکثریت نہیں تھی اس لیے دستور پاکستان 1973ء میں پندرھویں ترمیم کا بل قانون کی شکل اختیار نہ کر سکا۔ (اس سے قبل جنرل ضیاء الحق کے دور حکمرانی میں 1985ء میں دستور پاکستان 1973ء میں نویں ترمیم سینیٹ سے پاس ہوئی۔ نویں ترمیم کے ذریعہ پاکستان میں اسلامی نظام حیات کے متعلق قانون سازی ہونی تھی۔ جب دستور کا نویں ترمیمی بل سینیٹ پاس ہو کر قومی اسمبلی میں پیش ہوا تو جنرل ضیاء الحق نے قومی اسمبلی ختم کر دی۔ جنرل ضیاء الحق ملک میں اسلامی معاشرت کے قیام کے معاملے میں ہرگز مخلص نہیں تھا۔ انہوں نے قومی اسمبلی برخاست کر کے اسلامی معاشرتی اور عدالتی نظام کے نفاذ کا راستہ روک لیا۔) آئین میں یہ ترمیم اس وقت کی گئی جب ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے اہل سنت اور اہل تشیع جماعتوں کی طرف سے مطالبات تحاریک کی شکل اختیار کر چکے تھے اور یہ ساری جماعتیں ملک میں نفاذ اسلام کے لیے جدوجہد کر رہی تھیں۔

انگریز راج سے پاکستان کی آزادی کے لیے جو دلائل دیئے جاتے رہے وہ یہ تھے کہ مسلمانوں کا مذہب الگ، تہذیب الگ، معاشرت الگ اور قوانین الگ ہیں اس لیے ان کو ایک الگ ریاست چاہیے لہٰذا ہندوستان کے مسلم اکثریتی صوبوں کو ملا کر ایک اسلامی ریاست پاکستان کو آزادی ملی۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان وجود میں آیا۔ قائداعظم محمد علی جناح نے پاکستان کے لیے ایک دستور تیار کرنے کے لیے دستور ساز اسمبلی قائم کی۔ یہاں پر پاکستان اور ہندوستان کے اسلامی علماء کے جذبوں اور تمناؤں کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مفتیٔ اعظم پاکستان نے معارف القرآن کی جلد اول کے صفحہ 62 پر تحریر کیا کہ:

''پاکستان بننے کے آٹھ ماہ بعد یہ ہنگامے کچھ فرو ہوئے تو میرے

استاذِ محترم اور پھوپھی زاد بھائی شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور چند عمائد کراچی نے یہ ارادہ کیا کہ پاکستان کے لیے اسلامی دستور کا ایک خاکہ مرتب کر کے حکومت کے سامنے رکھا جائے تاکہ جس مقصد کے لیے پاکستان بنا ہے وہ جلد سے جلد بروئے کار آ سکے۔ اس تجویز کے لیے من جملہ جید علماء کے احقر کو بھی ہندوستان سے کراچی آنے کی دعوت دی گئی۔ 20 جمادی الثانی 1367ھ یکم مئی 1948ء میری عمر میں عظیم انقلاب کا دن تھا، جس دن میں نے وطنِ مالوف مرکز علوم دیوبند کو خیرباد کہہ کر صرف چھوٹے بچوں اور ان کی والدہ کو ساتھ لے کر پاکستان کا رخ کیا۔ والدہ محترمہ اور اکثر اولاد اور سب عزیزوں اور گھر بار کو چھوڑنے کا دل گداز منظر اور جس طرف جا رہا ہوں وہاں ایک غریب الوطن کی حیثیت سے وقت گزارنے کی مشکلات کے ساتھ ایک نئی اسلامی حکومت کا وجود اور اس میں دینی رجحانات کے بروئے کار آنے کی خوش کن امیدوں کے ملے جلے تصورات میں غلطاں و پیچاں...... 6 مئی 1948ء کو اللہ تعالیٰ نے حدود پاکستان میں پہنچایا اور کراچی غیر اختیاری طور پر اپنا وطن بن گیا۔"

دستور کے لیے بنائی گئی دستور ساز اسمبلی کے ساتھ قائداعظم محمد علی جناح نے جید علماء کی ایک اسلامی نظریاتی کونسل بنائی جس کے ذمے یہ کام تھا کہ دستور سازی کے لیے اپنی سفارشات دے۔ ان علماء نے اپنی سفارشات تو دیں مگر قائداعظم محمد علی جناح کی حیات میں پاکستان کے لیے آئین یعنی دستور نہ بن سکا۔ پاکستان کا دستور 1956ء میں بنا تو اس میں اسلامی قوانین کے متعلق فقط درج ذیل قوانین تھے:

تمہید (Preamble) مسلمانانِ پاکستان کے لیے افرادی یا اجتماعی طور پر قرآن و سنت کی تعلیمات اور قوانین کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی سہولیات مہیا کی جائیں گی۔

آرٹیکل (1) 25: مسلمانان پاکستان کے لیے انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر قرآن وسنت کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

یہ ایسا رویہ تھا جس سے علما مایوس ہوئے۔مولانا مفتی محمد شفیع صاحب معارف القرآن جلد اول کے صفحہ 63 پر اپنی مایوسی کا یوں اظہار کرتے ہیں: ''یہاں آئے ہوئے اس وقت پندرہ سال پورے ہو کر تین ماہ زیادہ ہو رہے ہیں۔اس پندرہ سالوں میں کیا کیا اور کیا دیکھا، اس کی سرگزشت بہت طویل ہے۔ یہ مقام اس کے لکھنے کا نہیں۔جن مقاصد کے لیے پاکستان محبوب و مطلوب تھا اور اس کے لیے سب کچھ قربان کیا تھا، حکومتوں کے انقلاب نے ان کی حیثیت ایک لذیذ خواب سے زیادہ باقی نہ چھوڑی۔ حکومت کے راستے سے کسی دینی انقلاب اور نمایاں اصلاح کی امیدیں خواب و خیال ہوتی جاتی ہیں۔''

پاکستان کے آئین 1973ء میں بھی اسلامی نظریاتی کونسل موجود ہے۔اس وقت سینئر مولانا محمد خان شیرانی اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین ہیں۔پاکستان کے آئین میں پندرہویں ترمیم کے ذریعے وفاقی حکومت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے کہ شریعت کو نافذ کرنے کے لیے اقدامات کرے۔1998ء کے بعد حکومتی انقلابات نے دستور ہی کو پامال کیا۔اب جبکہ دستور اپنی اصل روح کے مطابق بن چکا ہے اور ملک میں جمہوری نظام پنپ رہا ہے تو حکومت کو چاہیے کہ ملک میں آئین کے مطابق اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے قانون سازی کرے اور اسلامی نظام حیات اور نظام عدل کے تحت عوام کو انصاف مہیا کرے۔تبدیلی اگر ارتقائی عمل کے ذریعے ہو تو وہ آسان بھی ہے اور درست بھی ہے مگر جو تبدیلی انقلاب کی بدولت آئے وہ خوں ریز بھی ہے اور اس میں کئی خامیاں رہ جاتی ہیں جو دور رس نتائج کی حامل ہوتی ہیں۔

لہٰذا واجب ہے کہ ارتقا کے عمل کی شروعات کی جائے تاکہ انقلاب کے راستے مسدود ہو سکیں۔ قانون سازی کے ساتھ اس پر عمل درآمد کے لیے بھی تیاریاں کی جائیں۔اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے موجودہ عدالتی عملہ یعنی جج صاحبان کو قرآنی قوانین اور فقہ کی تعلیم دی جائے۔جیسا کہ اعلیٰ سول افسران کو سٹاف کالج میں انتظامی امور کے متعلق تربیت دی جاتی ہے اسی طرح ہر سطح کے جج صاحبان کے لیے قرآن و سنت اور فقہ کی تعلیم دی جائے۔وکلاء کو بھی قرآن و سنت اور فقہ کے قوانین کی تربیت

دے کر اسناد جاری کی جائیں۔ جید علماء کی ایک کونسل بنایا جائے جو پیچیدہ مقدمات میں وکلاء کی طرح عدالت کی معاونت کرے تاکہ جب بھی اسلام کا عدالتی نظام نافذ ہو تو عدالتی انتظام پہلے ہی سے تیار ہو چکا ہو۔

اس طرح پورے پاکستان میں اسلامی شرعی نظامِ عدل یکساں نافذ کیا جائے۔
سب سے اولیت اسلامی شرعی نظام عدل کو دی جائے تاکہ دستور کی شق

"To provide socie economic justice in accordance with the principles of Islam as laid down in the Holy Quran and Sunnah."

پر وفاقی حکومت اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ یہ وہ عمل ہے جس سے ملک میں موجود کئی تحاریک کے ختم ہونے کا جواز پیدا ہو سکے گا۔ جہاں تک نماز قائم کرنے کا معاملہ ہے تو حکومت کو چاہیے کہ عوام کے لیے رہائشی اور کام کرنے کی جگہوں پر معقول سہولیات، مساجد وغیرہ تعمیر کرے تاکہ لوگوں کو نماز پڑھنے کے لیے کسی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ آج کل عوام کے ہر طبقے میں نماز پڑھنے کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کو معقول سہولیات دی جائیں۔ زکوۃ کا نظام پہلے ہی سے نافذ العمل ہے اسے مزید بہتر بنایا جائے جبکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے تبلیغی جماعت کے رضا کار فی سبیل اللہ اپنے نیک کام میں مصروف ہیں۔ آئین کی رو سے انہیں بھی سہولیات بہم پہنچائی جائیں تاکہ وہ مؤثر طور پر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا کام بہتر طریقے سے کریں اور ایک صاف ستھری اسلامی معاشرت تشکیل دی جا سکے اور پاکستان کے عوام اسلامی نظام کی برکتوں سے مستفیض ہو سکیں۔

ضمیمہ الف

ریاستہائے متحدہ امریکا/نیٹو/ایساف کے ساتھ نظر ثانی شدہ شرائط برائے تعلقات اور عام خارجہ پالیسی

1- پاکستان کی خودمختاری پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا۔ ریاستہائے متحدہ امریکا کے ساتھ تعلقات ایک دوسرے کی خودمختاری، آزادی اور علاقائی سالمیت، باہمی احترام کے اصولوں کے تحت ہونے چاہئیں۔

2- حکومت (پاکستان) کے لیے ضروری ہے کہ یقین کرے کہ آزاد خارجہ پالیسی کے اصول دستور پاکستان کے آرٹیکل 40 میں دیئے گئے پالیسی کے اصول، اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قوانین کے عین مطابق رائج کیے جائیں۔ امریکا کے پاکستان کے اندر قدموں (کی موجودگی) پر نظر ثانی کی جائے۔ اس کا مطلب ہے:

(الف) پاکستان کی سرحدوں کے اندر کی سرزمین پر ڈرون حملوں کا فوراً خاتمہ

(ب) پاکستان کی سرحدوں کے اندر سرزمین میں کسی قسم کی دراندازی جو کہ کسی بھی بہانے سے بشمول دشمن کے تعاقب کے ہوں، انہیں بند کیا جائے

(ت) پاکستان کی سرزمین بشمول فضائی حدود کو افغانستان میں اسلحہ اور گولہ بارود کو لے جانے کے لیے استعمال کرنے کی اجازت نہیں ہوگی

- پاکستان کے نیوکلیائی پروگرام اور اثاثہ جات، بشمول ان کی سلامتی اور حفاظت پر

کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ انڈو۔امریکی سول نیوکلیائی معاہدہ نے خطہ تزویراتی توازن کو تبدیل کیا ہے اس لیے پاکستان کو چاہیے کہ امریکا اور دیگر ممالک کے ساتھ اس طرح کے برتاؤ/سہولیات کے حصول کی جستجو کرے۔

پاکستان، انڈیا کے تقابل میں Fissible Material Cut off Treaty (FMCT) (ایٹمی مواد ختم کرنے کا معاہدہ) پر اپنے تزویراتی موقف پر سمجھوتہ نہیں کرے گا اور یہ اصول ہر قسم کے مذاکرات میں مدنظر رکھا جائے گا۔

4- پاکستان دہشت گردی کے خلاف جنگ کو اپنے قومی مفاد کو ملحوظ خاطر رکھ کر جاری رکھنے کا اعادہ کرتا ہے۔

5- بغیر کسی اشتعال کے NATO اور ISAF کی طرف سے قابل مذمت حملہ جس کی وجہ سے 24 پاکستانی سولجرز کی شہادت ہوئی، یہ عمل بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی اور پاکستان کی خودمختاری اور علاقائی سالمیت کی وحشیانہ خلاف ورزی بنتی ہے۔ حکومت پاکستان کو چاہیے کہ مہمند ایجنسی میں 25/26 نومبر 2011ء کو ہونے والے بلااشتعال واقعہ کے متعلق امریکا سے غیر مشروط معافی طلب کرے۔ اس کے ساتھ ذیل اقدامات کرے:

(الف) جو مہمند ایجنسی حملہ میں ملوث پائے گئے انہیں انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے

(ب) پاکستان کو یقین دہانی کرائے جائے کہ اس قسم کے حملے اور پاکستان کی خودمختاری سے متصادم دیگر کوئی عمل دوبارہ نہیں کیا جائے گا

(ت) وزارت دفاع اور پاک فضائیہ کو چاہیے کہ پاکستان کی سرحدوں کے ساتھ اڑان کے نئے قاعدے وضع کریں

6- حکومت، اس کی وزارتیں، محکمہ جات، خودمختار ادارے اور دیگر ادارے غیر ممالک کی حکومتوں اور اداروں کے ساتھ قومی سلامتی امور سے متعلق زبانی کلامی معاہدے نہیں کرے گی۔ تمام زبانی کلامی معاہدے یا یقین دہانیاں فوراً ختم ہو چکے ہیں۔

-7 پاکستان کے اندر براہِ راست یا بالواسطہ عمل دخل (آپریشن) کی اجازت نہیں ہوگی۔

-8 یہ کہ قومی سلامتی امور کے معاملات میں مذاکرات یا دوبارہ مذاکرات، معاہدات اور یقین دہانیوں کے مراسلات (MOU) کے سلسلہ میں ذیل طریقہ کار اختیار کیا جائے گا:

(الف) تمام معاہدات/یقین دہانیوں کے مراسلات، بشمول عسکری تعاون، عسکری رسد، کو وزارت خارجہ اور دیگر تمام متعلقہ وزارتوں اور متعلقہ اداروں اور محکموں کو ان کی رائے معلوم کرنے کے لیے ارسال کیے جائیں گے

(ب) تمام معاہدات/یقین دہانیوں کے مراسلات کو وزارتِ قانون انصاف اور پارلیمانی امور میں چھان بین کی جائے گی

(ت) تمام معاہدات/یقین دہانیوں کے مراسلات قومی سلامتی کی پارلیمانی کمیٹی کو ارسال کی جائیں گی۔ کمیٹی ان کی چھان بین کرے گی اور متاثرہ اداروں کے مشورہ سے اپنی سفارشات کو وفاقی کابینہ میں وفاقی حکومت کے کاروباری قواعد/ضابطوں کے مطابق منظوری کے لیے بھیج دے گی

(ج) متعلقہ وزیر، معاہدات/یقین دہانیوں کے مراسلات کے متعلق پارلیمان کے دونوں ایوانوں میں پالیسی بیان دے گا

-9 پرائیویٹ سیکورٹی ٹھیکیدار اور/یا جاسوسی عملدار کو اجازت نہیں دی جائے گی۔

-10 پاکستان کی سرزمین غیر ملکی اڈے بنانے کے لیے مہیا نہیں کی جائے گی۔

-11 بین الاقوامی برادری کو چاہیے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کی وجہ سے پاکستان کے بے تحاشا انسانی اور معاشی نقصان اور مسلسل مصائب کو تسلیم کرے۔ کم از کم (اتنا کہ) پاکستانی (تجارتی) مال کو امریکی، نیٹو ممالک اور دنیا کے دیگر ممالک کی منڈیوں میں زیادہ سے زیادہ رسائی کے حصول کے معاملہ کی

سرگرمی سے جستجو کی جائے۔

12- دل و دماغ کو جیتنے سے متعلق مذاکرات کی شروعات اور درگزر کا طریقہ کار اپنایا جائے۔اس طریقہ کار میں مقامی روایات، قدریں، رسم و رواج اور مذہبی اعتقاد کا احترام ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

(الف) افغان لڑائی کا فوجی حل نہیں ہے۔افغان سرپرستی میں اور افغانوں کے اپنے طریقہ کار کے مطابق جائز قومی درگزر کو فروغ دینے کے لیے کاوشیں کی جائیں

(ب) پاکستان، افغانستان سرحد کے ساتھ سلامتی کو تقویت دینے کے لیے سرحد کے آر پار جرائم پیشہ عناصر، منشیات، ہتھیار وغیرہ کی آمد و رفت کی روک تھام کے لیے اضافی اقدامات بشمول برقیاتی نظربانی کی ضروریات کا تخمینہ لگایا جائے اور مقامی رسم و رواج کے مطابق مقامی مخلوط جرگوں کی حوصلہ افزائی کی جائے

13- غیرممالک پر حملہ کے لیے پاکستان کی سرزمین استعمال نہیں کی جائے گی اور تمام غیر ملکی جنگجو اگر پائے گئے تو ان کو اپنی سرزمین سے باہر نکالا جائے گا۔اسی طرح پاکستان توقع رکھتا ہے کہ دیگر ممالک کی سرزمین پاکستان کے خلاف استعمال نہیں کی جائے گی۔

14- حکومت کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان کے عوام کی امنگوں کو مدنظر رکھ کر خارجہ پالیسی کے موجودہ ارتکاز پر نظر ثانی کرے۔اس میں توازن برقرار رکھنے کی ضرورت کے تحت روایتی اتحادیوں کے ساتھ رابطہ کو اہمیت دیتے ہوئے نئے تعلقات استوار کرنے چاہئیں تاکہ معیشت، عسکری اور سیاسی حمایت کے نئے ذرائع بن سکیں۔اس ضمن میں دیگر اقدامات کے ساتھ ذیل اقدامات لیے جائیں۔

(الف) پاکستان کی خارجہ پالیسی، اس امر پر ارتکاز جاری رکھے کہ خطہ میں پرامن ماحول پیدا ہو جائے اور جستجو کرے کہ ملک کی معاشی اور

معاشرتی ترقی کے اہداف حاصل ہوں

(ب) انڈیا کے ساتھ بامعنی اور نتیجہ خیز مذاکرات کا عمل باہمی احترام، باہمی مفادات اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں جموں اور کشمیر کے معاملہ کے حل کے لیئے جاری رکھا جائے

(ت) پڑوسی مما لک کے ساتھ باہمی تعاون کے تعلقات کو بڑھاوا دینے کے عمل کو جاری رکھنے پر خاص دھیان دینا چاہیے

(ث) چین کے ساتھ تزویراتی حصہ داری کو تمام سمتوں سے گہرا کیا جانا چاہیے

(ج) یورپی یونین کے ساتھ تعلقات کو مزید مستحکم کیا جائے

(د) رشین فیڈریشن کے ساتھ تعلقات کو مزید مستحکم کیا جائے

(ر) افغانستان میں امن اور استحکام کے لیے پاکستان کی حمایت اس کی (پاکستان کی) خارجہ پالیسی میں بنیادی اہمیت کی حامل رہے گی

(ز) اسلامی دنیا کے ساتھ پاکستان کے خاص تعلقات کو مضبوط کیا جائے

(س) شنگھائی تعاون تنظیم SCO کی مکمل ممبر شپ کے حصول کے لیے فعال انداز سے جستجو کی جائے

(ش) خطہ میں دوطرفہ تعلقات اور ASEAN اور GCC کے ساتھ ادارتی حصہ داری بلند اور مستحکم کیا جائے

(ص) پاکستان کو چاہیے کہ ایران اور ترکمانستان کے ساتھ گیس پائپ لائن سمجھوتہ کی فعال جستجو کرے

دستخط کنندگان

چیئرمین

سینیٹر میاں رضا ربانی

ممبر:

سینیٹر محمد اسحاق ڈار

سینیٹر مشاہد حسین سید

سینیٹر حاصل خان بزنجو

سینیٹر میر اسرار اللہ زہری

سینیٹر افراسیاب خٹک

سینیٹر افضل گوندل ایم-این-اے

سید حیدر عباس رضوی ایم-این-اے

سردار مہتاب احمد خان ایم-این-اے

مولانا فضل الرحمان ایم-این-اے

منیر خان اورکزئی ایم-این-اے

آفتاب احمد خان شیرپاؤ ایم-این-اے

قمر زمان کائرہ ایم-این-اے

ضمیمہ (الف)

Revised

12-4-12

GUIDELINES FOR REVISED TERMS OF ENGAGEMENT WITH USA/NATO/ISAF AND GENERAL FOREIGN POLICY

1. Pakistan's sovereignty shall not be compromised. The gap between assertion and facts on the ground needs to be qualitatively bridged through effective steps. The relationship with USA should be based on mutual respect for the sovereignty, independence and territorial integrity of each other.

2. The Government needs to ensure that the principles of an independent foreign policy must be grounded in strict adherence to the Principles of Policy as stated in Article 40 of the Constitution of Pakistan, the UN Charter and observance of international law. The US footprint in Pakistan must be reviewed. This means (i) an immediate cessation of drone attacks inside the territorial borders of Pakistan, (ii) the cessation of infiltration into Pakistani territory on any pretext, including hot pursuit; (iii) Pakistani territory including its air space shall not be used for transportation of arms and ammunition to Afghanistan.

3. Pakistan's nuclear program and assets, including its safety

and security cannot be compromised. The US-Indo civil nuclear agreement has significantly altered the strategic balance in the region therefore Pakistan should seek from the US and others a similar treatment/facility. The strategic position of Pakistan vis-à-vis India on the subject of FMCT must not be compromised and this principle be kept in view in negotiations on this matter.

4. Pakistan reaffirms its commitment to the elimination of terrorism and combating extremism in pursuance of its national interest.

5. The condemnable and unprovoked NATO/ISAF attack resulting in the martyrdom (shahadat) of 24 Pakistani soldiers, represents a breach of international law and constitutes a blatant violation of Pakistan's sovereignty and territorial integrity. The Government of Pakistan should seek an unconditional apology from the US for the unprovoked incident dated 25th-26th November, 2011, in Mohmand Agency in addition the following measures be taken;

   i) Those held responsible for the Mohmand Agency attack should be brought to justice.

   ii) Pakistan should be given assurances that such attacks or any other acts impinging on Pakistan's sovereignty will not recur.

   iii) Ministry of Defence/PAF should formulate new flying rules for areas contiguous to the border.

6. No verbal Agreement regarding national security shall be entered into by the Government, its Ministers, Divisions, Departments, attached Departments, Autonomous Bodies or other Organizations with any foreign Government or Authority. All such agreements or understandings shall cease to have effect forthwith.

7. No overt or covert operations inside Pakistan shall be permitted.

8. That for negotiating or re-negotiating Agreements/MOU's pertaining to or dealing with matters of national security, the following procedure shall be adopted:

   i) All Agreements/MOU's, including military cooperation and logistics, will be circulated to the Foreign Ministry and all concerned Ministries, attached or affiliated Organizations and Departments for their views;

   ii) All Agreements/MOU's will be vetted by the Ministry of Law, Justice and Parliamentary Affairs;

   iii) All Agreements/MOU's will be circulated to the Parliamentary Committee on National Security. The Committee shall vet and make recommendations in consultation with the stakeholders and forward the same to the Federal Cabinet for approval under the Rules of Business of the Federal Government;

   iv) The Minister concerned will make a policy statement on the Agreements/MOU's in both Houses of Parliament.

9. No private security contractors and/or intelligence operatives shall be allowed.

10. Pakistan's territory will not be provided for the establishment of any foreign bases.

11. The international community should recognize Pakistan's colossal human and economic losses and continued suffering due to the war on terror. In the minimum, greater market access of Pakistan's exports to the US, NATO countries and global markets should be actively pursued.

12. In the battle for the hearts and minds an inclusive process based on primacy of dialogue and reconciliation should be

adopted. Such process must respect local customs, traditions, values and religious beliefs.

(a) There is no military solution to the Afghan conflict and efforts must be undertaken to promote a genuine national reconciliation in an Afghan-led and Afghan-owned process.

(b) To strengthen security along the Pakistan-Afghanistan border, including the cross border flow of criminal elements, narcotics and weapons, the feasibility of additional measures including electronic surveillance may be evaluated and the process of local joint Jirgas should be encouraged according to local customs and traditions.

13. That Pakistani territory shall not be used for any kind of attacks on other countries and all foreign fighters, if found, shall be expelled from our soil. Likewise, Pakistan does not expect the soil of other countries to be used against it.

14. The Government needs to review the present focus of foreign policy keeping in view the aspirations of the people of Pakistan. It needs to establish a balance by emphasizing links with our traditional allies and building new relationships for diversifying the sources of economic, military and political support. In this regard it may take the following amongst other steps:

i) Pakistan's foreign policy must continue to focus on creating a peaceful environment in the region to pursue the goals of economic development and social progress;

ii) the dialogue process with India should be continued in a purposeful and result-oriented manner on the basis of mutual respect and mutual interest, including efforts

for the solution of the Jammu & Kashmir dispute in accordance with the UN Resolutions;

iii) special attention must continue to be paid to developing close cooperative relations with neighouring countries;

iv) the strategic partnership with China must be deepened in all its dimensions;

v) the relationship with the European Union should be strengthened and enhanced in all spheres;

vi) relationship with the Russian Federation should be further strengthened;

vii) Pakistan's support for the promotion of peace and stability in Afghanistan remains the cornerstone of its foreign policy;

viii) Pakistan's special relationship with the Islamic world should be reinforced;

ix) Pakistan's full membership of SCO should be actively pursued;

x) Pakistan's bilateral relationships in the region and its institutional partnership with ASEAN and GCC countries must be upgraded and strengthened; and

xi) Pakistan should actively pursue the gas pipeline projects with Iran and Turkmenistan.

Senator Mian Raza Rabbani Chairman	Syed Haider Abbas Rizvi Member
Sd/	Sd/
Senator Muhammad Ishaq Dar Member	Sardar Mehtab Ahmad Khan, MNA Member
Sd/	Sd/

Senator Mushahid Hussain Syed
Member

Sd/

Senator Hasil Khan Bizenjo
Member

Sd/

Senator Mir Israrullah Zehri,
Member

Sd/

Senator Afrasiab Khattak,
Member

Sd/

Mr. Nadeem Afzal Gondal,
Member

Sd/

Maulana Fazl-ur-Rehman, MNA
Member

Sd/

Mr. Munir Khan Orakzai, MNA
Member

Sd/

Mr. Aftab Ahmed Khan Sherpao, MNA
Member

Sd/

Mr. Qamar Zaman Kaira, MNA
Member

Sd/

کتابیات

-1	سیرت النبی ﷺ	ابن ہشام
-2	Letters of Holy Prophet (PBUH)	Sultan Ahmed Qureshi
-3	History of the Decline & Fall of Roman Empire	Edward Gibbon
-4	1999 Victory Without War	Richard Nixon
-5	In the Arena	Richard Nixon
-6	Diaries of FM Mohammad Ayoob Khan	FM Mohammad Ayoob Khan
-7	Journal Royal Union Strategic Institute U.K (RUSi)	
-8	Diplomacy	Henry Kissinger
-9	White House Years	Henry Kissinger
-10	If I am Assassinated	Zulfiqar Ali Bhutto
-11	Myth of Independence	Zulfiqar Ali Bhutto
-12	US Defence Journal	Journal
-13	The Opinion Makers	Intl forum on Pakistani
-14	In the Line of Fire	Gen. Pervaiz Musharraf

-15 Kader Ismail, David Chedister, Nelson Mandella in his Own Words — Vilmot James

-16 Gen. Akhtar Malik Letter of General Akhtar Malik

-17 فتح نامہ سندھ عرف تاریخ چچ نامہ — محقق و شارح نبی بخش خان بلوچ (سندھی ادبی بورڈ)

-18 تاریخ اسلام — ابن خلدون

-19 معارف القرآن — مفتی محمد شفیع

-20 بلوچستان کے سرحدی چھاپہ مار — جنرل ڈائیر

-21 دستور پاکستان 1956ء

-22 دستور پاکستان 1973ء

-23 روز نامہ نوائے وقت

-24 Daily Dawn

-25 محمد علی جوہر اور مقدمہ بغاوت — رحمت فرح آبادی

-26 سحر ہونے تک — ڈاکٹر عبدالقدیر خان

-27 بھٹو آخری 323 دن — کرنل شاہ رفیع عالم

-28 In Search of Identity — Anwar-el-Sadat

-29 Robert Dallek Partnersin Power Nixon and Kissinger

-30 یہ خاموشی کہاں تک — لیفٹیننٹ جنرل (ر) شاہد عزیز

پیشِ خدمت ہے "کتب خانہ" گروپ
کی طرف سے ایک اور کتاب

پیشِ نظر کتاب فیس بک گروپ "کتب خانہ" میں بھی اپلوڈ کر دی گئی ہے۔ گروپ کا لنک ملاحظہ کیجیے :

https://www.facebook.com/groups/1144796425720955/?ref=share
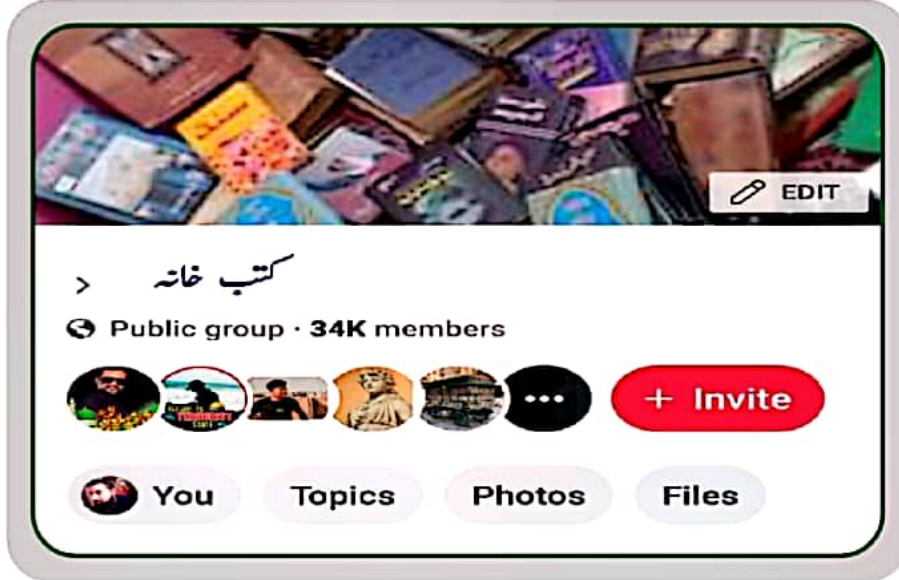
عقابی : +923055198538
محمد اطہر اقبال : +923340004895
محمد قاسم : +971543824582
میاں شاہد عمران : +923478784098
میر ظہیر عباس روستمانی : +923072128068

[illegible] بین الاقوامی معاملات پر گہری نظر رکھتے ہیں

[illegible] اکثر [illegible] کہ وہ ایک واضح [illegible]

رائے قائم کرتے ہیں۔ مصنف ۱۹۴۳ء میں [illegible] کے [illegible]

کی تحصیل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اور گریجویشن [illegible] سے حاصل کی

ایم۔اے سیاسیات کی تعلیم سندھ یونیورسٹی اور قانون کی تعلیم جناح لاء کالج حیدرآباد سے حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء پاکستان آرمی میں کمیشن حاصل کیا۔ ۲۷ سال کی آرمی سروس میں یورپ میں تربیت اور سعودی عرب میں جنرل جہانگیر کرامت کے پرنسپل اسٹاف افسر کے طور پر تعینات رہے۔ ۱۹۹۳ء میں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ریٹائرمنٹ کے بعد ۱۹۹۸ء میں چین کا ذاتی طور پر مطالعاتی دورہ کیا۔ بین الاقوامی معاملات، پاکستان کا ایشیا اور دنیا میں مقام ان کا خاص موضوع رہا۔ پچھلے پانچ برسوں سے قومی اخبار اردو روزنامہ نوائے وقت، سندھی اخبارات اور بین الاقوامی ادارہ Opinion Makers میں ان کے کالم اور آرٹیکل باقاعدگی سے چھپتے ہیں۔ اپنی ذاتی حیثیت میں موصوف بہترین اوصاف اور اعلیٰ اقدار کے مالک اور اپنے حلقہ احباب میں ایک باعزت صاحب الرائے کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

لیفٹیننٹ کرنل محمد سلیمان خان (ریٹائرڈ)

فکشن ہاؤس

لاہور • حیدرآباد • کراچی •

e-mail:fictionhouse2004@hotmail.com